

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

رُبَمَا

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

14

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ

اکرم التفاسیر

رُبَمَا

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

(14)

K Asif Sb Size 13.4x18.9 Date 22-04-14

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی سمجھنے میں انتہائی آسان، فرقہ پرستی سے پاک اور موجودہ زمانہ کے مطابق لکھی ہوئی قرآن اردو تفسیر وٹس ایپ پر فری حاصل کریں۔

یاد رکھیں گناہ جہالت کا پھل ہوتا ہے اور یہ بڑی شرم اور بدبختی کی بات ہے اگر ہم ساری زندگی میں اتنا بھی نہ جان سکیں کہ قرآن میں لکھا کیا ہے۔ لیکن اب آپ کے پاس آسان طریقہ موجود ہے۔ قرآن کی تفسیر ہر وقت آپ کی جیب میں ہوگی اور آپ کو جب بھی دن میں فارغ وقت جہاں بھی حاصل ہو آپ کچھ صفحے روزانہ پڑھتے رہیں اس طرح کچھ ہی وقت میں آپ پورے قرآن کی تفسیر سمجھ سکتے ہیں جس سے آپ کے ہزاروں عقائد و اعمال کی اصلاح ہو کر شریعت کے مطابق ہو جائیں گے اور آپ کی دنیا اور آخرت دونوں جہاں بہترین ہو جائیں گے۔ ہر پارہ کی علیحدہ علیحدہ تفسیر موجود ہے۔



www.QuranTafseer.net

0092 323 520 5255

اپنے وٹس ایپ سے اوپر دیئے گے نمبر پر میسج کریں کہ آپ کو لکھی ہوئی تفسیر چاہیے۔ جبکہ ویب سائیٹ سے بھی آپ یہی تفسیر آڈیو، وڈیو اور تحریر کردہ حاصل کرسکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں سے یہ پوسٹ شئیر کر کے ڈھیروں ثواب حاصل کریں

از دل خیزد بر دل ریزد

اکثر احباب سوچتے ہوں گے اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس بارے میں عرض کردوں کہ نہ تو خودنمائی کی پہلے کوئی تمنا تھی، نہ اب ہے اور نہ ان شاء اللہ آئندہ ہوگی۔ نہ ہی یہ خیال دل میں آیا کہ مجھے کوئی بڑا عالم یا مفتی یا مفسرِ قرآن کہے، نہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبھی اپنا وقت قربان کیا۔ ہاں، یہ خواہش ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور استاد المکرم حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی خصوصی توجہ سے جو علوم و معارف عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچاؤں اور اپنا فریضہ ادا کروں۔

ایک اور بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے وقت نزول سے تا حال اور آئندہ تا قیامت بلکہ اس سے بھی آگے حساب و کتاب، جنت و دوزخ کی بات کرتا ہے اور تمام انسانیت کو راہنمائی اور ہدایت فراہم کرتا آیا ہے اور ان شاء اللہ کرتا رہے گا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ اب اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ اس لیے کہ تمام مخلوق کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق استفادہ کرتے آئے ہیں، آئندہ بھی کرتے رہیں گے اور یہ خصوصیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کی ہو سکتی ہے۔ پہلے وقتوں میں آج کی طرح نقل و حمل و رسل و رسائل کے مواقع اتنے نہیں تھے۔ اس لیے ایک سے دوسری جگہ علوم و ایجادات پہنچنے میں سالہا سال لگ جاتے تھے۔

زمانہ حال کی جدید ایجادات اور خصوصاً الیکٹرانک ایجادات نے تو پوری دنیا کو ایک گھر کی صورت میں یکجا کر دیا یعنی Global Village اور سالوں کی مسافت سمٹ کر سیکنڈ کے ہزارویں حصہ تک آ گئی ہے۔ اس لیے زمانے اور وقت کی رفتار بھی اتنی ہی تیزی سے تبدیل

ہو رہی ہے۔ آنے والے وقتوں میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی، ان کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر ایمان لانے والوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً جدید علوم کے ماہرین اور سائنسدانوں کی کثیر تعداد اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے اور یورپ میں تو بہت ہی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

بات کہاں سے کہاں تک چلی گئی! بات تو ہو رہی تھی اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے منظر عام پر آنے کی۔ لہٰذا اسرار التنزیل کی اپنی ایک افادیت ہے۔ یہ 1971ء کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی معیت میں اپنے گھر کی حاضری کا شرف بخشا جس میں ساتھیوں کی کثیر تعداد بھی مقام ملتزم پر حاضر تھی۔ جس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا' عطا و کرم کی اس بارش میں اہل بصیرت نے دیکھا کہ فہمِ قرآن کا پیغام قلب پر وجدان کی صورت میں نازل ہوا۔ اسی پیغام کو اہل دل کی امانت سمجھتے ہوئے سپرد قلم کر دیا کہ شاید اپنے اہل تک پہنچ جائے۔

اسرار التنزیل کا انداز عام فہم اور اجمالی ہے جبکہ اکرم التفاسیر میں حالات حاضرہ کے مطابق ذرا بحث کو وسیع کیا گیا ہے۔ یہ بات اہل علم پر عیاں ہے اور پڑھنے والوں کے لیے رشد و ہدایت کا موجب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے' نجاتِ اخروی کا سبب بنائے اور رضائے الٰہی نصیب فرمائے (آمین)

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

مولانا محمد اکرم اعوان
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

امیر المکرم بحیثیت مفکر قرآن

یہ اعجازِ قرآن ہے کہ بدلتے ہوئے حالات و واقعات اور علوم میں ارتقاء کے باعث مفسرینِ کرام قرآنی علوم کی وہ جہتیں بھی آشکار کر رہے ہیں جو پہلے مفسرین کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ اگر یہ قرآن وحدیث کی معین کردہ حدود کے اندر اور اللہ کے دین اور شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں تو یہ بھی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا ہی پرتو ہے جو بطور علم لدُنّی ان علمائے ربّانی کو عطا ہوئے۔ امیر المکرم کے خطابات سے ماخوذ اکرم التفاسیر بھی فی زمانہ حالات و واقعات اور علوم جدیدہ کا احاطہ کرتے ہوئے علم لدُنّی کی ایسی روشن مثال ہے جس میں نہ صرف علوم مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیاء نظر آتی ہے بلکہ برکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قلوب کو تحریک بخشتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

قرآن کے مضامین میں اس قدر وسعت اور تنوع ہے کہ ان کی کسی فہرست کو حتمی قرار دینا ممکن ہی نہیں لیکن قرآن حکیم کا ہر مضمون ایک نظریہ اور فکر کی بات کرتا ہے۔ امیر المکرم سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ قران میں کثرت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ موسیٰ اور فرعون ہر زمانہ، ہر دور اور ہر معاشرے کے دو مرکزی کردار بھی ہیں جن کے مابین حق و باطل کا معرکہ مسلسل بپا ہے اور قرآن میں جا بجا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حوالے سے حق و باطل کے اسی معرکے کا تذکرہ ہے۔ حق و باطل کا یہی معرکہ قرآن کا مرکزی مضمون ہے۔ گرانقدر علمی مباحث قرآن کی معروف تفاسیر کی زینت تو نظر آتے ہیں لیکن قرآن کے اس مرکزی مضمون یا بالفاظ دیگر ''فکرِ قرآنی'' پر بہت کم بات کی گئی۔

دشمنان اسلام آج کھل کر قرآن کی مخالفت پر تل گئے اور اس کے پیغام کو دبانے کے

لیے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں، لیکن کیا وہ قرآن کے عائلی قوانین سے خائف ہیں، قانون وراثت سے پریشان ہیں، جنت و دوزخ یا ثواب و عذاب سے گھبرا رہے ہیں؟ نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کفار کا تو ان پر ایمان ہی نہیں۔ آج ساری کی ساری طاغوتی قوتیں اس قرآنی فکر سے لرزہ براندام ہیں جو دائمی غلبہ حق کی نوید دیتی ہے اور امیر المکرم اسی قرآنی فکر کے نقیب ہیں۔ اکرم التفاسیر میں آپ نے اسی فکرِ قرآنی کو اجاگر کیا ہے، جو اس تفسیر کا طرہ امتیاز ہے۔

امیر المکرم کفار کے لیے اللہ تعالیٰ کے اٹل قانون قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ کی روشنی میں طاغوتی قوتوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ تمہارے لیے دائمی شکست کا فیصلہ فرما دیا گیا ہے اور ذلت ورسوائی تمہارا مقدر ہے۔ غلبۂ حق کو روکنا اب تمہارے بس کی بات نہیں۔ اپنے خطابات میں آپ بکھری ہوئی ملت کو دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آؤ پھر کسی یکتائی سے عہد غلامی کرلو۔ تمہاری ذمہ داری کوئی ایک معاشرہ، قوم یا ملک نہیں بلکہ پوری انسانیت ہے۔ قرآن نے انقلاب دشمن سازشوں سے آگاہ کرتے ہوئے یہود کی طویل فردِ جرم بیان کی ہے جس میں انبیاء علیہم السلام سمیت اہل حق کے قتل کے جرائم بھی ہیں۔ امیر المکرم نے قرآنی فرمودات کی روشنی میں عالمی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے عصرِ حاضر میں یہود کے سازشی کردار کو اس طرح بے نقاب کیا ہے کہ صیہونیت صرف عالمِ اسلام ہی کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی دشمن نظر آتی ہے۔

یہ دور اسی فکرِ قرآنی کی پہچان کا دور ہے اور امیر المکرم نے بھرپور انداز میں اسے اجاگر کیا ہے۔ کفر اپنے لیے اس خطرے کو اس حد تک پہچان چکا ہے کہ عملی اقدام پر اتر آیا ہے لیکن حضرت امیر المکرم قرآن کی روشنی میں حالات و واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے غزوۃ الہند کی نوید دے رہے ہیں۔ آپ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 12 کے ضمن میں فرماتے ہیں:

"کفار کے لیے یہ آیۂ کریمہ قیامت تک کے لیے نوید شکست ہے اور میں بڑی بے باکی سے کہتا ہوں، پورے یقین، پورے ایمان سے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی کافر سپر طاقتیں پھر شکست سے دوچار ہوں گی اور ان شاء اللہ پھر غلبۂ اسلام ہوگا۔"

چونکہ تفسیر کا انداز بیانیہ ہے، تو امیر المکرم کے زوردار اندازِ بیان میں فکرِ قرآنی جب قاری تک پہنچتی ہے تو اس کے دل میں ایک تحریک بپا کر دیتی ہے، یہاں تک کہ اسے آنے والے انقلاب کی چاپ سنائی دینے لگتی ہے۔

امیر المکرم نے فکرِ قرآنی کی بات کرتے ہوئے امت میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پھیلائی گئی اس غلط فہمی کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حالات کو بدلنے کے لیے کسی امام مہدی کا انتظار کیا جائے۔ یہ موہوم امید افیون سے کم نہیں جس نے امت کو سلا دیا کہ اب کفر سے نبٹنا ہمارے بس کی بات نہیں اور یہ کام امام مہدی ہی کریں گے۔ حضرت کے خطبات بے عملی کی اس کیفیت سے بیداری کا پیغام ہیں کہ اُمت پہ ابھی بے بسی کا دور نہیں آیا۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے اور ہر فرد کو امام مہدی کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ امیر المکرم امام مہدی کی آمد کی بجائے غلبۂ حق کو بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔ یہی قرآنی فکر ہے جو ہر عہد میں حق و باطل کے معرکے کو مہمیز کرتی ہے' جو ہر دور میں خونِ مسلم کو گرم اور اُمتِ مسلمہ کو متحرک رکھتی ہے۔ امیر المکرم نے اکرم التفاسیر میں یہ فکر اس قدر نمایاں طور پر پیش کی ہے کہ وہ مفسرِ قرآن سے آگے مفکرِ قران نظر آتے ہیں اور یاد رہے! ہر انقلاب کے پیچھے کوئی مفکر ہوتا ہے۔

چھ جلدوں پر محیط تفسیر ''اسرار التنزیل'' کے حوالے سے امیر المکرم کی پہچان بطور مفسرِ قرآن تو مسلمہ ہے لیکن اب ''اکرم التفاسیر'' کی صورت آپ نے جس طرح قرآنی فکر کو اجاگر کیا ہے، آپ کا تعارف بطور ''مفکرِ قرآن'' حاوی نظر آتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفکرِ قرآن امیر المکرم کو صحت اور عمر دراز عطا فرمائے کہ یہ بیانیہ تفسیر نہ صرف مکمل ہو بلکہ آپ انقلاب بپا ہوتا ہوا بھی دیکھیں۔

[signature] ۱۸۱۱۱۸

ابوالاحمدین

فہرست مندرجات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعُصُرُ وا

پارہ 14 رُبَمَا

سورۃ الحجر رکوع 1 آیات 2 تا 15

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ۝۲ ذَرْهُمْ یَاْكُلُوْا وَیَتَمَتَّعُوْا
وَیُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ۝۳ وَمَاۤ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ
مَّعْلُوْمٌ ۝۴ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا یَسْتَاْخِرُوْنَ ۝۵ وَقَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْ
نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝۶ لَوْ مَا تَاْتِیْنَا بِالْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ
الصّٰدِقِیْنَ ۝۷ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓىِٕكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْۤا اِذًا مُّنْظَرِیْنَ ۝۸ اِنَّا نَحْنُ
نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ شِیَعِ
الْاَوَّلِیْنَ ۝۱۰ وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۱ كَذٰلِكَ
نَسْلُكُهٗ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ۝۱۲ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ ۝۱۳
وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِیْهِ یَعْرُجُوْنَ ۝۱۴ لَقَالُوْۤا اِنَّمَا
سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝۱۵

کافر لوگ کسی وقت آرزو کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے ﴿۲﴾ آپ ان کو (ان
کے حال پر) رہنے دیجیے کہ کھالیں اور (دنیا کا) فائدہ اٹھالیں اور خیالی منصوبے ان

کو غفلت میں ڈالے رکھیں سو عنقریب ان کو (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا ﴿۳﴾ اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہیں کی مگر اس کا وقت لکھا ہوا معین تھا ﴿۴﴾ کوئی جماعت اپنے وقت مقررہ سے آگے نکل سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے ﴿۵﴾ اور (کفار) کہتے ہیں کہ اے وہ شخص! جس پر ذکر (قرآن) نازل کیا گیا ہے، بے شک تم تو دیوانے ہو ﴿۶﴾ اگر تم سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتے؟ ﴿۷﴾ ہم فرشتوں کو صرف حق (فیصلہ) کے ساتھ نازل کیا کرتے ہیں اور اس وقت ان کو مہلت نہیں دی جاتی ﴿۸﴾ بے شک یہ ذکر (قرآن) ہم نے نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں ﴿۹﴾ اور یقیناً ہم نے آپ سے پہلے گروہوں میں بھی (پیغمبر) بھیجے تھے ﴿۱۰﴾ اور کوئی پیغمبر ان کے پاس نہیں آیا جس کا انہوں نے مذاق نہ اڑایا ہو ﴿۱۱﴾ اسی طرح اس (تکذیب) کو ہم گناہگاروں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں ﴿۱۲﴾ (جس کے باعث) یہ لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے اور یقیناً پہلوں کا طریقہ بھی یہی رہا ہے ﴿۱۳﴾ اور اگر ہم آسمان کا کوئی دروازہ ان پر کھول دیں پس وہ اس میں چڑھنے بھی لگیں ﴿۱۴﴾ تو کہہ دیں گے بے شک ہماری آنکھیں مخمور ہو گئی ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے ﴿۱۵﴾

تفسیر و معارف

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ کفار جب آخرت کے حقائق دیکھیں گے تو کہیں گے کہ کاش! وہ مسلمان ہوتے لیکن جب وہ دنیا میں تھے تو مادی لذتوں میں کھو کر مہلتِ عمل برباد کرتے رہے۔ ہمارا وجود مادی ہے، اس کی حیات مادی ہے، اس کا شعور اور حسیات تک مادی ہیں اور دنیا بھی مادی ہے اس لیے وجودِ انسانی اسے بہت جلد اور آسانی سے محسوس کر لیتا ہے۔ اس پر فدا ہو جاتا ہے اور اسی میں کھو جاتا ہے۔

آخرت کو پانے، آخرت کو ماننے یا آخرت پر ایمان لانے کا واحد ذریعہ ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر کسی کو ایمان و یقین نصیب ہو تو ارشاداتِ نبوی سے، اللہ کے کلام سے آخرت محسوس کی جا سکتی ہے اور دنیا میں رہتے ہوئے آخرت سنواری جا سکتی ہے۔

جب مادّی جہان آنکھوں کے سامنے ہو، اس کی لذت مادّی طور پر محسوس کی جاسکتی ہو تو کتنا مضبوط ایمان چاہیے جو ان مادّی محسوسات پر غالب آجائے اور آخرت کا یقین نصیب ہو جائے لیکن ایمان سے محروم لوگ دنیوی لذتوں میں کھوئے رہتے ہیں۔ حقیقت بہت جلد سامنے آنے والی ہے۔ بہت جلد وہ وقت آرہا ہے جب دنیا سے زیادہ واضح ہوکر، آخرت سامنے آجائے گی۔ جس کی بھی موت آتی ہے تو اس کی روح کا وہ تعلق جو دنیوی زندگی سے ہے کاٹ دیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی آخرت اس پر عیاں ہو جاتی ہے، آخرت کھل جاتی ہے۔ پھر وہ اپنی آنکھوں سے فرشتوں کو بھی دیکھتا ہے، ان کی بات سنتا ہے، ان سے بات کرتا ہے اور جنت و دوزخ کو بھی دیکھتا ہے۔ فرمایا، وہ وقت جلد آرہا ہے رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ۝ جب کافر بھی یہ کہیں گے اے کاش! ہم مسلمان ہوتے۔ جب حقائق سامنے آئیں گے تو اس وقت انہیں بھی ادراک ہوگا کہ مادّی لذتیں تو زائل ہونے والی تھیں، وہ زائل ہو گئیں اور کفر کر کے ہم ابدی راحتوں سے محروم ہو گئے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دکھ ہمارے گلے پڑ گئے۔

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ فرمایا، اب انہیں رہنے دیجیے کہ یہ کھائیں پئیں، پیٹ بھریں، دنیوی لذات سے استفادہ کریں۔ جتنی مہلت اللہ نے دی ہے اس میں دنیا کی لذتوں سے فائدہ اٹھالیں اور لمبے لمبے خیالی منصوبے بنالیں اور ساری توجہ صرف اسی پر مرکوز رکھیں کہ فلاں سے ملوں گا تو فلاں عہدہ مل جائے گا اور کسی دوسرے سے مل کر اتنی دولت کمالوں گا۔ یوں ساری زندگی اس طرح کے منصوبوں میں ضائع کر دیتے ہیں۔

ایمان سے محرومی کا سبب:

یہاں دو باتوں کو ایمان سے محروم رہ جانے کا سبب بتایا گیا ہے۔ ایک لذات دنیا میں فنا ہو جانا دوسرا لامتناہی خواہشات اور آرزوؤں کے لیے طویل منصوبے بنانا۔

یاد رہے! اسلام نے دنیا کی کسی لذت سے فائدہ اٹھانے سے منع نہیں فرمایا بلکہ ان کے حصول کا جائز ذریعہ اور طریقہ بتا دیا ہے اور یہ بھی کہ اگر جائز طریقے سے یہ حاصل نہ ہوں تو پھر اللہ کے دین کو نہ چھوڑیں۔ اللہ نے دنیا کی ہر نعمت کو جائز قرار دیا ہے کہ شادیاں کریں، گھر بنائیں، عہدہ و اقتدار ملے تو رکھیں، گاڑیاں رکھیں، ملازمت کریں۔ کسی جائز ضرورت کے پورا کرنے سے نہیں روکا صرف حدود و قیود مقرر کی ہیں کہ جہاں تک جائز حق بنتا ہے وہاں تک اپنا حق لے لیں اور جہاں کسی دوسرے کا حق ہے اس میں مداخلت نہ کریں۔ یہ اتنا خوبصورت اصول ہے کہ زندگی پرامن اور خوشگوار گزرتی ہے۔ ظاہر ہے جب ہم دوسروں کے حقوق میں مداخلت کریں گے تو کوئی دوسرا ہمارے

حقوق میں بھی در آئے گا اور یہی نتیجہ ہوگا کہ افراتفری، دہشت گردی، رشوت ستانی، چور بازاری کا دور دورہ ہوگا۔

فرمایا لیکن ان منکرین کی اس طرف توجہ ہی نہیں گئی۔ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر اعتماد حاصل نہیں تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی انہیں چھوڑ دیجیے۔ یہ محض دنیوی فائدے اٹھالیں، لمبے لمبے منصوبے بنالیں جب موت آئے گی تو ساری لذتیں بھی ختم ہوجائیں گی اور سارے منصوبے بھی تباہ ہوجائیں گے۔ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ③ عنقریب حقائق ان کے سامنے آجائیں گے۔ اللہ کریم نے بندے کو یہ اختیار خود بخشا ہے کہ اچھائی کو چن لے یا برائی کو اور ساتھ مہلت بھی دی ہے۔ اگر گناہ پر فوری گرفت ہوجائے تو پھر انتخاب تو نہ رہا، زبردستی منوانے والی بات ہوجائے گی لیکن یہ مہلت بہت چھوٹی سی ہے کہ اخروی زندگی ہمیشہ کی ہے اور اس کے مقابلے میں دنیوی زندگی ایک چھوٹا سا وقفہ ہے۔

فرمایا: وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ④ اور ہم نے جتنے شہر تباہ کیے ان کے رہنے والے کافر اپنے گناہوں اور اپنے اعمال بد کے نتیجے میں تباہ ہوئے، کوئی غرق ہوگیا، کسی پر آگ برسی، کسی کو طوفان نے گھیرا، کوئی زلزلوں سے تباہ ہوگیا تو ان سب کی مہلت بھی معین تھی۔ ایک وقت تک کے لیے مہلت دی گئی تھی جب وہ وقت پورا ہوگیا، مہلت ختم ہوگئی تو تباہ کردیے گئے۔ ہر کسی کے پاس گنتی کے دن ہیں، مخصوص مہلت ہے، جب ختم ہوجائے گی، ہر شخص اپنے انجام کو پہنچ جائے گا۔ فرمایا: مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ⑤ کوئی قوم اپنے وقت، اپنی مہلت سے پہلے تباہ نہیں ہوتی اور کوئی اس متعین مہلت کے ختم ہونے کے بعد باقی بھی نہیں رہتی۔ ایک طے شدہ وقت ہے جب پورا ہوجاتا ہے، فرصت ختم ہوجاتی ہے تو ہر کوئی اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ⑥ کفار کا اپنا ایک معاشرہ تھا، جس طرح چاہتے اپنی خواہشات کی تکمیل کرتے تھے۔ مار دھاڑ، لوٹ مار، سود خوری پر ان کا معاشرہ چل رہا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام امور کو ایک ضابطے میں پرونے کی بات کی، سب کاموں کی حدود و قیود مقرر فرمادیں کہ کام اسی حد تک اور اسی طریقے سے کیا جاسکتا ہے۔ تو وہ بڑے پریشان ہوئے کہ یہ کیا بات ہوئی، ہم اپنی زندگی کے خود مالک ہیں، گھر بار، مال و دولت، زمینیں، کاروبار ہمارے اپنے ہیں، ہم جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں۔ یہ ہماری زندگی پر کیسے قدغن لگا سکتے ہیں کہ یہ کام اس طرح کرسکتے ہو اور اس طرح نہیں کرسکتے۔ خرید و فروخت تو کرسکتے ہو، ناجائز منافع خوری نہیں کرسکتے، ناپ تول میں کمی نہیں کرسکتے۔ جس معیار کی چیز دکھائی ہے اسی معیار کی چیزیں فروخت کرنا ہوں گی۔ ان لوگوں کو یہ بات عجیب لگی کہ ہم اپنا کمایا ہوا مال اپنی مرضی سے خرچ نہیں کرسکتے۔ کہنے لگے بھلا یہ کیا بات ہوئی

کہ کمائیں ہم اور خرچ آپ کے کہنے کے مطابق کریں۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جو وہ کر رہے تھے درست ہے اور ان پر جو حدود و قیود مقرر کی جا رہی ہیں یہ غلط ہیں تو کہنے لگے (معاذ اللہ) اللہ کے نبی (علیہ السلام) کا تو دماغ چل گیا ہے۔ اے وہ ہستی جس پر قرآن نازل ہوا ہے اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۞ آپ تو دیوانے ہیں۔ ہمارے زندگی گزارنے کے طور طریقوں پر آپ پابندی لگا رہے ہیں تو یہ آپ کا پاگل پن ہے۔

پھر کہنے لگے لَوْ مَا تَأْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے نبی ہیں اور قرآن منزل من اللہ ہے، اللہ کی وحی ہے تو پھر فرشتے ہمارے سامنے آئیں اور ہم ان سے تصدیق کر لیں کہ واقعی وہ وحی لائے ہیں۔ یہ کیا بات ہوئی کہ وہ صرف آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ ہم بھی تو ویسے ہی انسان ہیں جیسے آپ ہیں تو فرشتوں کو ہمارے سامنے لائیں تا کہ ہم ان سے خود بات کریں اور تصدیق چاہیں۔

اللہ کریم نے فرمایا، یہ خود پاگل ہیں۔ جب ہر آدمی فرشتے سے بات کرنے کی استعداد حاصل کرے گا تو یہ دنیا ختم ہو چکی ہوگی۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں دوسری جگہ ارشادِ باری ہے کہ جب فرشتے کافر کی روح قبض کرنے آتے ہیں تو اسے کہتے ہیں، فِيْمَ كُنْتُمْ تم کیا کرتے رہے، عمر بھر تم نے اللہ کو نہیں پہچانا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پہچانا، اللہ کے دین کو نہیں مانا۔ تم نے عمر کہاں ضائع کر دی؟ وہ کہتے ہیں: كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ... ہم تو معاشرے کے کمزور لوگ تھے۔ جو حکمران اور با اثر لوگ تھے ہم ان کے پیچھے چلتے رہے۔

قرآن کریم بتاتا ہے کہ کافر کی سانسیں ابھی باقی ہوتی ہیں کہ موت کے فرشتے اس سے باتیں کر رہے ہوتے ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں، اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا (النساء:97) کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ ایسی جگہ ہجرت کر جاتے جہاں دیندار لوگ ہوتے اور تم دین اختیار کر لیتے؟ زندگی کا مقصد آخرت کمانا تھا محض زندگی گزارنا نہیں تھا۔ نہ محض دولت جمع کرنا تھا۔ یہاں تو وقتی طور پر زندگی گزارنے کے لیے عارضی ٹھکانہ چاہیے تھا، غذا اور دوا تمہاری ضرورت تھی، وہ بھی عطا کر دی۔ تمہارے استعمال کے لیے بے شمار لذاتِ دنیوی بھی عطا کر دیں لیکن یہ انسان کے استعمال کرنے کے لیے ہیں، یہ خود مقصد نہیں ہیں۔ جن لوگوں نے لذاتِ دنیوی کو، حکومت، دولت، اقتدار کو مقصدِ حیات بنا لیا اور دین کو پسِ پشت ڈال دیا، وہ تباہ ہو گئے۔

فرمایا: مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۞ جب ہم فرشتے نازل کرتے ہیں تو وہ حق یعنی فیصلہ کے ساتھ نازل ہوتے ہیں۔ فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے۔ اس کے بعد دارِ جزا شروع ہو

جا تا ہے۔ بات ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ پھر کسی کو کام کرنے کی فرصت نہیں دی جاتی کہ جاؤ اب نیک اعمال کر لو۔ ایسا نہیں ہوتا۔ جب فرشتے نظر آتے ہیں تو فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے اور وہ نافذ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا تمہارا یہ کہنا نری جہالت ہے کہ تم فرشتوں سے تصدیق کرانا چاہتے ہو۔ جب فرشتوں سے بات ممکن ہوگی تو پھر یہ عالم ختم ہو چکا ہوگا۔ برزخ شروع ہو جائے گا، پھر فائدہ کیا ہوگا؟

قرآن حفاظتِ الٰہیہ میں ہے:

فرمایا: اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝ یقیناً قرآن ہم نے نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اللہ کریم کا یہ فرمان قرآن کی حفاظت کا ضامن ہے اور یہ بات صرف اللہ کریم ہی فرما سکتے ہیں۔

قرآن واحد کتاب ہے جو اپنے نزول سے لے کر آج تک اور ان شاء اللہ العزیز قیامت تک قائم رہے گی۔ اس کے کسی لفظ کو بدلا نہیں جا سکتا۔ لوگ اس کی تشریح میں من پسند معنی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن متنِ قرآن میں تحریف ممکن نہیں۔

حدیث بھی مُنَزَّل مِنَ اللہ ہے:

ارشاداتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی احادیث مبارکہ قرآن کی مستند تشریح ہے اور ویسی ہی مُنَزَّل مِنَ اللہ ہے جیسے قرآن مُنَزَّل مِنَ اللہ ہے۔ یہ منصب صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے قرآن کو وصول کریں اور اسے دوسروں تک پہنچائیں۔ ارشاد باری ہے: وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ (النحل: 44) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کتاب نازل فرمائی تا کہ لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بتائیں کہ ان آیات کا مفہوم کیا ہے، اس سے مراد کیا ہے لہٰذا حدیث شریف بھی وحی الٰہی ہے۔ یہ وحی غیر مَتْلُوّ ہے یعنی اس وحی کی تلاوت نہیں کی جاتی اور قرآن وحی مَتْلُوّ ہے یعنی وہ جس کی تلاوت کی جائے۔ یہ حفاظتِ الٰہیہ قرآنِ کریم کے الفاظ کو حاصل ہے اور قرآن کی جو تشریح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، اسے بھی حاصل ہے یعنی حدیث کو بھی حاصل ہے۔

اللہ کے قرآن اور حدیثِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بدنصیب لوگ اعتراض کرتے رہے ہیں۔ ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو یہ کہتا ہے کہ یہ اصل قرآن نہیں، (معاذ اللہ) صحابہؓ نے اس میں تبدیلی کر دی۔ یہ بات اس انداز سے دیکھی جائے تو بھی بعید از قیاس ثابت ہوتی ہے کہ جو قرآن بعد والوں نے گھڑ لیا وہ تو پندرہ سو سال

سے محفوظ ہے اور جو قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، وہ عہدِ صحابہؓ میں (معاذ اللہ) تبدیل ہو گیا۔ یہ تو عقل میں آنے والی بات نہیں۔

کچھ بدنصیب لوگوں کو حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض ہے کہ احادیث کے مجموعے تو چوتھی صدی ہجری میں مدون ہوئے لہٰذا قابلِ اعتبار نہیں۔ یہ بھی ایک جاہلانہ اعتراض ہے۔ احادیث مبارکہ تو عہدِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محفوظ کی گئی تھیں البتہ کتابی صورت میں بعد میں محفوظ کی گئیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ بے شمار حدیثیں گھڑی گئیں۔ اپنی طرف سے بنا کر حدیث کے نام سے مشہور کی گئیں۔ ایسی مذموم کوششیں تب سے لے کر اب تک کی جا رہی ہیں لیکن کیا اس ناپاک کوشش سے اصل حدیث محو ہو گئی؟ ہرگز نہیں۔ اللہ کریم نے ارشاداتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو من وعن محفوظ رکھا ہوا ہے۔ آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم واحد ہستی ہیں جن کی زندگی مبارک کا ایک ایک لمحہ محفوظ ہے۔ مسلمانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غذا کی مقدار تک کو گن رکھا ہوا ہے۔ یہاں تک گن رکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی پاک میں کتنا دودھ نوش فرمایا، کتنے چاول اور گندم استعمال فرمائی، کتنے نعلین مبارک اور لباس مبارک استعمال فرمائے، کتنی زرہیں، تیر وتلوار زیر استعمال رہے، کیا چیز استعمال کی اور کتنا عرصہ استعمال کی، کس موقع پر کیا ارشاد فرمایا۔ ایک ایک لفظ ہیروں کی طرح پرو کر رکھا ہوا ہے۔

حدیث کی حفاظت کے لیے مسلمانوں نے سترہ علوم ایجاد کیے۔ ہر راویٔ حدیث کی پوری زندگی، اس کا کردار، اس کی یادداشت تک کو محفوظ کیا گیا۔ پھر اللہ کریم نے قرآن وحدیث کی حفاظت کے لیے حفاظِ قرآن اور حفاظِ حدیث پیدا کر دیے۔ اللہ کے وہ بندے پیدا کیے جن کے سینوں میں قرآن حکیم محفوظ کر دیا گیا اور وہ بندے بھی پیدا کیے جن کے سینوں میں حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ کر دی گئی۔ ایسے ایسے محقق پیدا کیے، جنہوں نے غلط اور بنائی گئی حدیثوں کو چھانٹ کر، الگ کر کے پھینک دیا۔ حفاظتِ حدیث کے شعبے میں بہت خلوص، محنت، جانفشانی اور تحقیق سے کام ہوا، اپنے سعادت مند بندوں کو اللہ نے یہ توفیق دی کیونکہ قرآن کی حفاظت وعدۂ الٰہی ہے۔

حفاظتِ قرآن کی صورتیں:

قرآن کی حفاظت یہیں ختم نہیں ہو جاتی کہ الفاظِ قرآن محفوظ رہیں، حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں قرآن کا وہ مفہوم محفوظ رہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا بلکہ ایسے لوگ بھی ان شاء اللہ قائم

رہیں گے جو قرآنِ حکیم اور اس کے مفہوم یعنی حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق عمل کرتے رہیں گے۔ قرآن پر پکا یقین رکھنے والے، قرآن کے مفاہیم کو سمجھنے والے، قرآن کے مطابق زندگیاں بسر کرنے والے بھی ہمیشہ رہیں گے۔ اُن کو حفاظتِ الٰہیہ حاصل رہے گی۔ وہ بھی اللہ کے وعدۂ حفاظتِ قرآن میں شامل ہیں اور جب ایسے لوگ نہیں رہیں گے تو قیامت قائم ہو جائے گی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۰﴾ فرمایا، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ یہ گمراہ لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی باتوں کا مذاق اڑا رہے ہیں یا انکار کر رہے ہیں۔ ہم نے پہلے بھی بہت سے گروہوں پر انبیاء بھیجے۔ یہاں قرآن کریم نے لفظ شیعہ استعمال فرمایا ہے۔ اس کا لغوی معنی جماعت یا گروہ ہے جسے انگریزی میں گروپ Group یا پارٹی Party کہتے ہیں۔ لیکن قرآنِ کریم میں تقریباً آٹھ مرتبہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ ایسے ہی گروہ کے لیے استعمال ہوا ہے جو گمراہ و بے دین تھے، لیکن اپنے کفر کو رائج کرنا چاہتے تھے اور انہیں اصرار تھا کہ وہی حق پر ہیں۔ یہاں ایسے لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۱﴾ اور کوئی پیغمبر ان کے پاس نہیں آیا جس کا انہوں نے مذاق نہ اڑایا ہو۔ اللہ نے تو ہر قوم میں اپنے انبیاء مبعوث فرمائے لیکن ان میں سے گمراہ لوگوں نے، گمراہ گروہوں نے انبیاء کا مذاق ہی اڑایا۔ انبیاء نے جب اللہ کریم کے احکامات سنائے جو اُن لوگوں کو پسند نہ آئے کہ یہ اُن کی مرضی کے خلاف تھے تو انہوں نے نہ صرف انکار کیا بلکہ تمسخر کرنے لگے کہ دیکھو! یہ کیا احمقانہ باتیں کر رہے ہیں۔ یہ کون ہوتے ہیں، یہ بتانے والے کہ یہ رزق حرام ہے اور یہ حلال؟ یہ تو ہماری مرضی ہے، ہم جیسے چاہیں کمائیں، جہاں چاہیں اڑائیں۔ ہم اپنی مرضی سے رشتے قائم کریں، یہ کون ہوتے ہیں یہ بتانے والے کہ یہ رشتہ جائز ہے اور یہ ناجائز؟ ہم جس کو چاہے بیوی بنالیں، یہ کیسے کہتے ہیں کہ بہن یا بھانجی سے شادی نہیں ہو سکتی۔ ہم اپنے مال کو جمع رکھیں یا خرچ کر دیں، یہ کیوں کہتے ہیں کہ جمع شدہ مال پر زکوٰۃ دو؟ یہ تو ہماری زندگی میں مداخلت کر رہے ہیں۔ ان کو رسول مان لیا تو یہ بندہ ہمارے افکار و نظریات کو بدل دے گا۔ صدیوں سے رائج ہماری رسومات و رواجات اور تہذیب کو بدل ڈالے گا۔

اللہ کریم نے فرمایا، جب انہوں نے گمراہی پر قائم رہنے کا فیصلہ کر لیا تو ہماری طرف سے انہیں سزا مل گئی۔ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ فرمایا، جو لوگ مسلسل گناہ کرتے ہیں، برائی کے راستے پر چل پڑتے ہیں، ان کے دلوں کو ایسا بدل دیا جاتا ہے کہ برائی ان کے دل میں گھر کر جاتی ہے۔ ان کے گناہوں کے سبب انہیں یہ سزا ملتی ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم انہیں پسند ہی نہیں آتا۔ جن بدکاروں کو دنیوی عیش اور

اپنی خواہشات نفس ہی مرغوب ہیں، ہم ان کے دل انہی کی طرف موڑ دیتے ہیں، پھر نہ انہیں نیکی کی بات سمجھ آتی ہے نہ ان کا دل نیکی میں لگتا ہے اور یہ ہمیشہ کی محرومی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اگر یہ اللہ کے بھیجے ہوئے انبیاء کی بات قبول کر لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ اللہ کریم نے کسی دنیوی ضرورت کے پورا کرنے سے نہیں روکا۔ دنیا کی ہر نعمت استعمال کے لیے بنائی ہے اور فرمادیا ہے کہ تمام نعمتیں استعمال کرو، لیکن میرے حکم کے مطابق استعمال کرو، اس طریقے سے استعمال کرو جو طریقہ میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سکھاتے ہیں۔ یوں تمہاری دنیا کے کام بھی احسن طریقے سے ہوں گے اور آخرت کی تعمیر بھی ہوتی چلی جائے گی۔ حصولِ آخرت، حصولِ رضائے باری، اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مقصدِ حیات ہے، محض دنیا کے کام کرنا مقصدِ حیات نہیں للہٰذا یہ روش اختیار کرنا کہ صرف دنیوی لذات ہی حاصل ہوتی رہیں، صرف دنیوی مال و دولت کے لیے بھاگ دوڑ کرتا رہے خواہ آخرت بگڑتی چلی جائے تو یہ زندگی کو تباہ کر دیتا ہے اور آخرت بھی تباہ ہو جاتی ہے۔

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ فرمایا، اب یہ نہیں مانیں گے اس لیے کہ انہوں نے گناہ اور برائی پر مُصر رہ کر دلوں کو برائی سے اتنا آلودہ کر دیا ہے گویا یہ ان کے دلوں میں رچ بس گئی ہے۔ اب برائی ہی ان کا مزاج بن چکا ہے۔ انہیں اب برائی ہی بھاتی ہے۔ جس طرح ایک نفاست پسند انسان اچھی، لذیذ اور نفیس غذا پسند کرتا ہے، اسی طرح پاکیزہ مزاج شخص بھلائی کو مرغوب رکھتا ہے۔ جس طرح دنیا میں اللہ نے ایسے ایسے جانور بھی پیدا کیے ہیں، جو کانٹے دار جھاڑیاں شوق سے کھاتے ہیں، وہ کسی اچھی غذا کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے، اس لیے کہ ان کا مزاج ہی ایسا بن گیا ہے۔ خاردار جھاڑی ہی انہیں مزہ دیتی ہے۔ اسی طرح جب دل گناہوں سے آلودہ ہوتے ہوتے سیاہ ہو جاتے ہیں تو پھر ایسے لوگوں کو گناہ میں ہی لذت ملتی ہے۔ نیکی پسند نہیں آتی اور یہ سب ان کا اپنا کیا دھرا ہے۔

فرمایا، ان سے پہلی قوموں کا حال بھی دیکھ لیجیے! جو اسی طرح کفر میں مبتلا ہوئے اور کفر میں ہی تباہ ہو گئے، لیکن ایمان کے طالب نہ ہوئے تو انہیں ایمان نصیب نہیں ہوا۔ یہ بھی ان جیسے ہی ہیں، یہ ایمان نہ لائیں گے۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾ اگر ان کے لیے ہم آسمان کا دروازہ کھول دیں اور زمین سے آسمان تک سیڑھی لگا دیں اور یہ آزادانہ اسی میں آتے جاتے رہیں لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾ تو کہیں گے، یا تو ہم پر جادو کر دیا گیا ہے یا ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم آسمان پر چڑھ جائیں اور واپس زمین پر آ جائیں؟ یہ تو ممکن نہیں۔ یعنی جب دل تاریک ہو جائے تو پھر بڑی سے بڑی دلیل بھی اثر نہیں کرتی۔ بندہ ہدایت کی طرف نہیں آتا۔

سورۃ الحجر رکوع 2 آیات 16 تا 25

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿١٦﴾ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ
شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿١٧﴾ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٨﴾
وَالْأَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَأَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَأَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ
مَّوْزُوْنٍ ﴿١٩﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَإِنْ
مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٢١﴾ وَأَرْسَلْنَا
الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَآ أَنْتُمْ لَهٗ
بِخٰزِنِيْنَ ﴿٢٢﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا
الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِيْنَ ﴿٢٤﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ
هُوَ يَحْشُرُهُمْ إِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٥﴾

اور بے شک ہم نے آسمان میں برج (بڑے بڑے منارے) بنائے اور دیکھنے والوں کے لیے اس کو سجا دیا ﴿١٦﴾ اور اس کو ہر شیطان مردود سے محفوظ فرمایا ﴿١٧﴾ ہاں مگر کوئی چوری چھپے کوئی بات سننا چاہے تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ ہو لیتا ہے ﴿١٨﴾ اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس پر پہاڑ (بنا کر) رکھ دیے اور اس میں ہر قسم کی چیز ایک معین مقدار سے اگائی ﴿١٩﴾ اور ہم نے اس میں تمہارے لیے اور جن لوگوں کو تم روزی نہیں دیتے، معاش کے سامان پیدا فرمائے ﴿٢٠﴾ اور ہمارے ہاں ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم انہیں ایک مقررہ مقدار سے اتارتے

رہتے ہیں ﴿۲۱﴾ اور ہم ہی ہوائیں چلاتے ہیں جو (بادلوں کے پانی سے) بھری ہوتی ہیں سو ہم ہی آسمان (بلندی) سے مینہ برساتے ہیں پھر ہم ہی تم کو وہ (پانی) پلاتے ہیں اور تم اتنا پانی جمع کر کے نہ رکھ سکتے تھے ﴿۲۲﴾ اور بے شک ہم ہی حیات بخشتے ہیں اور ہم ہی موت دیتے ہیں اور ہم ہی (سب کے) وارث (مالک) ہیں ﴿۲۳﴾ اور یقیناً جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہم کو معلوم ہیں اور جو پیچھے آنے والے ہیں وہ بھی ہم کو معلوم ہیں ﴿۲۴﴾ اور بے شک آپ کا پروردگار ان سب کو اکٹھا فرمائے گا بے شک وہ بڑا حکمت والا (دانا)، علم والا ہے ﴿۲۵﴾

تفسیر و معارف

یہ پورا رکوع اللہ کریم کی قدرتِ کاملہ کے تذکرے سے پُر ہے تا کہ لوگوں کے لیے موجبِ ہدایت ہو۔ فرمایا: وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾ ہم نے آسمان میں بڑے بڑے روشن منارے (برج) بنا دیے جو آسمان کی سجاوٹ اور خوبصورتی کا باعث ہیں اور وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ اور ان سے آسمان کی حفاظت کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ شیطان مردود اور اس کی ساری اولاد سے اسے محفوظ رکھا جاتا ہے۔

جب شیطان مردود ہو کر نکالا گیا تو آسمانوں میں داخل نہیں ہو سکتا تھا لیکن یہ اور اس کی اولاد آسمان کے قریب چلے جاتے جہاں سے فرشتوں کی باتیں سنائی دیتی تھیں۔ کوئی ایک آدھ بات ان کے کان میں پڑ جاتی، وہ اسے جادوگروں، کاہنوں، جوتشیوں کو بتاتے۔ اس طرح یہ شیطانی کاروبار چلتا رہتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو یہ سلسلہ بند کر دیا گیا۔ جب ان میں سے کوئی آسمان کے قریب جاتا تو شہابِ ثاقب ان پر لپکتے اور انہیں جلا دیتے۔

ملحدین نے کہا کہ یہ شہابِ ثاقب تو بعثتِ عالی سے پہلے بھی ٹوٹتے اور گرتے تھے۔ علماءِ حق نے جواب دیا ہے کہ ستارے، سیارے اور شہابِ ثاقب کی ٹوٹ پھوٹ فطری طور پر ہونا نظامِ قدرت کا حصہ ہے۔ بعثتِ عالی سے پہلے ایسا فطری طور پر ہوتا تھا۔ اب فطری طور پر بھی گرتے ہیں اور قرآن کے بیان کے مطابق شیاطین پر خصوصی طور پر پھینکے جاتے ہیں اور اس طرح شیطان مردود اور اس کی ساری اولاد سے آسمان کی حفاظت کی جاتی ہے۔

إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ اب بھی اگر کوئی شیطان یا اس کا چیلہ کوئی بات سننا چاہے تو

فوراً شہابِ ثاقب لپکتا ہے اور اسے جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔

فرمایا، یہ ہماری قدرتِ کاملہ ہے کہ ہم نے زمین کو پھیلا دیا ہے۔ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ زمین بیضوی ہے لیکن جہاں بھی جائیں زمین سیدھی نظر آتی ہے۔ ہم دنیا کے جس حصے میں بیٹھے ہیں وہاں سے بالکل مخالف سمت میں امریکہ کے مغربی ساحل ہیں۔ ہمارا، اُن کا بارہ گھنٹے کا فرق ہے۔ یہاں جب دن کے بارہ بجے ہوں وہاں رات کے بارہ بجتے ہیں۔ گویا زمین کے ایک طرف ہم ہیں اور دوسری طرف وہ ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ ایک طرف سیدھے ہوں اور دوسری طرف لوگ اُلٹے ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ سائنس یہ کہتی ہے کہ کششِ ثقل ہے، جس نے کھینچ کر انسانوں کو زمین کے ساتھ لگا رکھا ہے۔

ایک تجربہ کریں۔ مقناطیس کا ایک ٹکڑا لیں، اس کے اوپر بھی لوہا لگائیں، اس کے نیچے بھی لوہا لگائیں تو نیچے والا لٹکتا ہی رہے گا، وہ سیدھا کیسے ہو سکتا ہے؟ زمین کی کششِ ثقل کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے زمین کو کھینچ کر ''چپٹا'' کر دیا ہے تاکہ زمین کے ہر حصے پر انسان رہائش پذیر ہو سکیں۔ وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿١٩﴾ ہم نے اس پر بڑے بڑے پہاڑ کھڑے کر دیے کہ اس سے اس کا توازن قائم رہے۔ اور اس میں ہر شئے مناسب اور موزوں مقدار میں اگائی۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ اتنی پیداوار ہو کہ بعد میں آنے والوں کا حصہ بھی زمین سے باہر آ جائے۔ ایک قوم کھا کر چلی جائے اور پھر صدیوں تک اس میں فصل ہی نہ ہو۔ ایسا نہیں ہوتا۔ ہر چیز اپنے مناسب اور موزوں وقت پر اگتی ہے۔ اللہ کریم ایسے قادر ہیں کہ زمین میں پہاڑ کھڑے کر کے اس میں توازن قائم کر دیا۔ سمندروں کی صورت میں پانی کا ذخیرہ بنا دیا۔ اسے محفوظ رکھنے کے لیے سمندروں کا پانی اس قدر نمکین رکھا کہ جو چیز اس میں داخل ہو، وہ گل کر نمکیات بن جائے۔ اگر سمندروں کا سارا ذخیرہ میٹھا ہوتا تو چند سالوں میں اس میں بدبو پیدا ہو جاتی اور دنیا رہنے کے قابل نہ رہتی۔ اللہ کریم ایسا قادر ہے کہ اسی کڑوے پانی سے بادل بناتا ہے، ہوا انہیں اٹھائے پھرتی ہے، پھر انہی بادلوں سے بارش برساتا ہے۔ میدانوں میں پانی برستا ہے اور پہاڑوں پر برف جمتی ہے۔ آلودگی سے پاک ماحول میں برف پہاڑوں پر محفوظ رہتی ہے۔ پھر وہ پگھلتی ہے تو دریا بہتے ہیں۔ زمین میں پانی جگہ جگہ جذب ہوتا ہے اور چشمے ابلتے ہیں۔ صرف یہی ایک نظارہ اس کی قدرتِ کاملہ کی گواہی کے لیے کافی نہیں ہے! وہ کون ہے جس نے اتنا وسیع اور مکمل نظام جاری کر رکھا ہے جس

میں ہر چیز اپنے وقت پر کام کرتی ہے اور مسلسل کیے جا رہی ہے۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾ ہم نے تم سب کی روزی اسی زمین میں رکھ دی ہے۔ یہیں چشمے ابلتے ہیں، یہیں دریا اور نہریں بہتی ہیں۔ یہی تمہارے سارے رزق کا سامان فراہم کرتی ہے۔ زمین تمہارے لیے فصلیں اگلتی ہے، پھل دیتی ہے، تمہارے جانوروں کے لیے چارا فراہم کرتی ہے۔ یہی زمین تمہارے گھر بنانے کے کام آتی ہے۔ یہ نرم اتنی ہے کہ ایک سوئی سے کھود سکتے ہو اور سخت اتنی ہے کہ پہاڑ جیسا قلعہ بنا دو تو اٹھائے رکھتی ہے۔ وسیع الظرف اتنی ہے کہ ہر شخص کو روزی دیتی جا رہی ہے۔ جاذب اتنی ہے کہ بے شمار مخلوق اس میں دفن ہو چکی ہے اور باقی سب کو بھی یہی سنبھال لے گی۔

فرمایا: وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾ تم کسی کے رازق نہیں ہو۔ یہ اللہ کے خزانے ہیں، وہ خود ہر متنفس کو اس کی ضرورت کے مطابق روزی پہنچا رہا ہے جو اس نے خود مقرر فرمائی ہے۔ ایک ادنیٰ سی چیونٹی سے لے کر بڑے بڑے جانور تک کو اس کی متعین روزی پہنچ رہی ہے۔ گھاس کو نمی، درختوں کو پانی، کھیتوں کو تراوت یعنی ہر چیز کو اس کی مطلوبہ شئے پہنچ رہی ہے۔ فرمایا، وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ہماری بارگاہ میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ بے پناہ نعمتوں کے سارے خزانے ہمارے حضور میں حاضر ہیں وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ جسے ہم ایک مقررہ نظام کے مطابق نازل فرماتے ہیں، جو جب بھی پیدا ہوتا ہے، اس کا مقررہ رزق اسے مل جاتا ہے۔ کوئی ایسا نہیں کہ آنے والوں کا چھین کر کھا جائے۔ جو رزق جس کے بدن کا مقدر بنا دیا گیا ہے صرف وہی اس کا جزوِ بدن بنتا ہے۔ یہ ہمارا ہی نظام ہے جو کس قدر باریکی سے اور باقاعدگی سے چل رہا ہے! وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ہم ہواؤں کو چلاتے ہیں جو بادلوں سے بھری ہوتی ہیں۔ دریا بہتے ہیں، پھر پانی ہوا میں اڑ جاتا ہے۔ ٹنوں پانی ہوائیں اڑائے لیے پھرتی ہیں۔ جہاں اللہ چاہتا ہے برساتی ہیں۔ فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ پھر ہم ہی تمہیں اس سے پانی فراہم کرتے ہیں۔ تم اتنا پانی جمع کر کے نہیں رکھ سکتے تھے جو صدیوں کام آتا رہتا۔

یہ انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ اُس کا نظام ہے جس نے سمندر بنا دیے، پہاڑوں پر برف جما دی، زمین کے سینے میں سوتے جاری کر دیے۔ جس سے تمہارے رزق کا سامان بہم پہنچایا

جاتا ہے۔ وَاِنَّا لَنَحۡنُ نُحۡیٖ وَنُمِیۡتُ یاد رکھو! ہم ہی زندگی دیتے ہیں، ہم ہی موت دیتے ہیں۔ اللہ کے نظام میں تمہاری پسند کو دخل نہیں۔ تم اپنے لیے ایک لقمے کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ وہ چاہے تو کھانے دے، نہ چاہے تو نہ کھانے دے۔ ایک قطرہ پانی اور ایک جھونکا ہوا کا تم تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اللہ نہ چاہے۔ اس لیے کہ زندگی اور موت ہمارے دستِ قدرت میں ہے۔ کوئی کسی مرنے والے کو ایک لمحہ زندگی نہیں دے سکتا وَنَحۡنُ الۡوٰرِثُوۡنَ۝۲۳ اور ہم ہی سب کے وارث یعنی مالک ہیں۔ ہم نے ہر چیز تمہاری ملکیت میں وقتی طور پر دی ہے۔ حقیقی مالک ہم ہی ہیں۔ تمہارے ذِمہ صرف ایک کام ہے کہ تم اللہ کے شکر گزار بنو اور کفرانِ نعمت سے بچو۔

وَلَقَدۡ عَلِمۡنَا الۡمُسۡتَقۡدِمِیۡنَ مِنۡكُمۡ وَلَقَدۡ عَلِمۡنَا الۡمُسۡتَاۡخِرِیۡنَ۝۲۴ ہر فرد نے جو عقیدہ و نظریہ اپنایا، جو عمل کیا، جو خیال اس کے دل میں گزرا، سب کا علم ہمارے پاس ہے۔ جو لوگ گزر گئے ان کا بھی، جو موجود ہیں ان کا بھی اور جو آنے والے ہیں ان کا بھی، پورے کا پورا حال ہمارے علم میں ہے۔ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحۡشُرُهُمۡ ؕ اِنَّهٗ حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ۝۲۵ اور آپ کا پروردگار اگلوں، پچھلوں کو ایک جگہ اکٹھا فرمائے گا۔ وہاں فیصلے ہوں گے اور پتا چلے گا کہ کس کا انتخاب درست تھا۔ جس نے دنیا کو اللہ کے حکم کے مطابق گزارا اور آخرت کو ہمیشہ مقدم رکھا وہ کامیاب ہوگا۔ جس نے دنیا کی زندگی اپنی مرضی سے گزاری، دنیوی لذتوں میں فنا ہو کر عمر ضائع کر دی، وہ دیکھ لے گا کہ اس نے کیا پایا! اور بلاشبہ اللہ حکمت والے اور علم والے ہیں۔ تمام امور اللہ کریم کی حکمت کے مطابق انجام پاتے ہیں۔ اور وہ ہر شخص کی ہر حرکت و سکون سے ہمہ وقت باخبر ہیں۔

سورۃ الحجر رکوع 3 آیات 26 تا 44

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ
مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ
صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا
لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ
يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾
قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾
قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾
قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰى
يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِیْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ
وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا
صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ عِبَادِیْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ
اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ
اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾

اور یقیناً ہم نے انسان کو کھنکھناتے ہوئے سڑے ہوئے گارے سے پیدا فرمایا ﴿۲۶﴾ اور جنوں کو اس سے پہلے آگ کی لُو سے پیدا فرمایا ﴿۲۷﴾ اور جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ بے شک میں کھنکھناتے سڑے ہوئے

گارے سے آدمی کو پیدا کرنے والا ہوں ﴿۲۸﴾ پھر جب میں اس کو (انسانی صورت میں) درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا ﴿۲۹﴾ سو سب کے سب فرشتوں نے سجدہ کیا ﴿۳۰﴾ مگر ابلیس کہ اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا ﴿۳۱﴾ (اللہ نے) فرمایا اے ابلیس! تجھے کیا ہوا (کس چیز نے تجھے روکا) کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟ ﴿۳۲﴾ اس نے کہا میں ایسا نہیں کہ آدمی کو جس کو آپ نے کھنکھناتے ہوئے سڑے ہوئے گارے سے پیدا فرمایا ہے، سجدہ کروں ﴿۳۳﴾ ارشاد ہوا پس یہاں سے نکل جا، سو بے شک تو مردود ہے ﴿۳۴﴾ اور بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت برسے گی ﴿۳۵﴾ اس نے کہا اے میرے پروردگار! پس مجھ کو لوگوں کے اٹھائے جانے کے دن تک مہلت دیجیے ﴿۳۶﴾ ارشاد ہوا سو بے شک تجھے مہلت دی جاتی ہے ﴿۳۷﴾ مقررہ وقت کے دن تک ﴿۳۸﴾ کہنے لگا اے میرے پروردگار! جیسا کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا میں ان کو دنیا میں ضرور (گناہ) مرغوب کر کے دکھاؤں گا اور ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا ﴿۳۹﴾ ہاں سوائے تیرے مخلص بندوں کے (کہ وہ میرے فریب میں نہ آئیں گے) ﴿۴۰﴾ فرمایا بے شک مجھ تک پہنچنے کا یہی سیدھا راستہ ہے ﴿۴۱﴾ واقعی میرے ان بندوں پر تیرا بس نہ چل سکے گا سوائے ان گمراہوں کے جنہوں نے تیری پیروی کی ﴿۴۲﴾ اور بے شک ان سب سے جہنم کا وعدہ ہے ﴿۴۳﴾ جس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لیے لوگوں کے الگ الگ حصے ہیں ﴿۴۴﴾

تفسیر و معارف

انسان کے مادّی وجود کے بنیادی عناصر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ اور یقیناً ہم نے انسان کو کھنکھناتے ہوئے، سڑے ہوئے گارے سے پیدا فرمایا۔

مٹی اگر تراوت میں رہے تو گلنے سڑنے لگتی ہے، پھر خشک ہو کر گارا بن جاتی ہے۔ گل سڑ کر خشک ہو کر کھنکھنانے لگتی ہے۔ فرمایا، ہم نے انسان کو اس مٹی سے پیدا فرمایا۔ انسان کو جو مادّی وجود دیا گیا اس کا غالب عنصر مٹی ہے اس لیے مٹی کا ذکر فرمایا گیا ورنہ انسان میں مٹی، پانی، آگ اور ہوا یہ عناصرِ اربع شامل ہیں۔

تخلیقِ جنات:

فرمایا: وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ اور جنات کو ہم نے انسان سے قبل آگ کی لَو سے پیدا فرمایا۔ یہ بات تو یقینی ہے کہ جنات کی تخلیق انسانوں سے پہلے ہوئی لیکن کتنا عرصہ پہلے ہوئی یہ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔ اس میں مفسرین کرام کی مختلف آراء ہیں۔ جنات کی تخلیق آگ کی لَو سے ہوئی۔ آگ بذاتِ خود نظر نہ آنے والی چیز ہے۔ آگ کے جو شعلے نظر آتے ہیں وہ ان کثیف مادوں کی وجہ سے نظر آتے ہیں جو آگ میں جل جاتے ہیں۔ ان کثیف مادّوں کے جل جانے کی وجہ سے شعلہ نظر آتا ہے۔ اس سے اوپر جو لَو اٹھتی ہے وہ نظر نہیں آتی۔ چونکہ جنات اس لَو سے تخلیق کئے گئے ہیں اس لیے ان کا وجود ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ یہ غیر مرئی مخلوق ہے۔

ہزاروں سال پہلے جنات زمین پر آباد تھے۔ ابلیس بھی جنوں میں سے تھا، فرشتوں میں رہنے لگا۔ عام فرشتوں کا بھی سردار مقرر ہو گیا۔ اسے معلم الملکوت بھی کہا جاتا ہے، یعنی فرشتوں کا استاد مقرر ہوا لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ تخلیق آدمؑ کے بعد اللہ کریم نے سب کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو سب نے حکم کی تعمیل کی سوائے شیطان کے۔ سورہ بقرہ میں اس کا تذکرہ یوں آتا ہے وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً... جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں تو فرشتے کہنے لگے قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ... ربِّ کریم! آپ نے جو مخلوق زمین پر پیدا کی ہے وہ زمین پر فساد برپا کیے رکھتے ہیں، قتل و غارت کرتے ہیں، آپ کی عظمت کا انکار کرتے ہیں، کفر و شرک میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اب آپ کوئی اور مخلوق زمین پر بھیجیں گے تو وہ بھی ایسا ہی کرے گی جبکہ ہم آپ کی تسبیح و تحمید اور آپ کی عظمتوں کو بیان کرنے میں دن رات مشغول ہیں۔ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ:30)

اس کے بعد کی آیات میں فرمایا: وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ (البقرہ:33) جو باتیں تم ظاہر کر رہے ہو، میں وہ بھی جانتا ہوں اور جو تمہارے اندر چھپی ہوئی ہیں مجھے اُن کا بھی علم ہے۔ غور کا

مقام ہے کہ فرشتوں کے باطن میں کوئی کھوٹ نہیں ہوتا وہ تخلیقاً پاکیزہ مخلوق ہیں۔ اُن کے اندر تو کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ جو عرض کرر ہے تھے، اندر باہر ایک ہی بات تھی تو اللہ کریم کے یہ فرمانے سے کیا مراد ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ فرشتوں میں ابلیس بھی شامل تھا، اس کے اندر تکبر چھپا ہوا تھا، اپنی بڑائی چھپی ہوئی تھی۔ اس لیے اللہ کریم نے فرمایا کہ جو تم ظاہر کرر ہے ہو، مجھے اس کا بھی علم ہے اور جو کچھ کسی کے اندر ہے، مجھے اس کی بھی خبر ہے۔ بعد کے واقعات نے واضح کر دیا کہ شیطان کا تکبر کھل کر سامنے آ گیا۔

تخلیقِ آدم علیہ السلام:

اللہ کریم نے فرشتوں سے فرمایا: وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ میں سڑے ہوئے خشک گارے سے انسان پیدا کرر ہا ہوں، آدمی کو وجود عطا کرر ہا ہوں۔

یہ اللہ کریم کی سنت ہے کہ ہر چیز کو شروع فرما کر احسن طریقے سے اسے تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ جیسے ڈال پر غنچہ پھوٹتا ہے، پھوٹ کر کلی بنتی ہے، کھِل کر پھول بنتا ہے اور بہار دکھلاتا ہے، اسی طرح کائنات بھر میں ربِّ کریم نے تخلیق میں تدریج رکھی ہے۔ ہر کام درجہ درجہ مکمل ہوتا ہے۔ ہر کام کے ہونے میں ایک ترتیب ہے۔ فرمایا: فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ... جب میں انسان کے وجود کو مناسب، خوبصورت اور بہترین تیار کر دوں وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ... اور اس میں اپنی روح پھونک دوں۔

مِنْ رُّوْحِىْ یا ''اپنی روح'' سے کیا مراد ہے؟

اس پر مفسرین کرام نے بڑی طویل بحثیں کی ہیں۔ تفسیر ابنِ کثیر ہو، روح البیان ہو، تفسیرِ مظہری ہو یا تفسیر معارف القرآن ہو جس تفسیر کو بھی دیکھیں سب کی بحث اس ایک نکتے کے گرد گھومتی ہے کہ روح کیا ہے؟ کیا روح ایک جسمِ مجرد ہے کہ اس کی لمبائی چوڑائی اور اونچائی ہے یا ایسی کوئی شئے ہے جس کی لمبائی، چوڑائی وغیرہ ماپنا ممکن نہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اس ساری بحث کو سمیٹتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ کریم نے اس سوال کا جواب قرآن حکیم میں یوں عطا فرمایا ہے، قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ کہ روح کا تعلق امرِ الٰہی سے ہے۔ امر اللہ کی صفت ہے۔ اس صفتِ باری سے روح کیونکر پیدا کی گئی، اس کے بارے ارشادِ باری ہے وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل: 85) فرمایا، تمہارے مادّی اور دماغی علوم اس قدر وسیع نہیں کہ وہ عالمِ امر کے حقائق کو جان سکیں۔ اس کے لیے روحانی علم چاہیے۔ تمہارا مادّی دماغ، تمہاری مادّی

عقل وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتی۔ فطری طور پر اللہ کریم نے انسانوں کو حصولِ علم کی جو استعداد دی ہے، اسے بروئے کار لاکر انسان مادّی دنیا کے بے پناہ علوم حاصل کرسکتا ہے۔ فرمایا، اس کے باوجود تمہارا یہ علم، روح کی حقیقت کو جاننے کے لیے بہت کم ہے کہ روح عالمِ امر سے ہے جو مادّی تخلیق اور مادّی جہان سے بہت بالاتر ہے۔ مادّی ذرائع سے اسے نہیں جان سکتے۔ اس کے بارے علم رکھنے والے انبیاء کرام علیہم السلام ہیں۔ جو علم انبیاءؑ کو بذریعہ وحی نصیب ہوتا ہے اس کے ذریعے روح اور اس کے متعلقات تک رسائی محال نہیں اور نہ ہی انبیاءؑ کا علم قلیل ہے بلکہ انبیاءؑ کے سچے متبعین جو ولی اللہ کہلاتے ہیں، وہ بطفیلِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی حیثیت کے مطابق ان علوم تک رسائی پاتے ہیں۔

مادّی سفر اور روح کے سفر کرنے کی رفتار سے ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ روح کتنی لطیف ہے۔ زمین سے اوپر آسمان ہیں اور سات آسمانوں سے اوپر عرش ہے۔ جہاں سے عرشِ الٰہی شروع ہوتا ہے اور جس مقام کو اصطلاحِ صوفیاء میں مقامِ احدیت کہتے ہیں، وہ زمین سے پچاس ہزار سالہ راہ کی مسافت پر ہے۔ یہ روح کی ذاتی رفتار کے حساب سے ہے جو روشنی کی رفتار سے لاکھوں گنا زیادہ ہوتی ہے۔

راہِ سلوک کی منازل:

راہِ سلوک کی منازل میں پہلی منزل احدیت ہے پھر معیت، اقربیت علیٰ ہذا القیاس فنا، بقاء، سالک المجذوبی، یہ سارے منازل ختم ہوجائیں تو آگے عرشِ عظیم کا مقام آتا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے، حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یَآ اَبَاذَرَ مَا السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ فِی الْکُرْسِیَّۃِ اِلَّا کَحَلْقَۃٍ مُلْقَاۃٍ فِی الْاَرْضِ فَلَاۃٍ وَ فَضْلُ الْعَرْشِ عَلَی الْکُرْسِیَّۃِ کَفَضْلِ الْفَلَاۃِ عَلٰی تِلْکَ الْحَلَقَۃِ۔

ترجمہ: ساتوں آسمان کرسی کے مقابل ایسے ہیں جیسے صحرا میں کوئی چھلا ہو اور عرش کی فضیلت کرسی کے مقابل ایسی ہے جیسی صحرا کو فضیلت ہے اس چھلے پر۔ (العظمۃ ابی الشیخ الصبہانی)۔ یعنی عرش کی وسعتوں کے سامنے ساری کائنات ایسی ہے جیسے کسی صحرا میں ایک انگشتری پھینک دی گئی ہو۔

عرشِ عظیم کی وسعتیں بے پناہ ہیں۔ ابتدائی منزل اگر کسی کو نصیب ہو تو مسجدِ نور سے ابتداء ہوتی ہے۔ روح وہاں کھڑے ہو کر اوپر دیکھے تو دور ہلکا سا ٹمٹماتا ستارے جیسا نظر آتا ہے، وہ ایک منزل کا نشان ہے۔ اس طرح کی کم وبیش ایک لاکھ پچیس ہزار منزل عرشِ اوّل میں ہیں اور عرشوں کی کل تعداد نو (9) ہے۔ پہلے عرش کے منازل

جب ختم ہوتے ہیں تو پہلے اور دوسرے عرش کے درمیان جو خلاء ہے، وہ پہلے عرش سے زیادہ بڑا ہے۔ پھر دوسرا عرش پہلے عرش سے زیادہ وسیع ہے، اس کے بعد خلاء ہے۔ پھر تیسرا عرش آتا ہے جو دوسرے سے وسیع تر ہے۔ اسی طرح نو (9) عرش اور ان کے درمیان خلاء، ان کی وسعتیں! یہ بہت عظیم مسافت کا نام ہے۔

نو عرشوں کے بعد عالمِ خلق ختم ہو جاتا ہے اور عالمِ امر شروع ہو جاتا ہے۔ وہاں مخلوق کا گزر نہیں۔ ارشادِ باری ہے اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔۔۔(الاعراف: 54) سارا عالمِ خلق بھی اسی مالک بے نیاز کا ہے اور سارا عالمِ امر بھی اسی کا ہے۔ ساری تخلیق کا تعلق عالمِ خلق سے ہے۔ اس کے اوپر اللہ کے امر کا اظہار ہے۔

جب ارض و سماء اور مَا بَيْنَهُمَا کے فاصلے ماپنا انسانی علم سے بہت آگے کی بات ہے تو پھر عرش کی عظمت کا اندازہ، مادّی عقل کیسے لگا سکتی ہے؟ ان فاصلوں کو جاننا انسان کے بس کی بات نہیں۔ ہاں! اللہ کسی کو برکاتِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اس قدر وسیع نگاہ دے دے تو اس کی عطا سے ممکن ہے۔

رُوح کی اقسام:

روح عالمِ امر سے ہے۔ جب وہ اس وجودِ خاکی سے ملتی ہے تو مکمل انسان وجود پذیر ہو جاتا ہے۔ صاحبِ تفسیرِ مظہری نے اسے بڑی تفصیل سے لکھا ہے کہ ایک روحِ سفلی ہے، نچلے درجے والی، دوسری روحِ علوی ہے جس کا تعلق عالمِ امر سے ہے، یہ مادہ سے پاک ہے۔

روحِ سفلی:

سفلی روح وہ ہے، جو اجزائے بدن کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے۔ جب آگ، مٹی، ہوا اور پانی ملتے ہیں تو ان سے بخارات کی شکل میں ایک چیز اٹھتی ہے۔ وہ بخارات وجود کے اندر بندے کی نس نس میں گردش کرتے ہیں۔ روحِ سفلی ہر جاندار میں ہے۔ تمام حیوانات اور جنات میں بھی یہی روحِ سفلی ہے۔ روحِ سفلی کی رسائی ایک حد تک ہے۔ جب تک بدن کے اجزاء کی نسبت قائم رہتی ہے، وہ اس میں موجود رہتی ہے۔ جب ان کی یہ نسبت بگڑتی ہے یعنی موت آتی ہے تو روحِ سفلی منتشر ہو جاتی ہے، بکھر جاتی ہے۔

انسان میں ان اجزائے بدن کے بخارات سے پیدا ہونے والی اس روح کے علاوہ روحِ علوی بھی ہے۔ یہ صرف انسان میں ہے کسی اور مخلوق میں نہیں۔ بندے پر جب موت وارد ہوتی ہے تو روحِ علوی کو قبض کیا جاتا ہے اور روحِ سفلی بکھر جاتی ہے۔ حشر کو جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے، ہر چیز کو دوبارہ زندہ کریں گے تو منتشر ہو چکی روحِ سفلی بھی آ جائے گی۔ حساب کتاب کے بعد جب سب مخلوق کو اللہ کریم ختم کر دیں گے تو روحِ سفلی بھی

ختم ہو جائے گی لیکن روحِ علوی ختم نہیں ہوگی کیونکہ یہ عالمِ امر سے ہے اور عالمِ امر میں موت کا دخل نہیں۔ اسی لیے انسان ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

جنات میں بھی یہی روحِ سفلی ہے، روحِ علوی نہیں ہے۔ اگر ان میں روحِ علوی ہوتی تو جنات میں بھی نبوت ہوتی۔ نبوت اس روحِ علوی کو نصیب ہوتی ہے جو کائنات بھر کی ساری مخلوق میں سے صرف انسانوں میں ہے۔

روحِ علوی:

روحِ علوی مادہ سے بالاتر محض امرِ الٰہی سے پیدا ہونے والی ایک لطیف تر شئے ہے جو تجلیاتِ باری کو قبول کرنے کی استعداد رکھتی ہے اور یہ صرف انسان کو عطا ہوئی ہے۔ فلاسفہ نے کہا، یہ جسم ہے یا جوہرِ مجرد ہے یعنی ایک مکمل جسم ہے۔ بعض صوفیاء کو بھی غلطی لگی ہے، انہوں نے بھی یہی کہا، جبکہ جوہرِ مجرد فلاسفہ کا قول ہے۔ حق یہ ہے کہ روح کوئی جسم نہیں، عالمِ امر کی ایک حقیقت ہے۔ اس کی کیفیت وغیرہ کو نہیں پہچانا جاسکتا یہاں تک کہ صاحبِ کشف جو روح کو دیکھ لیتا ہے، بات کر لیتا ہے، سن لیتا ہے، روح کی حقیقت جاننا اس کے بس کی بھی بات نہیں کیونکہ جس روح سے وہ کلام کرتا ہے یا جسے دیکھتا ہے، اس میں اس کے بدن، لباس اور حلیے کا عکس موجود ہوتا ہے۔ خود روح فی نفسہٖ کیا ہے؟ یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ تمہارے علوم اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ یہ جاننا ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عالمِ امر سے کیسے تخلیق فرمایا۔

لطائف کیا ہیں؟

لطائف روح کے مقامات ہیں۔ انہیں لطیفہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ لطیف شئے ہے۔ یہ نظر نہ آنے والی غیر مرئی شئے ہے۔ ہاتھ لگا کر یا چھونے سے پتا نہ چلنے والی شئے ہے۔ یہ پانچوں لطائف عالمِ امر سے ہیں اور روحِ علوی کے وہ مقامات ہیں جن میں روح موجود ہے۔

صاحبِ تفسیرِ مظہری نے لکھا ہے کہ انسان کے وجود میں غالب عنصر چونکہ مٹی ہے اس لیے اسے مٹی سے بنانا کہہ دیا گیا، ورنہ حقیقتاً انسان دس اجزاء کا مجموعہ ہے۔ جن میں پانچ کا تعلق عالمِ خلق سے ہے یعنی آگ، مٹی، ہوا، پانی اور روحِ سفلی، جو ان کے ملنے سے بنتی ہے اور پانچ اجزاء عالمِ امر سے ہیں یعنی قلب، روح، سِرّی، خفی اور اخفیٰ۔ اور انہی لطائف کی عظمت کے باعث انسان کو اشرف المخلوقات ٹھہرایا گیا اور اسی عظمت کے باعث فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔

رُوحِ علوی کی خصوصیات:

رُوحِ علوی کی خصوصیات فرشتوں جیسی ہیں یعنی اطاعتِ الٰہی، تسبیح اور ذکر اذکار۔ رُوحِ سفلی کی خواہشات مادّی ہیں کہ یہ مادّے کے اجزاء سے بنی ہے تو کھانا پینا، اوڑھنا، بچھونا، دولت حاصل کرنا، اولاد کا حصول، یہ رُوحِ سفلی کی خواہشات ہیں اور کاروبارِ حیات کے لیے ضروری بھی ہیں۔ اگر اس میں کمزوری آ جائے تو انسان دنیا میں رہنے کے لیے ضروری امور انجام دینے سے قاصر ہو جائے۔ رُوحِ علوی اگر رُوحِ سفلی پر غالب رہے تو دنیا کے ضروری امور احسن طریقے سے انجام پذیر ہوتے ہیں، دنیا کی راحت نصیب ہوتی ہے اور آخرت بھی سنور جاتی ہے۔ اگر انسان رُوحِ علوی کا خیال چھوڑ دے اور محض رُوحِ سفلی کا تابع ہو جائے تو پھر اس کی زندگی حدود و قیود سے آزاد ہو جاتی ہے۔ وہ نافرمان ہو جاتا ہے، اس کی خواہش حصولِ مفاد ہوتا ہے۔ وہ حلال حرام کی پروا کیے بغیر مال و دولت، عہدہ و اقتدار حاصل کرنے میں لگا رہتا ہے۔ اس کے گناہ بڑھتے رہتے ہیں، روحِ سفلی طاقتور ہوتی چلی جاتی ہے حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ روحِ علوی مر جاتی ہے اور بندہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ قرآن نے اسی کو موت کہا ہے۔

جو موت ایمان والوں کو، شہداء کو ملتی ہے اس کے بارے فرمایا گیا ہے کہ شہید کو مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ ان کی رُوحِ علوی کا ان کے بدن سے ایسا تعلق ہے جیسا زندگی میں تھا۔

نورِ نبوت رُوح کی حیات ہے:

روحِ علوی کو نورِ نبوت سے حیات ملتی ہے۔ جب بندہ اللہ پر اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لاتا ہے تو روحِ علوی کو زندگی ملتی ہے۔ اب یہ اس کے ذِمہ ہے کہ وہ اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرے۔ عبادات ادا کرے، حلال کمائے، سچ بولے، حق داروں کا حق ادا کرے، اللہ کا ذکر کرے تو وہ قوی ہوتی جاتی ہے، یہاں تک کہ رُوحِ سفلی پر غالب آ جاتی ہے اور بندے کا کردار بہتر سے بہتر ہوتا چلا جاتا ہے۔

رُوح کی غذا:

رُوح کی غذا بھی برکاتِ نبوت ہیں اور اس کی دوا بھی برکاتِ نبوت ہیں۔ اس کے علاوہ نہ اس کی کوئی غذا ہے نہ علاج۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اپنی زندگی میں اتباعِ رسالت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ رُوح کی دوا بھی بن

جاتی ہے اور غذا بھی۔ اتباعِ رسالت سے روحِ علوی مضبوط ہوتی جاتی ہے، گناہ چھوٹنے لگتے ہیں، نیکیوں کی رغبت بڑھتی جاتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ یہ کام خلوص سے کیا جائے، اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے۔

برکاتِ نبوت کے حصول کا طریقہ:

جاننا چاہیے کہ عہدِ رسالت میں یہ کیسے ملیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ عالی برکات رسالت کا وہ بحرِ زخّار ہے، بحرِ بے کنار ہے کہ جو بھی ایمان لایا خواہ وہ مرد تھا یا خاتون، بوڑھا تھا، بچہ تھا یا جوان، پڑھا لکھا تھا یا ان پڑھ، جو بھی ایمان لا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نگاہ پا گیا، اس کی نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ اقدس پر پڑ گئی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نگاہ اس صاحبِ ایمان پر پڑ گئی، وہ اسی لمحے شرفِ صحابیت سے سرفراز ہو گیا۔ اُمتیوں میں جو انتہائی عظمتیں روحِ انسانی لے سکتی تھی، وہ اس ایک نگاہ میں انہوں نے پا لیں۔

پھر یہ برکات صحابہ کرامؓ کے عہد میں صحابہؓ کی صحبت سے نصیب ہوئیں۔ جس نے صحابہؓ کو دیکھا تابعی بن گیا۔ تابعین میں بھی برکات کی ترسیل یوں ہی جاری رہی، جس نے ان پر ایک نگاہ ڈالی وہ تبع تابعی بن گیا۔ یہاں پر خیر القرون کا اختتام ہوا۔ جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے: خَيْرُ الْقُرُونِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُوْنَهُمْ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (البخاری) کہ بہترین زمانہ میرا ہے پھر اس سے جڑا ہوا، پھر اس سے متصل۔

ضرورتِ شیخ:

تبع تابعین تک وہ زمانہ مکمل ہوا۔ تبع تابعین کے بعد برکاتِ نبوت تو اسی شان سے جلوہ گر رہی ہیں اور ہمیشہ رہیں گی، لیکن قلوب پر غبار آ گیا اور ضرورت پڑی کہ برکاتِ نبوت حاصل کرنے والا کسی صاحبِ برکات کی خدمت میں پہنچے، اپنا قلب صاف کرے، مجاہدہ کرے، تزکیہ کے لیے محنت کرے۔

ایمان لانے سے رُوحِ علوی حیات پاتی ہے۔ بندہ شریعتِ مطہرہ پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ اتباعِ شریعت میں خلوص کے لیے، ایمان و یقین میں رسوخ کے لیے، معرفتِ الٰہی اور حصولِ حضورِ حق کے لیے ایسا بندہ چاہیے جس نے سینہ بہ سینہ مشائخِ عظام سے وہ برکات حاصل کی ہوں، جو وجودِ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے ضوفشاں ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر سے بحرِ بے کراں کی طرح بہتی ہیں۔ جنہیں صحابہؓ نے حاصل کیا، تابعین نے اور تبع تابعین نے حاصل کیا۔ اللہ کے بے شمار بندوں نے ان برکات سے قلوب روشن کیے، برکات حاصل کیں لیکن ہر

کوئی ایسا نہ تھا کہ ان برکات کو آگے تقسیم بھی کرسکتا۔ جس طرح بارش برستی ہے تو سارے کھیت سیراب ہوجاتے ہیں لیکن زمین کے کچھ حصے ایسے بھی ہوتے ہیں جو اتنا پانی جمع کرلیتے ہیں کہ اس جگہ سے بہہ بہہ کر دوسرے کھیت بھی سیراب ہوتے ہیں، کچھ ایسے حصے ہوتے ہیں جیسے بند باندھ دیے گئے ہوں، وہ تالابوں اور جھیلوں کی طرح بھر جاتے ہیں اور دوسروں کی سیرابی کے کام آتے ہیں۔ مشائخ کا وجود ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے قلوب کو برکاتِ نبوت سے اتنا بھر لیا کہ دوسروں کی روح کو سیراب کرنے کا سبب بن گئے۔ یہ روحِ علوی کو ایمان ویقین کی قوت سے لبریز رکھنے کا ایک طریقہ اور سلیقہ ہے۔

عظمتِ بشریت:

فرمایا: فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿٢٩﴾ جب میں اسے اچھی طرح سنوار کر تیار کرلوں، تمام اعضاء و جوارح کو موزوں کرلوں، ہر طرح سے درست کرلوں اور اس میں اپنی رُوح پھونک دوں۔ اس کے سبب وہ جیتا جاگتا انسان بن کر اٹھ بیٹھے گا تو تب تم سب اس کے سامنے سجدہ ریز ہوجانا۔

سجدہ ریز ہونے سے مراد:

سجدہ ریز ہونے سے مراد ہے اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کردینا، اس کی مکمل اطاعت کرنا۔ فرشتوں کا انسان کی اطاعت کرنے سے مراد ہے کہ اللہ نے ساری کائنات کو انسان کی خدمت پر مامور کر رکھا ہے کہ وہ اشرف المخلوقات ہے۔ ساری مخلوق اس کی خدمت گار ہے۔ اور انسان کو روحِ علوی دے کر اس نعمت سے نوازدیا ہے کہ بندہ اپنی مرضی سے اللہ کی عظمت کو پہچان لے، اپنی خوشی سے اس کی عظمت کا اقرار کرلے اور اپنی مرضی سے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوجائے۔ سرِ تسلیم خم کردے، مکمل اطاعت اختیار کرلے۔

انسان جتنے کام کرتا ہے سب میں اللہ کے فرشتے اس کے معاون ہوتے ہیں۔ گویا انسان ایک مشین ہے جس کو چلانے کے لیے کئی آپریٹر فرشتے کام کرتے ہیں۔ کوئی کھانا توڑنے کے لیے، کوئی چبانے کے لیے، کوئی حلق میں اتارنے کے لیے، کوئی کھانے سے قوت لے کر بدن کو پہنچانے کے لیے، کوئی فضلہ الگ کرکے پھینکنے کے لیے مقرر ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ وہ جو کرنا چاہتا ہے، کرے۔ وہ کرتا ہے تو ہوجاتا ہے لیکن اللہ کے فرشتے ہر کام میں اس کی معاونت کرتے ہیں۔ اگر یہ فرشتے معاون نہ ہوتے تو انسان اس قابل نہ ہوتا کہ یہ سارے کام از خود کرلیتا۔ یوں انسان نہ نیکی کرنے کے قابل رہتا، نہ برائی کرسکتا۔ انسان جو کچھ کرتا ہے وہ ہوتا رہتا ہے۔ فرشتے اس

کے ساتھ تعاون کرتے رہتے ہیں لیکن چونکہ تمام فیصلوں اور تمام اعمال کا اختیار انسان کے پاس ہے اس لیے حساب بھی انسان کو دینا ہے۔

عمل میں نیّت کا مقام:

فرمایا: فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾

سارے فرشتوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا، سجدہ کر دیا، اطاعت کا اقرار کر لیا سوائے ابلیس کے۔ ابلیس جنوں میں سے تھا۔ اس نے اپنے دل میں اپنی بڑائی کی نیت رکھ کر مجاہدہ کیا اور اتنی محنت کی کہ فرشتوں میں شامل ہو گیا، لیکن جب اللہ کی فرماں برداری کا وقت آیا تو اس کی نیت سامنے آ گئی اور اس کا پول کھل گیا کہ وہ تو اللہ کا طالب نہیں تھا، خود کو بڑا کہلوانا اور منوانا چاہتا تھا۔ اس نے انکار کر دیا۔

یہ وہ بات تھی جو اللہ کریم نے پہلے فرما دی تھی کہ جو باتیں تم ظاہر کرتے ہو، مجھے وہ بھی معلوم ہیں اور میں انہیں بھی جانتا ہوں جو تمہارے اندر چھپی ہوئی ہیں۔ ابلیس کے اندر یہ بات چھپی ہوئی تھی۔ بظاہر وہ عبادات کر رہا تھا، اندر اپنی بڑائی پال رکھی تھی کہ لوگ اسے بڑا سمجھیں، اس کی عزت کریں، اسے پارسا سمجھیں۔

تکبّر کا انجام:

عجیب بات ہے کہ مشائخ کے ساتھ بھی ایسے لوگ رہتے ہیں۔ برسوں مجاہدہ کرتے ہیں لیکن ان کے اندر اپنی پارسائی کا زعم ہوتا ہے، وہ لوگوں میں نیک مشہور ہونا چاہتے ہیں، لوگوں سے منوانا چاہتے ہیں۔ مشائخ کے ساتھ رہنے سے ان کے مراقبات بھی ہو جاتے ہیں لیکن جس طرح شیطان کا بھانڈا پھوٹا، ایک دن اُن کا پول بھی کھل جاتا ہے۔ ان سے ہر چیز سلب ہو جاتی ہے اور وہ ردّ ہو کر چلے جاتے ہیں۔ بعض لوگ حیران ہو کر کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں شیخ کے ساتھ اتنا عرصہ رہا پھر مردُود کیسے ہو گیا؟ بالکل ایسے ہی جیسے شیطان فرشتوں کے ساتھ اتنا عرصہ آسمانوں پر رہ کر بھی مردُود ہو گیا۔

یہ اللہ کا نظام ہے اس میں کسی سے کوئی زیادتی نہیں ہوتی۔ کوئی شخص دل میں کسی کے قتل کا ارادہ رکھتا ہو تو اُسے قتل نہیں کیا جاتا، جب تک کہ اُس سے یہ فعل صادر نہ ہو جائے۔ جب تک کوئی بات اندر چھپی رہتی ہے، تب تک گزارہ ہوتا رہتا ہے۔ جب ظاہر ہو جاتی ہے، اس پر فیصلہ صادر ہو جاتا ہے، بندہ مردُود ہو جاتا ہے جیسے شیطان مردُود ہو گیا۔ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾ تجھے کیا ہوا، تو نے سجدہ کیوں نہ کیا؟ جب میں نے تجھے عظمتیں دیں، زمین سے اٹھا کر آسمانوں پر بٹھایا، بعض فرشتوں پر تجھے فضیلت دی، تجھے ان کا استاد بنایا۔ میں نے

تجھے اتنی عزت دی۔ پھر تُو نے میری بات کیوں نہ مانی؟ کہنے لگا: قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ میں اتنا گیا گزرا نہیں ہوں کہ گارے کے بنے ہوئے اس انسان کو سجدہ کرتا پھروں۔ میری اپنی ایک عظمت ہے، میرا اپنا ایک مقام ہے۔ آپ نے سوکھے گارے سے ایک وجود بنا دیا، میں کوئی ایسا ویسا نہیں ہوں کہ اسے سجدہ کروں۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾ فیصلہ صادر ہو گیا، حکم ہو گیا، دفع ہو جاؤ، نکل جاؤ، میری بارگاہ سے تم ہمیشہ کے لیے نکال دیے گئے ہو، مردود ہو گئے ہو۔ اللہ کریم نے فرمایا تُو نے ایک غلط راستہ اختیار کیا، تُو نے یہ نہیں سوچا کہ سجدہ کرنے کا حکم کس کا ہے؟ وہ جو تیرا خالق و مالک ہے، جس نے تجھے عزت دی۔ تجھے اپنے مالک کا حکم بجالانا چاہیے تھا۔ تجھے اس سے کیا غرض تھی کہ کس کو سجدہ کر رہا ہے؟ تُو بشر پر بحث کیوں کر رہا ہے، بشر میں کیا اوصاف ہیں کیا نہیں، اس کا تجھے کیا علم؟ وہ تو اللہ کریم ظاہر کریں گے تو پتا چلے گا کہ بشر کو اللہ نے کن عظمتوں سے نوازا ہے! جن کا تجھے علم ہی نہیں۔ تجھ میں وہ روحِ علوی ہی نہیں، تُو بشر کی عظمت کو کیا جانتا ہے؟ تجھے بشر سے غرض نہیں ہونا چاہیے تھی۔ تجھے اس سے غرض ہونی چاہیے کہ سجدہ کا حکم کس نے دیا ہے۔ تُو نے میرے حکم کی تعمیل نہیں کی اس لیے تُو یہاں سے رد کر دیا گیا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ: وَاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾ اب تجھ پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لعنت برستی رہے گی۔ لعنت کا مطلب ہے اللہ کی رحمت سے دوری۔ اللہ کی رحمت سے کُلی طور پر محروم ہو جانا۔ جتنی تجھ پر لعنتیں برسیں گی، تاریکی کے اتنے غلاف تجھ پر آتے چلے جائیں گے، تُو ان میں دھنستا چلا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جو ساری زندگی شیطان کی بات مانتے رہتے ہیں، اس کے کہنے پر زندگی گزارتے ہیں، وہ بھی شیطان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ کوئی اس کے لیے کلمہء خیر نہیں کہتا۔ بت پرست، مشرک، چور، ڈاکو، قاتل، بدکار کے سامنے بھی اس کا نام لو، وہ بھی شیطان پر لعنت ضرور بھیجتا ہے۔ اس پر اللہ کی ایسی پھٹکار ہے کہ اس کے ماننے والے بھی اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔

ابلیسی روش:

پھر اس نے دوسرا پینترا بدلا۔ کہنے لگا قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ اگر تُو نے مجھے مردود کر ہی دیا ہے، تُو نے مجھے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے، اپنی بارگاہ سے نکال دیا ہے۔۔۔

یہ بات کہتے ہوئے اس نے اپنے آپ کو بریُ الذّمہ قرار دے کر، الزام ذاتِ باری پر لگا دیا کہ تُو

نے مجھے ایسا کر دیا ہے۔ یہی بات آج کے مسلمان کہتے ہیں۔ خود ناجائز طور پر کسی کو قتل کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں اللہ کو ایسا ہی منظور تھا۔ اللہ نے تو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔ اللہ نے کسی کی جان ناجائز طور پر لینے کی کسی کو اجازت نہیں دی، تو یہ اللہ کو کیسے منظور ہو گیا۔ بندہ خود جرم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جو اللہ کو منظور تھا، وہ ہو گیا۔ یہ وہی شیطانی بات ہے جو شیطان نے کہی تھی۔

بات کو جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا مجھے لوگوں کے اٹھائے جانے کے دن تک مہلت دے دیں۔ اس نے موت سے بچنے کا یہ حیلہ کیا کہ مجھے قیامت تک مہلت دے دے۔ میدانِ حشر میں تو موت ذبح کر دی جائے گی۔ موت کو موت آجائے گی، اس نے موت سے بچنے کے لیے مہلت مانگی۔

اللہ کریم نے فرمایا قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ جا! میں تجھے زندگی کی مہلت دے رہا ہوں لیکن ایک خاص وقت تک کی مہلت ملے گی جو میرے علم میں ہے۔ تو چاہتا ہے کہ موت سے بچ جائے لیکن موت کا مزا تو بھی چکھے گا، موت ساری مخلوق کو آئے گی۔ تجھے بھی اس سے گزرنا ہوگا۔ میں تجھے قیامت سے پہلے تک کی مہلت دیتا ہوں، جا! اپنا زور لگا لے۔

قَالَ کہنے لگا، رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾

جس طرح اللہ آپ نے مجھے گمراہ کر دیا، میں اب گناہ کی دنیا کو سجا سنوار کر انسانوں کے سامنے پیش کروں گا۔ عہدے، مال و دولت، دنیوی مفادات کو غلط طریقوں سے حاصل کرنے کے لیے خوب ترغیب دلاؤں گا، اپنے ہتھکنڈوں سے انہیں سنوار کر پیش کروں گا اور میں تمام انسانوں کو گمراہ کروں گا۔ سب ان فانی لذتوں کے حصول میں لگ کر تجھے بھول جائیں گے۔

ابلیسی جملوں سے بچنا چاہیے:

رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ "میرے ربّ جیسا کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا"۔ یہ ابلیسی جملہ ہے۔ آج جب لوگ گناہ کر کے کہتے ہیں، بس! اللہ کو یہی منظور تھا ورنہ میں تو یہ نہیں چاہتا تھا۔ اللہ نے چاہا تو ایسا ہو گیا۔ تو یہ وہ جملہ ہے جو شیطان کے منہ سے نکلا تھا کہ اللہ تیری مرضی، تو نے مجھے گمراہ کر دیا۔ اس نے اپنی خطا اپنے سر نہیں لی تھی۔ یہ نہیں کہا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ اس نے کہا تو نے مجھ سے یہ کرایا ہے، تو نے مجھے گمراہ کیا ہے۔

یہ جملے زبان زدِ عام ہیں، ان سے بچنا چاہیے۔ اللہ کریم کسی کو گمراہ نہیں کرتے، اللہ نے انبیاء

بھیجے، شریعت نازل فرمائی۔ خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، قرآنِ حکیم نازل فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دینِ برحق کو عملی شکل دے کر نمونہ عطا فرما دیا، پھر کیسے انسان اپنے گناہ اللہ کے ذِمے لگا سکتا ہے؟

شیطان کا اقرار:

جہاں اس نے کہا کہ میں تمام انسانوں کو گمراہ کروں گا وہاں یہ اقرار بھی کیا اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ﴿۴۰﴾ کہ جو تیرے مخلص بندے ہوں گے وہ اس جھانسے میں نہیں آئیں گے۔ میں تو ساری انسانیت کو گمراہ کروں گا سوائے ان لوگوں کے، جو تیرے مخلص بندے ہوں گے۔

حصولِ اخلاص، اللہ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے:

قَالَ ارشاد ہوا هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسۡتَقِيۡمٌ ﴿۴۱﴾ بے شک مجھ تک پہنچنے کا یہی سیدھا راستہ ہے۔ اللہ سے مخلص ہونا ہی وہ سیدھا راستہ ہے جو کامیابی کی ضمانت ہے۔ فرمایا، میرے اور میرے بندے کے درمیان یہ سیدھا راستہ ہے۔ بندے کے اور میرے درمیان براہِ راست تعلق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی اللہ کریم کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوں، تم بھی اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ۔ یہی وہ صراطِ مستقیم ہے جس کا ذکر اس آیہء مبارکہ میں ہو رہا ہے۔

ایسے ہی بندوں کے بارے اللہ کریم نے فرمایا: اِنَّ عِبَادِيۡ لَيۡسَ لَكَ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ میرے بندوں پر تیرا کوئی بس نہیں چلے گا۔ تُو جتنا چاہے زور لگا لے، کوشش کر لے لیکن جو بندہ میرے ساتھ مخلص ہوگا، اس پر تیرا بس نہیں چلے گا۔ وہ تیرے قابو نہیں آئے گا۔

بندے تو سارے ہی اللہ کے ہیں، سارے اسی کی تخلیق ہیں لیکن بندہ جب ہوش سنبھالتا ہے تو کوئی دولت کا بندہ بن جاتا ہے، کوئی عقل کا، کوئی حرص و ہوا کا بندہ بن جاتا ہے، جہاں خلوص ہوتا ہے وہ بندہ صرف اللہ کا ہی رہتا ہے۔ اپنی زندگی اللہ کی رضا کے لیے بسر کرتا ہے۔

فرمایا: اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡغٰوِيۡنَ ﴿۴۲﴾ تیرا اتباع وہی کریں گے جو میری راہ سے بھٹک چکے ہوں گے۔ میرا اور بندوں کا براہِ راست تعلق ہے۔ جو اس تعلق سے بھٹکے گا، مجھے چھوڑ دے گا، وہی تیرے قابو آئے گا۔ جو اپنی خواہشِ نفس کا اسیر ہو گیا، اس کی مجھے بھی کوئی پروا نہیں لیکن یاد رکھنا! وَاِنَّ

جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾ تُو اور تیرے ماننے والے سب کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جتنے گناہ تم کر رہے ہو، کسی کا کچھ نہیں بگاڑ رہے۔ اپنے اردگرد ایندھن جمع کرر ہے ہو، اپنے لیے دوزخ کی آگ بھڑکا رہے ہو، یہ ایندھن تمہیں ہی جلائے گا۔ جہنم بہت سخت جگہ ہے۔ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ اس کے سات دروازے ہیں یعنی اس کے اوپر تک سات درجے ہیں۔ کم تر درجہ، پھر اس سے زیادہ، پھر اس سے زیادہ، پھر شدید تر، یوں بڑھتے بڑھتے سات درجوں تک ہے جس میں تیرا کہنا ماننے والے تقسیم ہو کر داخل ہوں گے۔ کوئی کم تر گناہ گار، کوئی اس سے زیادہ، پھر درجہ بدرجہ۔ جہنم کے ہر حصے کے لیے لوگوں کو الگ کر دیا جائے گا۔ جتنے جس کے جرائم ہوں گے، اُس درجے میں اسے جھونک دیا جائے گا۔

جو میری راہ سے بھٹک گیا، اس میں میرا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ پھر وہ تیرا ہے اور تُو اس کا۔ جو میرا دَر چھوڑ چکا، جہنم اس کا مقدر ہوگئی۔ اب تُو یہ کر سکتا ہے کہ اسے کھینچ کر نیچے لے جائے، مزید گہرائی میں دھنساتا جائے، سو یہ تُو کرتا رہ۔

اللہ کریم وہ شعور عطا کرے جو عظمتِ الٰہی اور عظمتِ رسالت سے بہرہ ور کر دے۔ اللہ کریم نے جو روحِ علوی ہمیں عطا فرمائی ہے، اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے۔ شیطان اور نفس سے ہماری حفاظت فرمائے۔ نیک انجام کرے، نیکوں کے ساتھ انجام کرے۔

سورۃ الحجر رکوع 4 آیات 45 تا 60

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَزَعْنَا مَا
فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۴۷﴾ لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا
نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۹﴾
وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ﴿۵۰﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ ﴿۵۱﴾ اِذْ
دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا
نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰۤی اَنْ مَّسَّنِیَ الْكِبَرُ فَبِمَ
تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِیْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ
یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَیُّهَا
الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰی قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا
لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَاۤ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۶۰﴾

بے شک پرہیزگار باغوں اور چشموں میں ہوں گے ﴿۴۵﴾ (ان سے کہا جائے گا) ان میں سلامتی اور امن سے داخل ہو جاؤ ﴿۴۶﴾ اور ہم ان کے دلوں میں جو کدورت ہو گی وہ سب دور کر دیں گے سب بھائیوں کی طرح تختوں پہ آمنے سامنے بیٹھا کریں گے ﴿۴۷﴾ ان کو نہ وہاں کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے ﴿۴۸﴾ میرے بندوں کو بتا دیجیے کہ میں بڑا بخشش والا رحمت والا ہوں ﴿۴۹﴾ اور یہ کہ میری سزا بھی دردناک سزا

ہے ﴿۵۰﴾ اور ان کو ابراہیم (علیہ السلام) کے مہمانوں کا حال سنایئے ﴿۵۱﴾
جب وہ ان کے پاس آئے تو سلام کہا (ابراہیم علیہ السلام نے) فرمایا بے شک
ہمیں تم سے ڈر لگ رہا ہے ﴿۵۲﴾ انہوں نے کہا ڈریئے مت یقیناً ہم آپ کو
ایک فرزند کی بشارت دیتے ہیں جو بڑے علم والے ہوں گے ﴿۵۳﴾ انہوں
نے فرمایا کہ مجھ کو کس چیز کی بشارت دیتے ہو کہ میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں پس
اب کس بات کی خوشخبری؟ ﴿۵۴﴾ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو سچی خوش خبری
دیتے ہیں سو آپ ناامیدوں میں سے نہ ہوں ﴿۵۵﴾ انہوں نے فرمایا اور بھلا
اپنے پروردگار کی رحمت سے کون مایوس ہوتا ہے سوائے گمراہ لوگوں
کے ﴿۵۶﴾ فرمانے لگے اے بھیجے ہوؤ (فرشتو)! تمہیں اور کیا کام
ہے؟ ﴿۵۷﴾ انہوں نے کہا بے شک ہم ایک گناہگار قوم کی طرف بھیجے گئے
ہیں ﴿۵۸﴾ سوائے لوط (علیہ السلام) کے خاندان کے کہ یقیناً ہم ان سب کو
بچالیں گے ﴿۵۹﴾ سوائے ان کی بیوی کے کہ (اس کے لیے) ہم نے تجویز کر
رکھا ہے کہ وہ ضرور پیچھے رہ جانے والوں میں رہ جائے گی ﴿۶۰﴾

تفسیر و معارف

تقویٰ ایک کیفیت ہے:

ارشادِ باری ہے: اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٤٥﴾ یقیناً اہلِ تقویٰ، پرہیزگار جنت کے باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ اور ان سے کہا جائے گا اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿٤٦﴾ اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہوجاؤ۔

تقویٰ یا پرہیزگاری ایک کیفیت ہے، ایک حالت ہے۔ جب بندے کا اللہ ربّ العزت سے بندگی کا اور اس کے مالک ہونے کے یقین کا تعلق قائم ہوجائے اور اپنے اٹھنے بیٹھنے، بولنے میں اللہ کریم سے وابستہ اس محبت بھرے تعلق کے ٹوٹ جانے کا ڈر لاحق ہوجائے تو اس کیفیت کا نام تقویٰ ہے۔

یہ تعلق جب راسخ ہو جائے اور کام کرتے وقت بندہ سوچے کہ اس میں اللہ کی ناراضگی تو نہیں؟ اور اگر اللہ کی ناراضگی کا ڈر ہو تو وہ اس کام سے رک جائے۔ اور وہ کام کرے جن میں اللہ کی رضامندی نصیب ہوتی ہو تو اسے متقی کہتے ہیں۔

ایسے لوگوں کے بارے فرمایا کہ اہلِ تقویٰ یقیناً جنت میں داخل ہوں گے جہاں بہترین باغات اور چشمے جاری ہوں گے اور انہیں کہا جائے گا کہ اس میں سلامتی سے داخل ہو جاؤ۔ داخلے کے بعد یہاں سلامتی ہی سلامتی ہے۔ امن ہی امن ہے۔ نہ کوئی دکھ ہے نہ بیماری، نہ تھکاوٹ نہ اکتاہٹ، رنج نام کی کوئی چیز جنت میں نہیں ہے۔

برزخی زندگی:

فرمایا: وَنَزَعۡنَا مَا فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنۡ غِلٍّ اِخۡوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیۡنَ ﴿۴۷﴾ جب اہل جنت کو جنت میں داخل کیا جائے گا تو ان کے مابین اگر کوئی رنجش، کوئی معمولی سا اختلاف بھی ہوگا تو وہ تلخی بھی دور کر دی جائے گی کیونکہ اختلاف بھی ایک قسم کا رنج ہی ہے اور جنت وہ سرزمین ہے جہاں کوئی رنج و دکھ نہیں۔ سب بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے مقابل بہترین تختوں پہ جلوہ افروز ہوں گے۔

یہ ضروری نہیں کہ دنیا میں رہتے بستے ہوئے آپس میں اختلافات نہ ہوں، یا صرف بدکاروں میں ہی اختلافات ہوتے ہوں۔ بعض اوقات نیک لوگوں میں بھی رنجشیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ایک دوسرے سے شکایات پیدا ہو جاتی ہیں جو ناراضگی کا سبب بن جاتی ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بھی اختلاف رہا۔ تابعینؒ، تبع تابعینؒ میں بھی رہا۔ اہل اللہ میں، نیکوں پرہیزگاروں میں بھی ایک دوسرے سے اختلاف ہو جاتا ہے۔ دل میں رنجشیں آجاتی ہیں۔ یہاں فرمایا، جنت میں داخلے سے پہلے ہم ان کے دلوں سے ہر طرح کی رنجشیں صاف کر دیں گے۔

اس کا معنی ہے کہ دنیا سے جانے کے بعد، برزخ میں بھی وہی مزاج قائم رہتا ہے۔ اگر دل میں کسی سے کوئی ناراضگی ہو تو وہ باقی رہتی ہے اور جس سے محبت ہو، وہ بھی باقی رہتی ہے یعنی موت ہر چیز کو ختم نہیں کر دیتی، نہ حافظہ چھینتی ہے نہ علم۔ علم رہتا ہے تو ناراضگی بھی رہتی ہے۔ علم رہتا ہے تو محبت بھی رہتی ہے۔ علم رہتا ہے تو حافظہ بھی رہتا ہے۔ دنیا میں جیسا کسی کا مزاج ہو برزخ میں بھی ویسا ہی رہتا ہے۔ جیسا دنیا میں کسی سے تعلق ہوتا ہے وہی مزاج وہاں بھی رہتا ہے۔ خفگی بھی رہتی ہے، خوش تعلقی بھی رہتی ہے لیکن جب حشر قائم ہوگا،

حساب کتاب کے بعد، اللہ کی رحمت سے لوگ جنت میں جائیں گے تو جنت میں داخلے سے پہلے، اہلِ جنت کے مابین جو تلخی ہوگی، وہ بھی دور کردی جائے گی۔

جنت ہمیشہ ہمیشہ کا گھر ہے:

فرمایا: لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ۞ انہیں جنت میں نہ تو کسی طرح کی کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ رنج۔ جنت میں وہ کوئی ناپسندیدہ بات نہیں سنیں گے حتیٰ کہ انہیں وہاں تھکاوٹ بھی نہیں ہوگی۔ اور انہیں یہ یقین دلا دیا جائے گا کہ یہ تمہارا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گھر ہے۔ انہیں جنت سے کبھی نکالا نہیں جائے گا۔

رحمتِ الٰہی ناپیدا کنار:

فرمایا: نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۞ میرے بندوں کو بتا دیجیے کہ میں بڑا بخشش والا اور رحمت والا ہوں۔ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۞ اور میری سزائیں بھی بڑی دردناک ہیں۔ میرے بندوں کو دونوں چیزوں سے مطلع فرما دیجیے۔ یہ واضح کردیں کہ انتخاب تمہارا ہے۔

انہیں بتا دیجیے کہ اللہ فرماتے ہیں، میں نے تمہیں عقل و شعور دیا تاکہ صحیح انتخاب کرسکو۔ میری رحمت حدود سے ماورا ہے، وسیع تر ہے۔ میں معاف کرنے والا، بخشنے والا ہوں۔ اگر تم سے ہزاروں خطائیں بھی ہوچکی ہوں اور تم خلوصِ دل سے توبہ کرلو، میری اطاعت کرلو تو میری بخشش کو پالو گے۔

یہ بھی یاد رکھو کہ اگر تم محض خواہشاتِ نفس کے اسیر رہے۔ آخرت کی فکر نہ کی تو میری سزائیں بھی بڑی دردناک ہیں۔ دنیا کی مثالیں تمہارے سامنے ہیں کہ رحمت و بخشش اور سزا کا ظہور دنیا میں بھی ہوتا ہے۔ اگر تم غور کرو تو تمہیں ایسے لوگ بھی نظر آجائیں گے جو عذاب میں گرفتار ہیں اور ایسے لوگ بھی نظر آجائیں گے جن پر اللہ کی رحمت ہے۔

فرمایا: وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۞ ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ لوگوں کو سنایئے کہ آپؑ کے پاس چند مہمان آئے۔ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ۞ جب وہ آپؑ کے گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو سلام عرض کیا۔ آپؑ نے فرمایا، ہمیں تم سے ڈر لگ رہا ہے کہ تمہیں پہلے کبھی دیکھا نہیں۔ میں تم سے واقف بھی نہیں۔ یہ علاقہ صحرا کا ہے، یہاں چھوٹی چھوٹی آبادیاں ہیں۔ سب آبادیوں سے واقفیت ہے اور تم قریبی آبادیوں کے رہنے والے بھی نہیں

ہو۔ سمجھ نہیں آتی تم کون لوگ ہو اور کیوں آئے؟ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿٥٣﴾ انہوں نے کہا، آپ ڈریئے مت اور نہ فکر کیجیے۔ بے شک ہم آپؑ کے لیے نو وارد ہیں لیکن ہم اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ آپؑ کے پاس اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپؑ کو ایک بیٹے کی خوش خبری دیں جو بہت علم والے ہوں گے۔

علمِ غیب خاصۂ الٰہی:

علم غیب خاصۂ الٰہی ہے۔ ساری مخلوق، انبیاءؑ و رسل علیہم السلام بھی اس کے محتاج ہیں۔ وہ چاہے تو کائنات کو کھول کر رکھ دے اور نہ چاہے تو چھوٹی سی بات پر بھی پردہ ڈال دے۔ اسی واقعے میں دیکھ لیجیے، یہی ابراہیم علیہ السلام ہیں جن کے بارے قرآن حکیم میں دوسری جگہ ارشادِ باری ہے: وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الانعام:75) ہم نے ابراہیم علیہ اسلام کے سامنے آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت کھول کر رکھ دی۔ اور یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ فرشتے انسانی شکل میں آئے تو آپؑ پریشان ہو گئے کہ یہ کون ہیں، کیوں آئے ہیں؟ یہاں اللہ کریم نے حجاب نہیں اٹھایا۔ نبیؑ سے بڑا کشف کسے ہو گا لیکن اللہ تے نہ بتایا تو آپؑ کو نہیں پتا چلا۔ جب آپؑ نے پوچھا تو اللہ نے فرشتوں کو اجازت دی تھی انہوں نے بتا دیا کہ وہ اللہ کے فرشتے ہیں اور آپؑ کو ایک ایسے بیٹے کی خوش خبری دینے آئے ہیں جو بہت علم والے ہوں گے۔

انبیاءؑ بھی بشری صفات رکھتے ہیں:

آپؑ نے جب بیٹے کی خوش خبری سنی تو حیران ہوئے۔ فرمایا: قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓي اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿٥٤﴾ میں تو بڑھاپے سے مضمحل ہو چکا ہوں۔ مجھ پر بڑھاپا طاری ہو چکا ہے تو تم مجھے کس بات کی خوشخبری دے رہے ہو؟ فرشتوں نے کہا: قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿٥٥﴾ ہم اللہ کی طرف سے آئے ہیں، اللہ کا حکم حق ہے، ہم نے اللہ کا حکم آپؑ تک پہنچا دیا۔ پس اللہ کی قدرت اور رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ آپؑ نے فرمایا: قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّاۗلُّوْنَ ﴿٥٦﴾ اپنے رب کی رحمت سے بھلا کون مایوس ہوتا ہے۔ اس کی رحمت سے تو صرف گمراہ ہی نااُمید ہوتے ہیں۔ نااُمیدی کی بات نہیں، حیرت کی بات ہے۔ میں نے حیرت کا اظہار کیا ہے کہ اب اولاد ملنے کی کون سی عمر ہے کہ بڑھاپے نے قویٰ کمزور کر دیے ہیں۔ بیوی ساری عمر بانجھ رہی ہیں اور اب وہ بھی ضعیف ہو گئی ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام تو اللہ کے خلیل، عظیم پیغمبر تھے۔ اللہ کریم پر بھروسہ کرنا آپؑ کا شعار تھا۔ آپؑ سے بڑھ کر کون جانتا تھا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسباب بھی وہ خود پیدا کرتا ہے۔ وہ اسباب کا محتاج نہیں۔ آپؑ کا یہ فرمانا

حیرت کے باعث تھا کہ انبیاءؑ بھی بشر ہوتے ہیں اور بشری صفات رکھتے ہیں۔

آپؑ نے فرشتوں سے پوچھا، یہ بتاؤ کیا تم صرف اسی کام سے آئے ہو یا تمہارا کوئی اور کام بھی ہے؟ فرشتوں نے عرض کی: قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ ہمیں ایک بدکار اور مجرم قوم کی طرف بھیجا گیا ہے۔ ابراہیمؑ نے فرشتوں کو دیکھ کر بھانپ لیا کہ اتنے فرشتے صرف خوش خبری دینے نہیں آئے، انہیں کوئی اور اہم کام بھی سونپا گیا ہے۔ اللہ کا پیغام دینے کوئی ایک فرشتہ بھی کافی تھا یا اللہ کریم خود اِلقاء فرما دیتے، اس بات کے علاوہ بھی انہیں کوئی کام ہوگا۔ تب فرشتوں نے بتایا کہ انہیں ایک گناہ گار قوم کو تباہ کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ فرشتوں نے عرض کی: اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ سوائے لوط علیہ السلام اور ان کی آل کے، باقی سب قوم کو ہم تباہ کر دیں گے۔

آل سے مراد:

لفظ آل میں لوط علیہ السلام، آپؑ کے خاندان کے لوگ، آپؑ کے متبعین، پیروکار سب شامل ہیں۔ قرآنِ حکیم میں متعدد مقامات پر وضاحت کی گئی ہے کہ آل میں اہلِ خاندان کے ساتھ وہ تمام لوگ شامل ہیں جو نبیؑ پر ایمان لائے اور ان کے پیروکار ہوئے اور یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ جو لوگ نبیؑ کے خاندان سے ہوں لیکن نبیؑ پر ایمان نہ لائیں، وہ نبیؑ کے اہل میں شامل نہیں۔ جیسے حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی انؑ پر ایمان نہ لائی تو عذاب لانے والوں میں شامل ہوگئی۔ اسی طرح فرعون کے ساتھ غرق ہونے والوں کے لیے لفظ آل استعمال ہوا ہے اور اس کے ماننے والوں کو بھی آل کہا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے: وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ (الانفال: 54) ہم نے فرعون اور اس کی آل یعنی سارے ساتھیوں کو غرق کر دیا۔

فرمایا: اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَاۤ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ سوائے انؑ کی بیوی کے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ کفار کے ساتھ پیچھے رہ جائے گی۔ میاں اور بیوی کا رشتہ اتنا قریبی ہوتا ہے کہ بہت سی باتیں جو بہن بھائیوں، والدین کو نہیں بتائی جاتیں، اولاد کو نہیں بتائی جاتیں، وہ باتیں بیوی کے علم میں ہوتی ہیں کہ بیوی ہر کام میں میاں کے ساتھ ہوتی ہے۔ امورِ خانہ، اخراجات کا سلیقہ، خاندان کے افراد سے تعلقات، اولاد کی پرورش، ایسے امور ہیں جن کے باعث سب سے زیادہ قریبی رشتہ میاں بیوی کا ہوتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کے رازدار ہوتے ہیں۔

نبیؑ کی بیوی کا کردار ہمیشہ پاک ہوتا ہے:

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا عقیدہ درست نہیں تھا۔ وہ عقیدے کے حساب سے کافروں کی حمایت کرتی تھی لیکن اس کا کردار پاک تھا۔ یہ بڑی عجیب بات ہے لیکن قرآنِ حکیم میں ارشادِ باری ہے: وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۔۔۔۔۔(النور:26) پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہیں اور پاک مرد پاک خواتین کے لیے۔ نبی علیہ السلام سے زیادہ پاک کون ہوگا۔ اس کا مطلب ہے کہ نبیؑ کی بیوی بھی پاک ہونی چاہیے۔ علماء فرماتے ہیں کہ نجاست یا ناپاکی دو طرح سے ہے۔ ایک ناپاکی عقیدے کی ہے، دوسری ناپاکی کردار کی۔ قرآن کی آیت کے مطابق پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہیں۔ اس کا مطلب ہے نبیؑ کی بیوی کا کردار ہمیشہ پاک ہوتا ہے یعنی نبیؑ کی بیوی بدکار نہیں ہوتی۔

عقیدہ رکھنے کا اختیار ہر بندے کو دیا گیا ہے کہ جیسا چاہے وہ عقیدہ رکھے اور اس کا انجام بھی وہاں ہوگا جس کے ساتھ اس کو عقیدت ہوگی۔ چونکہ اس خاتون کی عقیدت کفار کے ساتھ تھی تو بدبختی اس کا مقدر ٹھہری۔ ساری عمر اللہ کے نبیؑ کے گھر میں گزاری، ان کے ساتھ زندگی بسر کی لیکن اس کا دل کفار کے ساتھ تھا تو اس کا انجام بھی کفار کے ساتھ ہوا۔

یہی فرمایا اس آیہء مبارکہ میں کہ لوط علیہ السلام کے سارے خاندان کو، آپؑ کے متبعین کو بچالیں گے سوائے آپؑ کی بیوی کے۔ اس کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ کفار کے ساتھ تباہ ہوگی۔

سورۃ الحجر رکوع 5 آیات 61 تا 79

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۨالْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوْا
بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾
فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ
اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ
هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾
قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾
قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ
فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ
الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً
مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ
مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ
لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾

پھر جب وہ بھیجے ہوئے (فرشتے) لوط (علیہ السلام) کے گھر والوں کے پاس
پہنچے ﴿۶۱﴾ تو وہ فرمانے لگے بے شک تم اجنبی آدمی ہو ﴿۶۲﴾ وہ بولے بلکہ ہم
آپ کے پاس وہ چیز لے کر آئے ہیں جس میں یہ شک کرتے تھے ﴿۶۳﴾ اور ہم
آپ کے پاس یقینی بات لے کر آئے ہیں اور یقیناً ہم سچ کہتے ہیں ﴿۶۴﴾ تو آپ

کچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے کر نکلیں اور آپ ان کے پیچھے ہو لیجیے اور آپ میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے اور جس جگہ کا آپ کو حکم ہوا ہے ادھر چلے جائیں ﴿۶۵﴾ اور ہم نے ان (لوط علیہ السلام) کے پاس یہ وحی بھیجی کہ صبح ہوتے ان کی جڑ ہی کٹ جائے گی ﴿۶۶﴾ اور شہر کے لوگ خوش خوش دوڑے آئے ﴿۶۷﴾ انہوں (لوط علیہ السلام) نے فرمایا یہ میرے مہمان ہیں سو (ان کے بارے) مجھے رسوا نہ کرو ﴿۶۸﴾ اور اللہ سے ڈرو اور مجھے بے آبرو نہ کرو ﴿۶۹﴾ انہوں نے کہا کیا ہم آپ کو دنیا بھر کے لوگوں سے منع نہیں کر چکے؟ ﴿۷۰﴾ انہوں نے فرمایا یہ میری (بہو) بیٹیاں (قوم کی لڑکیاں) موجود ہیں (تم ان سے شادی کر لو) ﴿۷۱﴾ اگر تم (میرا کہا) مانو تو۔ آپ کی زندگی کی قسم بے شک وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے ﴿۷۲﴾ پس ان کو سورج نکلتے نکلتے سخت آواز نے آ پکڑا ﴿۷۳﴾ پھر ہم نے اس (بستی) کا اوپر کا تختہ (الٹ کر) اس کے نیچے کر دیا اور ان لوگوں پر کھنگر کے پتھر برسانے شروع کیے ﴿۷۴﴾ یقیناً اس واقعہ میں اہلِ بصیرت کے لیے کئی نشانیاں ہیں ﴿۷۵﴾ اور یہ (بستی) ایک سیدھی (آباد) سڑک پر ملتی ہے ﴿۷۶﴾ بے شک اس میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں (دلائل) ہیں ﴿۷۷﴾ اور اگرچہ بن والے (شعیب علیہ السلام کی امت) بھی بڑے ظالم تھے ﴿۷۸﴾ سو ہم نے ان سے بدلہ لیا اور یہ دونوں بستیاں کھلے راستے (سڑک) پر موجود ہیں ﴿۷۹﴾

تفسیر و معارف

فرمایا: فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوۡطِ ۨالۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۶۱﴾ جب اللہ کے فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے تو آپؑ نے بھی انہیں نہ پہچانا اور فرمایا: قَالَ اِنَّكُمۡ قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ ﴿۶۲﴾ تم انجانے سے لوگ ہو۔ تمہیں پہلے کبھی دیکھا نہیں، کون ہو اور تمہیں کیا کام ہے؟ انہوں نے عرض کی: قَالُوۡا بَلۡ جِئۡنٰكَ بِمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ﴿۶۳﴾ ہمیں اللہ نے بھیجا ہے اور ہم اس غرض سے آئے ہیں کہ جس چیز پر یہ کفار شک کرتے تھے، اس چیز

کا انہیں تجربہ ہو جائے۔ ہم وہ چیز اپنے ساتھ لائے ہیں۔ یہ عذابِ الٰہی کا انکار کرتے تھے کہ عذاب ہے تو لے آؤ سو ہم اللہ کے حکم سے وہ عذاب لے آئے ہیں۔ وَاٰتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ ہم آپ کے پاس یقینی بات لے کر آئے ہیں اور ہم سچ کہتے ہیں۔

حکمِ الٰہی:

فرشتوں نے پھر اللہ کا حکم سنایا: فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ ۔۔۔۔۔ کہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپؑ کچھ رات باقی رہتی ہو تو اس وقت اپنے اہل کو یعنی گھر والوں سمیت اپنے سارے ماننے والوں کو لے کر نکل پڑیں۔ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ ۔۔۔۔۔ اور آپؑ ان سب سے پیچھے چلیں تا کہ سب کو سنبھال کر یہاں سے نکال لے جائیں اور کوئی مومن پیچھے نہ رہ جائے۔ جو آپؑ پر ایمان لائے ہیں انہیں بھی اور اپنے خاندان والوں کو بھی اپنے سے آگے چلایئے۔ آپؑ سب سے پیچھے چلیں۔ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ۝ اور آپ میں سے کوئی شخص مڑ کر پیچھے نہ دیکھے۔ پیچھے خواہ کچھ بھی ہوتا رہے، شور ہو، بجلیاں گریں، بارش برسے، پتھر برسیں، کسی صورت کوئی پیچھے نہ دیکھے۔ آپ لوگوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

عذاب کی ایک شکل تو وہ ہے جو عذاب ان پر متشکل ہو کر آیا لیکن تباہی کی اصل شکل انسان کا وہ کردار ہے جو وہ اپناتا ہے۔ جب وہ گناہ کرتا ہے، غلط کاریاں کرتا ہے تو وہ عذابِ الٰہی کو دعوت دیتا ہے۔ اس کردار کا نتیجہ وہ عذاب ہے جو بالآخر اس پر وارد ہوتا ہے۔

گناہ کی محفل سے بچنا:

اس آیہء مبارکہ میں جو حکم دیا گیا کہ بدکرداروں کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھو تو اس کا مطلب ہے کہ جس قدر گناہ سے دور رہنا ضروری ہے، اسی قدر گناہ کی محفل اور گناہ گاروں کی مجلس سے دور رہنا بھی ضروری ہے۔

علماء حق نے ایک اصول ارشاد فرمایا ہے کہ ایسا شخص گناہگاروں کی مجلس میں جائے جسے خود گناہ میں ملوث ہونے کا خطرہ نہ ہو بلکہ یہ امید ہو کہ وہاں جانے سے وہ کسی گناہگار کو توبہ پر مائل کر کے بچا لے گا۔ اللہ کے دین کی دعوت کے لیے، نیکی کی تبلیغ کے لیے، اُن کو برائی سے بچانے کے لیے جائے تو درست ہے لیکن جسے یہ خطرہ ہو کہ ایسی محفل میں بیٹھوں گا تو میں بھی ویسا ہو جاؤں گا، وہ ایسی مجلس کی طرف دیکھے بھی نہیں۔ دین کی تبلیغ اور لوگوں کو عذابِ الٰہی سے بچانے کے لیے یہ کوشش تو وہ کرے گا جو خود دین پر عمل پیرا ہو گا اور اسے یقین ہو گا کہ اگر

وہ انہیں بے دینی سے نہ ہٹا سکا تو وہ لوگ اسے دین سے نہ ہٹا سکیں گے۔ یہاں بھی یہی فرمایا گیا کہ آپ میں سے کوئی پیچھے مڑ کر انہیں نہ دیکھے۔

فرمایا، ایک پہر رات رہتی ہو تو آپ نکل جائیں۔ سب کو آگے لگا کر خود پیچھے چلیں تا کہ ان کے پیچھے حفاظت کی دیوار رہے۔ نبی علیہ السلام کا وجود ان کی حفاظت کا ضامن ہوگا۔ آپ میں سے کوئی پیچھے نہ دیکھے اور وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ۝۶۵ اور آپ کو جس جگہ جانے کا حکم ہوا ہے وہاں چلے جائیے۔ مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ انہیں ان کے شہروں سے نکل کر ملک شام جانے کا حکم ارشاد ہوا تھا۔ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ۝۶۶ فرمایا، ہم نے لوط علیہ السلام کو بتا دیا تھا کہ صبح ہوتے ہی یہ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ ان کی جڑ ہی کٹ جائے گی یعنی ان کا نشان باقی نہ رہے گا۔

اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے نوعمر لڑکوں کی صورت میں آئے تھے۔ اور اس مجرم قوم کی عادت تھی کہ نوعمر لڑکوں سے برائی کرتے تھے۔ انہیں نوعمر لڑکوں کی شکل میں دیکھ کر لوط علیہ السلام گھبرا گئے کہ قوم کو پتا چلا تو وہ برائی پر اتر آئیں گے اور میری بھی سبکی ہوگی اور انہیں بھی تکلیف پہنچے گی تو آپؑ پریشان ہو گئے۔ پھر وہی ہوا کہ شہر کے اوباش اکٹھے ہو کر خوشی خوشی دوڑے دوڑے آ پہنچے۔ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ۝۶۷ لوط علیہ السلام نے قوم سے فرمایا: قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ۝۶۸ یہ لوگ تو میرے مہمان ہیں اور مہمان کی توہین تو خود میزبان کی توہین ہوتی ہے تو تم میرے مہمانوں کے ساتھ زیادتی نہ کرو، مجھے رسوا نہ کرو، یہاں سے چلے جاؤ اور میرے گھر مت آؤ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ۝۶۹ اللہ سے ڈرو، اللہ کی نافرمانی نہ کرو، اللہ کے غضب سے ڈرو۔ مجھے بے آبرو نہ کرو اور مجھے دکھی نہ کرو۔ قوم کے لوگوں نے کہا: قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۝۷۰ ہم نے پہلے بھی آپ سے کئی بار کہا ہے کہ آپ ساری دنیا کے ذمہ دار نہ بنیں۔ یہ لوگ پتا نہیں کہاں سے آئے ہیں۔ آپ ہمارے اور ان کے درمیان نہ آئیں۔ ہم جانیں اور یہ۔ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ۝۷۱ آپؑ نے فرمایا قوم کی بیٹیاں میری ہی بیٹیاں ہیں، تم جائز طریقہ اختیار کرو۔ میری قوم کی خواتین میں سے جو تمہاری منکوحہ عورتیں ہیں، وہ تم پر حلال ہیں، تمہاری بیویاں ہیں، قوم کی بیٹیاں ہیں، تم جائز طریقہ سے آسودگی پاؤ اور یہ ظلم نہ کرو۔

عظمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

لَعَمۡرُكَ اللہ کریم فرماتے ہیں: میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) تیری زندگی کی قسم! وہ لوگ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔ انہیں کوئی بات سجھائی نہ دیتی تھی۔

یہاں اللہ کریم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کی شہادت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک، تقویٰ، قربِ الٰہی اور اطاعتِ الٰہی کی وہ روشن اور بہترین مثال ہے کہ جس کی قسم اللہ کریم دے رہے ہیں۔ فرمارہے ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیاتِ مبارکہ کی قسم! آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عمرِ عزیز کی قسم! اِنَّهُمۡ لَفِيۡ سَكۡرَتِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ۝ وہ لوگ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔ انہیں غلط صحیح کی سمجھ نہیں آرہی تھی۔ وہ ان باتوں سے آگے نکل گئے تھے کہ اللہ کا حکم کیا ہے اور وہ کیا کر رہے ہیں، اللہ کا نبی علیہ السلام انہیں کس بات سے منع فرمارہا ہے اور کس بھلائی کی طرف دعوت دے رہا ہے؟ وہ اچھل کود کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے کہ اپنے کردار کے انجام کو پہنچ گئے۔

بُرے کردار کا بدترین انجام:

فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ مُشۡرِقِيۡنَ۝ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے انہیں ایک سخت آواز نے پکڑلیا۔ آواز اتنی سخت تھی جس سے جگر پھٹ جائیں۔ اسی آواز سے ان کے مکان تک ٹوٹ پھوٹ کر گرنے لگے۔ ان پر پتھر کی بارش بھی برسائی گئی۔

فَجَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا ہم نے زمین کو نیچے سے اکھیڑ کر الٹ کر پھینک دیا۔ سب لوگ نیچے چلے گئے اور زمین کا نچلہ حصہ اوپر آ گیا۔ مفسرین کرام نے حدیث مبارکہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے ان کی پوری بستی کو ساتویں زمین تک نیچے سے اکھیڑا اور انہیں آسمانوں کے قریب لے گیا، جہاں تک مرغ کی آواز سنائی دیتی ہے اور وہاں سے الٹ کر پھینک دیا۔ اَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ۝ اور ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔

آج بھی وہ جگہ موجود ہے۔ اتنا گہرا گڑھا بنا کہ وہ ساری زمین سطحِ سمندر سے نیچے ہے۔ سیاہ پانی وہاں جمع ہوتا رہتا ہے۔ آج بھی اس پانی میں حیات نہیں۔ کوئی آبی جانور، مچھلی، مینڈک یا پانی کا کوئی کیڑا مکوڑا بھی اس میں نہیں ہے۔ آج کے محقق کہتے ہیں کہ اس پانی میں پانی کی تاثیر کم اور تیل کی ملاوٹ زیادہ ہے۔ نمکیات بھی بہت زیادہ ہیں اس لیے اس میں حیات باقی نہیں رہتی۔ اگر اس پانی میں تیل ملا ہوا

ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ زمین کی اتنی تہیں اکھاڑی گئیں کہ نیچے سے تیل اوپر آ گیا اور لوگ نیچے چلے گئے کہ سمندروں کی گہرائی میں میلوں نیچے تیل پایا جاتا ہے۔ بیس بیس، پچاس پچاس ہزار فٹ نیچے تک بور (Bore) کریں تو کہیں جا کر تیل نکلتا ہے۔

بہر حال اللہ بہتر جانتے ہیں۔ قرآنِ حکیم نے ان کے اعمالِ بد پر بدترین انجام کی خبر دی ہے۔ اور اس واقعہ کو باعثِ عبرت بنایا ہے۔ ارشادِ باری ہے: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿٧٥﴾ اس واقعے میں سمجھ بوجھ رکھنے والوں کے لیے بڑے روشن دلائل ہیں کہ اللہ کی نافرمانی سے بچنا ضروری ہے اور اللہ کی اطاعت اختیار کرنا لازمی ہے۔ یہ دنیا اور اس کا انجام تباہی ہے۔ یہاں کی ہر چیز انسان کی عارضی ملکیت میں ہے۔ آج جن زمینوں پر ہم قابض ہیں، یہ پہلے کسی اور کی ملکیت میں تھیں اور کل جب ہم نہیں ہوں گے، یہ سب کچھ کسی اور کے پاس ہوگا۔ پھر ان عارضی چیزوں کے لیے اللہ کی نافرمانی کرنا، بڑا گھاٹے کا سودا ہے۔

وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿٧٦﴾ وہ بستی آج بھی ایک بڑی سڑک پر ملتی ہے۔ لوگ وہاں سے گزرتے ہیں۔ اس آبادی کی جگہ مردار سمندر (Dead Sea) جسے بحرِ مُردار کہتے ہیں، موجود ہے۔ کوئی عبرت حاصل کرنا چاہے تو اسے دیکھ کر عبرت حاصل کر سکتا ہے۔

ہمارا عہد بڑا عجیب ہے۔ خصوصاً گزشتہ تیس، پینتیس سالوں میں بہت زیادہ تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ لوگوں کے حلیے بھی بدل گئے اور روّیے بھی بدل گئے ہیں۔ 1960ء اور 1970ء کے درمیانی عرصے میں ہم کوئلے کی کانوں کا کام کرتے تھے، کوئی مزدور بھی روزہ نہیں چھوڑتا تھا۔ سوائے مریض کے کوئی تصور نہیں تھا کہ روزہ چھوڑا جائے۔ بزرگ اور بچے تک روزہ رکھتے تھے۔ ہم نے خود رمضان میں روزے رکھ کر فصلیں کاٹی ہیں، غلّہ اور بھوسہ الگ کیا ہے۔ رمضان شریف میں سارے کام ہوتے تھے۔ کوئلے کی کانوں پر ہم عشاء کے وقت جاتے، رات بھر کام کرتے اور سحری گھر آ کر کرتے۔ دن بھر روزہ رکھتے، سارا دن چھٹی ہوتی، رات کو کام ہوتا۔ رمضان کا روزہ نہیں چھوڑتے تھے۔ اب لوگ علی الاعلان کھاتے پیتے ہیں، کوئی پروا نہیں کرتا۔

پہلے لباس شریفانہ ہوتا تھا۔ مردوں کو بھی احساس ہوتا تھا کہ پنڈلی یا بازو ننگا نہ ہونے پائے۔ ننگے سر گھر سے کوئی نہیں نکلتا تھا، ٹوپی یا پگڑی سر پر ہوتی تھی۔ اب مرد کیا، عورتیں نیم عریاں اور چست لباس میں ہوتی ہیں۔

آج عبرت کی بجائے وہاں لوگوں نے سیر گاہیں بنالی ہیں اور پکنک منانے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں موئن جودڑو، ہڑپہ یا ٹیکسلا کے کھنڈرات ہیں، وہاں بھی لوگ عبرت کے لیے نہیں جاتے کہ غور کریں کتنے ترقی یافتہ لوگ تھے، کتنی بڑی شہنشاہیت تھی لیکن کہاں گئے وہ لوگ، ان کی بستیاں، عمارتیں، محل، یونیورسٹیاں؟ سب کھنڈرات میں تبدیل ہوگئیں۔ لیکن لوگ عبرت حاصل کرنے نہیں جاتے۔ شاعر نے کہا تھا:

عبرت کی اک چھٹانک برآمد نہ ہو سکی
کلچر نکل پڑا ہے ٹنوں کے حساب سے

دلائل سے فائدہ اٹھانے والے:

فرمایا: اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۷۷﴾ یہ دلائل ان لوگوں کے لیے ہیں جو ایمان والے ہیں۔ کفر اتنی بڑی تاریکی ہے، ایسی جہالت ہے کہ یہ باتیں کفر کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ ان کے دل اور ذہن کو بھاتی ہی نہیں۔ دلائل سے یقین کی روشنی پانے کے لیے ایمان کا نور چاہیے۔ وَ اِنۡ کَانَ اَصۡحٰبُ الۡاَیۡکَۃِ لَظٰلِمِیۡنَ ﴿۷۸﴾ اسی طرح بَن کے رہنے والے حضرت شعیب علیہ السلام کا کہا نہیں مانتے تھے۔ آپؑ کے ارشاد کی پرواہ ہی نہیں کرتے تھے فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡہُمۡ ۘ وَ اِنَّہُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۷۹﴾ فرمایا، ہم نے ان سے بھی انتقام لیا۔ ان پر عذاب مسلط کیا گیا۔ وہ تباہ کر دیے گئے۔ ان کی ویران شدہ بستیاں ایک بڑے راستے پر ہیں۔ آج بھی قافلے، کارواں وہاں سے گزرتے ہیں۔ ان کا انجام دیکھ کر بھی لوگ عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔

سورۃ الحجر رکوع 6 آیات 80 تا 99

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٨٠﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا
مُعْرِضِيْنَ ﴿٨١﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿٨٢﴾ فَاَخَذَتْهُمُ
الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿٨٣﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَمَا خَلَقْنَا
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ
الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿٨٥﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿٨٦﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ
الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿٨٧﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا
مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٨﴾ وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا
النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿٨٩﴾ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿٩٠﴾ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ
عِضِيْنَ ﴿٩١﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٩٢﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَاصْدَعْ
بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٩٤﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿٩٥﴾
الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ
يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٩٨﴾
وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿٩٩﴾

اور بے شک (وادئ) حجر کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کو جھوٹا قرار
دیا ﴿۸۰﴾ اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں سو وہ ان سے روگردانی کرتے
رہے ﴿۸۱﴾ اور وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بنا لیتے تھے کہ امن سے

رہیں ﴿۸۲﴾ سو ان کو صبح کے وقت سخت آواز نے آ پکڑا ﴿۸۳﴾ پس جو کام وہ کرتے تھے ان کے کسی کام نہ آئے ﴿۸۴﴾ اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں (مخلوق) کو مصلحت کے ساتھ پیدا فرمایا ہے اور قیامت ضرور آ کر رہے گی سو آپ ان سے اچھی طرح سے درگزر کیجیے ﴿۸۵﴾ بے شک آپ کا پروردگار ہی (سب کچھ) پیدا کرنے والا جاننے والا ہے ﴿۸۶﴾ اور یقیناً ہم نے آپ کو سات آیات جو (نماز میں) دہرا کر پڑھی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن عطا فرمایا ہے ﴿۸۷﴾ آپ ان چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھیں بھی نہیں جو ہم نے (کفار کی) کئی جماعتوں کو (دنیا کے) فائدے کے لیے دے رکھی ہیں اور ان پر غم نہ کیجیے اور مومنوں پر شفقت رکھیے ﴿۸۸﴾ اور فرما دیجیے کہ یقیناً میں تو کھلم کھلا (انجام بد سے) ڈرانے والا ہوں ﴿۸۹﴾ جس طرح ہم نے ان لوگوں پر (عذاب نازل کیا جنہوں نے (آسمانی کتاب کے) حصے کر رکھے تھے ﴿۹۰﴾ جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا (کچھ کو مانتے کچھ کو نہیں) ﴿۹۱﴾ سو آپ کے پروردگار کی قسم ہم ان سب سے ضرور باز پرس کریں گے ﴿۹۲﴾ ان کاموں کی جو وہ کرتے رہے ﴿۹۳﴾ پس آپ کو جس بات کا حکم فرمایا گیا ہے آپ صاف صاف سنا دیجیے اور (ان) مشرکوں کی پرواہ نہ کیجیے ﴿۹۴﴾ مذاق اڑانے والوں کو، آپ کی طرف سے ہم کافی ہیں ﴿۹۵﴾ جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود قرار دیتے ہیں سو ان کو (اس کا انجام) جلدی معلوم ہو جائے گا ﴿۹۶﴾ اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے ﴿۹۷﴾ سو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح وتحمید کرتے رہیے اور سجدہ کرنے والوں میں رہیے ﴿۹۸﴾ اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہیے یہاں تک کہ آپ کی مدت العمر پوری ہو جائے ﴿۹۹﴾

تفسیر و معارف

آدمی اللہ سے دور کیوں ہوتا ہے؟

دنیا حاصل کرنے کے لیے، دنیا کی لذتیں حاصل کرنے کے لیے، دولتِ دنیا پانے کے لیے جب بندہ ہر جائز و ناجائز طریقہ استعمال کرتا ہے تو اللہ سے دور ہو جاتا ہے۔ اللہ کے غضب کو دعوت دینے والے ایسے لوگ جب اپنے کردار کے انجام کو پا لیتے ہیں، ان پر عذابِ الٰہی آ جاتا ہے تو وہی دولتِ دنیا ان کے کسی کام نہیں آتی۔

گزشتہ آیات میں اللہ کے نافرمان بندوں کے کردار اور ان کے نتیجے میں آنے والی تباہی کا ذکر تھا۔ یہی مضمون جاری ہے۔ فرمایا: وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٨٠﴾ وادیٔ حجر کے رہنے والوں نے بھی رسولوں کا انکار کیا۔ ہم نے ان پر اپنے رسولؐ بھیجے جو واضح، روشن دلائل لائے وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٨١﴾ جن میں احکامِ الٰہی تھے، عقلی اور نقلی دلائل تھے۔ میرے پیغمبروں نے انہیں احکاماتِ الٰہی پہنچائے لیکن ان لوگوں نے کسی چیز کی پروا نہ کی، ہر چیز سے روگردانی کرتے رہے۔

دنیوی مال و اسباب عذابِ الٰہی سے نہیں بچا سکتے:

وادیٔ حجر کے رہنے والے بہت طاقتور لوگ تھے۔ مادی ترقی میں بہت آگے جا چکے تھے۔ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ۔۔۔۔۔ یہ اتنی طاقتور قوم تھی کہ پہاڑوں کی بڑی بڑی چٹانوں کو کاٹ کر ان کے اندر بہترین گھر بناتی تھی۔ آج بھی ان کی آبادیاں سرِ راہ موجود ہیں۔ اتنے سخت پتھروں کو نہایت صفائی سے کاٹ کر ان کے ستون، محرابیں اور دروازے بنائے ہوئے ہیں۔ گھر کی اندرونی دیواریں اور چھتیں بھی اتنی مضبوط ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿٨٢﴾ یہ لوگ ایسے مضبوط گھر بناتے تاکہ محفوظ رہیں اور امن سے رہیں۔ اُن کے یہ مضبوط گھر بھی انہیں عذابِ الٰہی سے نہ بچا سکے۔ انہوں نے جب انبیاء و رسل علیہم السلام سے روگردانی کی فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿٨٣﴾ تو علی الصبح انہیں ایک تیز آواز نے آ پکڑا فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٤﴾ پھر وہ مضبوط گھر، دولتِ دنیا، طاقتور جسم، دنیوی مال و اسباب کسی کام نہ آئے۔ کوئی بھی چیز انہیں عذابِ الٰہی سے نہ بچا سکی اور وہ تباہ ہو گئے۔ جو دولتِ دنیا انہوں نے کمائی تھی وہ ان کے کسی کام نہ آئی۔

نظامِ کائنات حق پر قائم ہے:

فرمایا: وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ہم نے زمین و آسمان فضول

پیدا نہیں فرمائے۔ یہ حق پر قائم ہیں اور حق یہ ہے کہ ہر شخص جو کچھ کرے گا اس کا نتیجہ بھگتے گا۔ اگر نیکی کرے گا تو نیک انجام نصیب ہوگا۔ اللہ کی نافرمانی کرے گا تو تباہ ہو جائے گا۔

زمین آسمان اور کائنات کا سارا نظام حق پر قائم ہے۔ اگر اس میں ناانصافی ہونے لگے، کمی بیشی ہونے لگے تو یہ قائم نہیں رہ سکتا۔ اگر سورج کی ایک ایک کرن بھی چھینی جانے لگے تو دنیا ایک دن تاریک ہو جائے گی۔ گھاس کے ایک تنکے کے ساتھ بھی ناانصافی ہو تو یہ سبزہ زار نہ لہلہا سکیں گے، کوئی درخت پھل نہ دے سکے گا، کوئی فصل نہ پک سکے گی لہٰذا جو بھی پوری توجہ سے زمین و آسمان اور کائنات کے نظام کو دیکھے گا وہ جان لے گا کہ یہ سارا نظام حق پر قائم ہے، انصاف پر قائم ہے۔

قیامت ضرور آئے گی:

فرمایا: وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ اور یقیناً قیامت آنے والی ہے۔ خوب یاد رکھو! قیامت ہر حال میں قائم ہوگی۔ دنیا کی ہر چیز تباہ ہو جائے گی۔ حساب کتاب ہوگا۔ نیک و بد کا جائزہ لیا جائے گا۔ جو اچھا کرے گا، اچھا نتیجہ پائے گا، جو غلط کرے گا، نتیجہ بھی خراب پائے گا۔

فرمایا: فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ۝ اے میرے حبیب! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ برداشت کیجیے۔ اچھے اور بہتر طریقے سے ان سے گزارہ کیجیے۔ یہ اللہ کی کائنات ہے جو حق پر قائم ہے۔ ان کے ساتھ بھی انصاف ہوگا، زیادتی نہیں ہوگی۔ اگر یہ ظلم کر رہے ہیں تو اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں، انہیں اس کا انجام بھی خود بھگتنا ہوگا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اچھے طریقے سے درگزر فرمائیے۔

فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پروردگار یقیناً سب کو پیدا کرنے والا ہے، سب کا خالق ہے اور سب کی ہر بات جانتا ہے۔ اس نے کھربوں ذرّات جوڑ کر ایک وجود بنایا ہے۔ ہر ذرّہ اس کے حکم کا محتاج ہے۔ ہر ذرّے کی خصوصیت اس کی تخلیق کردہ ہے۔ وہ ذرّے ذرّے سے واقف ہے۔

سورۃ الفاتحہ، ایک خصوصی انعام:

یوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کریم کے بے پناہ احسانات ہیں لیکن سورۃ الفاتحہ ایک خصوصی انعام ہے فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک ایسی سورت عطا فرمائی ہے جس کی سات آیات ہیں جو دن رات پڑھی جاتی ہیں۔ مفسرین کرام کے مطابق اس سے مراد سورت فاتحہ ہے جس کی سات آیات ہیں اور ہر صلوٰۃ کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔ مفسرین کے مطابق یہ خصوصیت تمام امتوں میں سے صرف امتِ مرحومہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ انہیں سورۃ الفاتحہ عطا کی گئی، اس کی برکات عطا ہوئیں۔ جب

یہ سورت نازل ہوئی تو شیطان خاک میں لوٹتا تھا اور سر پر خاک ڈالتا تھا کہ جو لوگ دن رات یہ سورت دہراتے رہیں گے ان پر میرا کیا بس چلے گا۔

شیطان نے لوگوں کو صلوٰۃ سے غافل کر کے اس کا توڑ ڈھونڈ لیا کہ نہ مسجد جائیں، نہ صلوٰۃ ادا کریں، نہ اس کو دہرائیں۔ علاج پھر بھی یہی ہے کہ سورت فاتحہ کو پڑھا جائے۔ صلوٰۃ ادا کی جائے اور شیطان کو نامراد رہنے دیا جائے۔

فرمایا: وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ﴿۸۷﴾ ہم نے اس کے ساتھ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بہت بڑی عظمت والا قرآن عطا کیا۔ قرآن حکیم اللہ کا ذاتی کلام ہے اور ہر کلام میں متکلم کی شخصیت کا عکس ہوتا ہے۔ یہ اللہ کا کلام ہے، اس میں تجلیاتِ ذاتی ہیں۔ فرمایا: اگر یہ کفر کرتے ہیں، اس سے محروم ہوتے ہیں یا نہیں مانتے تو یہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔

کفر کے ساتھ مالِ دنیا ملنا عذابِ الٰہی ہے:

فرمایا: لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ ۔۔۔۔۔ حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس طرف نگاہ نہ فرمایئے کہ ان کے پاس مال و دولت ہے، بیویاں اور اولاد ہے، گھر بار ہیں، اولاد در اولاد ہے، عہدہ و اقتدار ہے، حکومت و سلطنت ہے۔ کفر کے ساتھ ان چیزوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ جب آدمی اللہ کی نافرمانی کر رہا ہو تو یہ ساری چیزیں عذاب الٰہی کا سبب بن جاتی ہیں۔ ان کے دوزخ جانے کے لیے ایندھن بن جاتی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمۃ للعالمینی:

وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ ۔۔۔۔۔ اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی طرف سے دکھی بھی نہ ہوا کریں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمۃ اللعالمینی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے کفر پر قائم رہنے کا بھی دکھ ہوتا تھا کہ میری بعثت اور رحمتِ عامہ کے باوجود یہ محروم کیوں رہیں اور جہنم کیوں جائیں! اللہ کریم نے فرمایا، ان کا دکھ مت کیجیے۔ انہیں کسی نے جہنم کی طرف نہیں دھکیلا۔ یہ خود بھاگ کر جہنم جا رہے ہیں۔ آپ ان کی پروا نہ کریں۔ انہوں نے یہ راستہ اپنے لیے خود چن لیا ہے اور اس پر یہ دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ اس کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے کہ ان کے پاس مال و دولتِ دنیا کی کوئی حد نہیں۔ یہ سب چیزیں انہیں کوئی فائدہ نہیں دیں گی۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۸﴾ ہاں! جو لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ

ایمان لائے ہیں۔ جن کا عقیدہ وہ ہے جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تعلیم فرمایا ہے۔ جن کا کردار وہ ہے جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سکھایا ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان مومنین پر اپنا دستِ شفقت رکھیے۔

سبحان اللہ! پروردگارِ عالم کا مومنین پر کتنا کرم ہے کہ حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا جا رہا ہے کہ مومنوں پر اپنے بازوئے حق ثبات وا کر دیجیے، مومنوں کو اپنے کرم میں سمیٹ لیجیے وَقُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ﴿۸۹﴾ اور سب کو بتا دیجیے کہ میرا منصب جلیلہ یہ ہے کہ فرداء قیامت تمہارے کردار کی بدولت جو کچھ پیش آنے والا ہے، اس سے تمہیں دنیا میں ہی خبردار کر دوں۔ جن باتوں سے تم مر کر آگاہ ہو گے، وہ باتیں میں تمہیں یہاں بتا رہا ہوں۔ میرا منصب یہ ہے کہ میں تمہیں دنیا میں بتا دوں کہ کس کام کا کیا نتیجہ ہو گا تا کہ تم دنیا میں ہی برے کاموں سے باز آ جاؤ۔

قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے پر عذاب کی وعید:

کفر کو عذاب ملنا اس کا مقدر ہے، لیکن انہیں بھی سزا ملے گی جنہوں نے آسمانی کتابوں کے حصے کر رکھے تھے۔ فرمایا: كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ جس طرح ہم نے منکرین پر عذاب نازل کیا، اسی طرح ان پر بھی عذاب نازل کیا جنہوں نے کتابوں کے حصے کر دیے تھے۔ فرمایا، ایسی قومیں بھی گزری ہیں جنہوں نے اللہ کی کتابوں کے حصے کر دیے۔ جو بات پسند آئی اسے قبول کر لیا، جو پسند نہ آئی اسے نکال دیا۔ آج بھی عیسائی دنیا یہی کر رہی ہے۔ مرد کی مرد سے اور عورت کی عورت سے شادی کسی آسمانی کتاب میں جائز نہ تھی، نہ تورات میں، نہ انجیل میں۔ آج انہوں نے اس کی اجازت دے دی ہے اور قانون بنا دیا ہے کہ یہ جائز ہے۔

الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ﴿۹۱﴾ جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا یعنی کچھ احکام مان لیے، کچھ کو چھوڑ دیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے دعویٰ تو ایمان کا کیا لیکن زندگی اپنی پسند سے گزاری، سارے کے سارے قرآن کو قبول نہ کرنے پر عذاب کی وعید ہے۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ اور آپ کے پروردگار کی قسم! ہم ان سب سے ضرور باز پرس کریں گے۔ ان سب کو اپنے اعمال کا جواب دینا ہو گا۔

پروردگار کی قسم سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ رب العالمین ہے۔ اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے کہ ہر کام پر اس کے مطابق نتیجہ مرتب ہو۔ گلاب کے پودے پر گلاب کا پھول آئے اور موتیے کے پودے پر موتیا لگے۔ یہ تقاضائے ربوبیت ہے کہ ہر کام اور ہر چیز کی تربیت کر کے اسے انجام تک پہنچائیں۔ یہ بھی ربوبیت کا تقاضا ہے کہ جو

نیکی کرے اسے نیک انجام نصیب ہو اور جو برائی کرے اسے برائی بھگتنا پڑے۔ اس لیے ان سب سے ضرور پوچھا جائے گا کہ ان کا نظریہ و عقیدہ کیا تھا اور کردار کیا تھا؟

فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۹۴﴾ اے میرے حبیب! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو جس بات کا حکم ہوا ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس بات کو واضح کر کے بتا دیجیے اور مشرکوں کی کوئی پروانہ کیجیے۔ یہ حوصلہ، یہ مقام صرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کہ پوری دنیائے کفر کو دینِ حق کے احکام سنائے جو حکم الٰہی تھا۔ ورنہ کون یہ جرأت کر سکتا تھا کہ دنیائے کفر کو ڈٹ کر حق سنائے؟

اِنَّا كَفَيۡنٰكَ الۡمُسۡتَهۡزِءِيۡنَ ﴿۹۵﴾ مذاق اڑانے والوں کو ہم آپ کی طرف سے کافی ہیں۔ کفار و مشرکین اس بات پر مذاق اڑاتے تھے کہ یہ واحد شخص دنیا کو تبدیل کرنے چلا ہے، پوری دنیا ایک طرف ہے اور یہ اکیلا توحید کا علم لیے کھڑا ہو گیا ہے۔ اللہ نے فرمایا، ہم ان کو کافی ہیں۔ یہ قانون ہمیشہ کے لیے طے ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء کرنے والوں سے نبٹنے کے لیے اللہ کافی ہے۔

الَّذِيۡنَ يَجۡعَلُوۡنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ‌ ۚ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۶﴾ یہ لوگ جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں، جنہوں نے اللہ کے علاوہ اور معبود بنا لیے ہیں، انہیں بہت جلد سمجھ آ جائے گی۔

ہر رنج کا علاج:

فرمایا: وَلَقَدۡ نَـعۡلَمُ اَنَّكَ يَضِيۡقُ صَدۡرُكَ بِمَا يَقُوۡلُوۡنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ ﴿۹۸﴾ ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دل کتنا تنگ ہوتا ہے، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کی باتیں رنج پہنچاتی ہیں۔ جب یہ لوگ ذات الٰہی کے لیے نازیبا گفتگو کرتے ہیں، احکامِ الٰہی کا مذاق اڑاتے ہیں تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کتنی تکلیف پہنچتی ہے، کتنا دکھ پہنچتا ہے۔ اس کا بھی ایک علاج ہے، وہ یہ کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہو جائیں۔ صلوٰۃ و عبادات، تلاوت و ذکر الٰہی میں مصروف رہیں۔ ہر دکھ کا علاج یہ ہے کہ جتنا اللہ کی یاد میں رہیں گے، اتنا سکون پائیں گے۔

وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَقِيۡنُ ﴿۹۹﴾ اپنے پروردگار کی اطاعت اور اس کی عبادت پر ایسے جم جائیے کہ آخری سانس بھی اللہ کی اطاعت میں نکلے۔

سورۃ النحل رکوع 1 آیات 1 تا 9

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ۝۱ یُنَزِّلُ
الۡمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّہٗ لَاۤ
اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوۡنِ ۝۲ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ تَعٰلٰی عَمَّا
یُشۡرِکُوۡنَ ۝۳ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ فَاِذَا ہُوَ خَصِیۡمٌ مُّبِیۡنٌ ۝۴
وَ الۡاَنۡعَامَ خَلَقَہَا ۚ لَکُمۡ فِیۡہَا دِفۡءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنۡہَا تَاۡکُلُوۡنَ ۝۵ وَ لَکُمۡ
فِیۡہَا جَمَالٌ حِیۡنَ تُرِیۡحُوۡنَ وَ حِیۡنَ تَسۡرَحُوۡنَ ۝۶ وَ تَحۡمِلُ اَثۡقَالَکُمۡ اِلٰی بَلَدٍ
لَّمۡ تَکُوۡنُوۡا بٰلِغِیۡہِ اِلَّا بِشِقِّ الۡاَنۡفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّکُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ۝۷
وَّ الۡخَیۡلَ وَ الۡبِغَالَ وَ الۡحَمِیۡرَ لِتَرۡکَبُوۡہَا وَ زِیۡنَۃً ؕ وَ یَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝۸
وَ عَلَی اللّٰہِ قَصۡدُ السَّبِیۡلِ وَ مِنۡہَا جَآئِرٌ ؕ وَ لَوۡ شَآءَ لَہَدٰىکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ۝۹

اللہ کا حکم (عذاب) آہی پہنچا تو (کافرو!) اس کے لیے جلدی نہ کرو لوگ جن کو اللہ کا شریک بناتے ہیں وہ ان سے پاک اور بلند تر ہے ﴿۱﴾ وہی فرشتوں کو اپنا حکم دے کر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل فرماتا ہے کہ لوگوں کو خبردار کر دیں کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں سو مجھ سے ڈرتے رہو ﴿۲﴾ اسی نے آسمانوں کو اور زمین کو حکمت سے پیدا فرمایا۔ اُس کی ذات ان (لوگوں) کے شرک سے بلند تر ہے ﴿۳﴾ انسان کو نطفہ سے پیدا فرمایا پھر وہ (اسی کے بارے) یکایک کھلم کھلا جھگڑنے لگا ﴿۴﴾ اور اسی نے چوپایوں کو پیدا فرمایا ان میں تمہارے

جاڑے کا لباس ہے (اون کھال وغیرہ سے) اور (بہت سے) فائدے ہیں اور ان میں سے کھاتے بھی ہو ﴿۵﴾ اور جب تم ان کو شام کو لاتے ہو اور جب ان کو صبح کو چرانے کے لیے لے جاتے ہو تو اس میں تمہاری شان بھی ہے ﴿۶﴾ اور وہ تمہارے بوجھ بھی ایسے شہر کو لے جاتے ہیں جہاں تم جان کو محنت میں ڈالے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے بے شک تمہارا پروردگار بڑی شفقت (اور) رحمت والا ہے ﴿۷﴾ اور گھوڑے اور خچر اور گدھے (پیدا فرمائے) تا کہ تم ان پر سواری کرو اور (وہ تمہارے لیے) زینت بھی ہوں اور وہ (اور چیزیں بھی) پیدا فرماتا ہے جن کی تم کو خبر نہیں ﴿۸﴾ اور سیدھا راستہ اللہ تک جا پہنچتا ہے اور بعض (راستے) ٹیڑھے بھی ہیں اور اگر وہ چاہتے تو تم سب کو سیدھے راستے پر چلا دیتے ﴿۹﴾

تفسیر و معارف

سورۃ النحل مکّی سورتوں میں سے ہے اور مکّی سورتوں میں عقائد پر زیادہ بحث کی گئی ہے جبکہ مدنی سورتوں میں زیادہ زور احکام پر ہے۔ اس سورت میں اللہ کی عجیب وغریب مخلوقات میں سے ایک مخلوق شہد کی مکھی کا تذکرہ ہے، اسی لیے یہ النحل کے نام سے موسوم ہے۔ عربی میں شہد کی مکھی کو "نحل" کہتے ہیں۔

کفار اور مشرکین مکہ کہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو کہتے ہیں کہ جو اللہ کی اطاعت نہیں کرے گا اسے عذاب ہوگا۔ قیامت آجائے گی اور ہر چیز تباہ ہو جائے گی لیکن ہم تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مان رہے پھر قیامت کیوں نہیں آتی، پھر ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کیوں نہیں لے آتے؟ فرمایا: اَتٰٓی اَمْرُ اللّٰہِ فکر نہ کرو۔ اللہ کے ترتیب دیئے گئے نظامِ کائنات میں اپنے اپنے وقت میں تمام انبیاءؑ گزر چکے۔ ساری امتیں اپنے اپنے وقت پر گزر چکیں۔ اب یہ اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یہ آخری کتاب ہے اور یہ آخری اُمت ہے۔ اب اس کے بعد کوئی نئی امت نہیں ہوگی۔ اس کے بعد اب قیامت ہی آئے گی، گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ کریم کا اپنا بنایا ہوا نظام ہے جس میں کسی کے کہنے سے تقدیم وتاخیر نہیں ہوتی۔ لیکن تم اگر ترتیب جہاں دیکھو تو تمہیں سمجھ آجائے گی کہ اب اس امت کے بعد قیامت ہی آئے گی۔ اب کوئی نیا نبیؑ، نئی امت، نیا دین نہیں آئے گا تو یوں سمجھو! جیسے اللہ کا حکم آ ہی پہنچا۔ اور اب اس امت کے بعد چونکہ قیامت ہی آنی ہے فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ۔۔۔۔

تو گھبراؤ نہیں، جلدی نہ کرو۔ جب قیامت آئے گی، جب حساب کتاب ہوگا، عذاب وثواب ہوگا تو پھر تمہیں یہ فکر ہوگی کہ یہ تو بہت ہی جلدی آ گیا۔ ہم تو دنیا میں شاید دن بھر ہی رہے تھے اور اتنا لمبا عذاب آ گیا! لہٰذا اس کے لیے جلدی نہ کرو اور تم سمجھتے ہو کہ تمہارے شرک وبت پرستی کرنے سے اللہ کی عظمت میں فرق آئے گا، ایسا کچھ نہیں ہوتا بلکہ ایسا کرنے سے تم اپنے لیے عذاب بڑھا رہے ہو۔ اپنا نقصان کر رہے ہو اور اپنا ہی بوجھ بڑھا رہے ہو۔ اللہ کریم کی شان بہت بلند ہے، وہ ان باتوں سے پاک اور بالاتر ہے۔ مخلوق کی اطاعت یا عدمِ اطاعت سے اس کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ جو نافرمانی کرتا ہے وہ اپنا نقصان کرتا ہے اور جو اس کی اطاعت کرتا ہے تو اپنے فائدے کے لیے کرتا ہے۔ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ① وہ پاک ہے اور اس کی عظمت اور شان ان باتوں سے بہت بلند ہے۔ تمہارے شرک سے اور جن کو اس کا شریک بناتے ہو، اُن سب سے اس کی ذات وراء الورٰی ہے۔ اس کی عظمت، اس کی شان میں، ان باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اللہ کو کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں:

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ یہ اللہ کی مرضی کہ وہ اپنی مخلوق میں سے، اپنی پسند سے اپنے انبیاءؑ چنتا ہے۔ اس معاملے میں اسے کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں۔ تم تو اعتراض کرتے ہو کہ کسی دولت مند رئیس کو، کسی صاحب اقتدار کو نبیؑ ہونا چاہیے تھا یا شہر کے امیر کو نبیؑ بنایا جانا چاہیے تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے فیصلوں میں کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اس کی مخلوق کو گن نہیں سکتے۔ ان میں سے کس مخلوق کی تخلیق تمہارے مشورے پر ہوئی؟ تمہارا مشورہ تو خود تمہاری اپنی ذات میں بھی شامل نہیں ہے۔ کیا تم یہ مشورہ دے سکے کہ تمہاری شکل کیسی ہو، قد کاٹھ کیسا ہو، تمہاری عمر کتنی ہو۔ کیا تم نے اپنے لیے کوئی مشورہ دیا؟ ساری کائنات کے کسی ایک ذرّے میں بھی تمہارا مشورہ شامل نہیں ہے تو پھر نبوت کے لیے اسے تمہارے مشورے کی ضرورت کیوں ہوگی؟ وہ خود پسند فرماتا ہے اور فرشتوں کو حکم دیتا ہے، اپنی مرضی سے اپنے منتخب بندوں پر وحی نازل فرماتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاءؑ اللہ کے منتخب بندے تھے۔

انبیاءؑ کی دعوت، توحید:

تمام انبیاء کرامؑ نے ایک ہی دعوت دی اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ② اللہ کی وحدانیت اور توحید کی طرف لوگوں کو بلایا ہے اور اس بات کی خبر دی ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور اگر نافرمانی کروگے تو خود نقصان اٹھاؤ گے۔ کم وبیش سوا لاکھ انبیاءؑ گزرے ہیں اور سب اللہ کے برگزیدہ بندے

ہیں۔ دیانت و امانت، صداقت اور کردار میں بے مثال لوگ ہیں۔ دانش مندی اور کردار کے اعتبار سے اپنے زمانے کے بہترین لوگ ہیں۔ تو کیا اتنے اعلیٰ پائے کے لوگ، ان تمام خوبیوں کے حامل افراد کسی غلط بات پر متفق ہو سکتے ہیں؟ یہ بات تو عقلاً بھی محال ہے کہ اللہ کے برگزیدہ افراد کی یہ کثیر جماعت یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو لوگوں کی ہر معاملے میں راہنمائی فرماتے رہے، وہ خود معاذ اللہ گمراہ ہوں۔ یہ تو عقلاً بھی محال ہے کہ اللہ کے اتنے کھرے، سچے اور مخلص بندے کسی غلط بات پر متفق ہو جائیں۔

خالق صرف اللہ ہے:

فرمایا، غور کرو! خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اللہ نے زمینوں اور آسمانوں اور ان میں بے شمار مخلوق کو پیدا فرمایا۔ زمینوں اور آسمانوں کے نظام ترتیب دیے اور ان سب کو خصوصیات بخشیں۔ زمین کے ایک ایک ذرّے کو مختلف خصوصیات عطا فرمائیں۔ مختلف عناصر کے ملنے سے مختلف چیزیں بن جاتی ہیں۔ مختلف نسبت سے عناصر ملتے ہیں تو مختلف چیزیں بن جاتی ہیں اور یہ سب کچھ عین حق ہے کہ اللہ کریم نے زمینوں اور آسمانوں کی تخلیق میں کہیں کوئی غلطی نہیں کی۔ یہ سارا نظام مبنی برحق ہے اور اللہ کی ذات کے علاوہ زمینوں اور آسمانوں میں جتنی مخلوق ہے، سب اس کی تخلیق کردہ ہے۔ اس کی مخلوق ہے۔ وہ اکیلا سب کا خالق ہے اور مخلوق میں سے کسی نے ایک ذرّہ بھی تخلیق نہیں کیا کہ ایسا کرنا صرف اللہ ہی کو زیبا ہے۔

تخلیق سے مراد:

تخلیق کرنے سے مراد ہے کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا کہ کسی چیز کا کائنات میں وجود نہ ہو اور اسے وجود عطا کر دیا جائے اور یہ صرف اللہ ہی کی شان ہے۔

غلط العام جملہ:

آج تو بندے خود کو خالق کہلوانا شروع ہو گئے ہیں۔ شاعروں اور ادیبوں کو شاعری اور افسانوں کا خالق کہہ دیا جاتا ہے۔ کیا انہوں نے الفاظ تخلیق کیے ہیں یا پہلے سے مستعمل الفاظ کو جوڑا ہے؟ وہ خالق کیسے ہو سکتے ہیں؟ اگر ادب پارے لکھنے والے یا شعر لکھنے والے خالق ہیں پھر تو سارے لوہار، ترکھان، مستری، ورکشاپ والے جو چیزیں بناتے ہیں، خالق ہو گئے۔ پھر زمین پر مخلوق تو نہ رہی، سارے خالق ہی ہو گئے۔

خواتین بھی دس بارہ چیزیں جوڑ کر ایک کھانا بنالیتی ہیں پھر انہیں بھی کیا کھانے کا خالق کہا جائے؟ تو کسی بھی انسان کے لیے خالق کا لفظ استعمال کرنا درست نہیں ہے۔

ہر چیز اللہ کی تخلیق کردہ ہے۔ اس نے خود پیدا فرمائی ہے۔ تو جو خود مخلوق ہے وہ خالق کے ساتھ ذات میں یا کسی بھی صفت میں کیسے شریک ہوسکتی ہے؟ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ③ اللہ کی ذات اس سے بہت بلند ہے کہ اس کے ساتھ کوئی شریک ٹھہرایا جائے۔ تم جو شرک کرتے ہو، کبھی کسی نبی کو اس کا بیٹا قرار دیتے ہو تو کبھی فرشتوں کو اس کی بیٹیاں مانتے ہو۔ کبھی جنات کو معبود قرار دیتے ہو تو کبھی سورج، چاند ستاروں کو پوجتے ہو اور کبھی آگ کو اس کا شریک بناتے ہو۔ یہ سب تو اس کی مخلوق ہیں، شراکت دار نہیں۔ لہٰذا اس کی رفیع شان کو ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔ اس کی شان سب سے بلند ہے۔

تخلیقِ وجودِ انسانی:

انسانی وجود کی تخلیق اللہ کی قدرتِ کاملہ کا کرشمہ ہے۔ فرمایا: خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ④ وہ ایسا قادر ہے کہ انسان کو نطفے سے پیدا فرمایا۔ نطفے کے ایک قطرے میں بھی لاکھوں جراثیم ہوتے ہیں، کوئی ایک جرثومہ ماں کے پیٹ میں پرورش پانے لگتا ہے۔ اس جرثومے سے وہ خالق ایک خوبصورت انسان تخلیق فرما دیتا ہے، جس کے وجود کے ایک ایک ذرّے میں، ایک ایک بال میں، کھال میں، رگ و پے میں، ہڈیوں میں اپنا اپنا کام سرانجام دینے کی ساری قوتیں موجود ہیں۔ انسان کو دماغ کی صورت میں ایک ایسا کمپیوٹر عطا کر دیا کہ جس کی مثال دنیا میں مل ہی نہیں سکتی۔ کوئی انسان ایسا کمپیوٹر ایجاد نہیں کرسکتا۔

انسانی وجود کو اتنی شفاف آنکھیں عطا کیں کہ ایک آنکھ کے آئینے میں چوبیس لاکھ بلب روشن ہیں۔ دونوں آنکھوں میں اڑتالیس لاکھ بلب ہیں، جو مل کر کام کرتے ہیں۔ ان کا تعلق اٹھارہ اٹھارہ لاکھ تاروں سے دماغ سے جوڑا گیا ہے۔ دماغ ایسا باکمال شاہکار ہے کہ آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے، دماغ فوراً اس کی تصویر بنا دیتا ہے۔ آنکھ کی جسامت دیکھی جائے اور اس کے چوبیس لاکھ حصے تقسیم کرنا، یہ اتنا نازک اور باریک کام کون کرسکتا ہے! اتنی باریکیاں ہیں تخلیقِ انسانی میں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ کان میں جو آواز پڑتی ہے، دماغ فوراً اس کو شکل دے دیتا ہے اور وہ سنائی دینے لگتی ہے۔ تو یہ اللہ کریم کا کتنا احسان ہے کہ اس نے ایک قطرے سے کس قدر خوبیوں والا انسان پیدا کر دیا۔ اور پھر

ہر انسان کو اپنے طور پر پوری طرح بنا سنوار کر پیدا فرمایا۔ کبھی یہ نہیں ہوا کہ کان آنکھ کی جگہ آجائے یا آنکھ کان کی جگہ لگ جائے۔ یا ناک نیچے لگ جائے اور منہ اوپر لگ جائے، ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ ہر انسان کو احساسات عطا فرمائے، غم اور خوشی کا ادراک عطا فرمایا۔ عقل و شعور عطا فرمایا۔ ہر سینے میں دل عطا فرمایا جو عجائباتِ قدرت کا خزانہ ہے۔ انسان کے ذرّے ذرّے میں کتنے کمالات رکھ دیے، اب نطفے سے تومند، خوبصورت صاحبِ شعور انسان بننے کے بعد وہ اللہ کی ذات پر جھگڑتا ہے، هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ۝۴ ذاتِ باری کے احسان کو بھول جاتا ہے اور اکڑ جاتا ہے اور کھلم کھلا ذاتِ باری میں جھگڑا کرنے لگتا ہے اور اپنے خالق کے بارے اس کے عقائد بدل جاتے ہیں۔ اللہ کی نافرمانیاں کرتا ہے، کفر اختیار کرتا ہے۔ تو جتنی خوبیاں اسے عطا ہوئی تھیں، خامیاں اور کمزوریاں بن جاتی ہیں اور اس کی گمراہی کا سبب بن جاتی ہیں۔ اور اگر اللہ پر ایمان لاتا ہے، اللہ کے نام سے اپنے وجود کو منور کرتا ہے، تو اس کی ساری خوبیاں، روشنی کے مینار بن جاتی ہیں۔ نہ صرف خود کامیاب ہوتا ہے بلکہ دوسروں کی راہنمائی اور ان میں برکات تقسیم کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ لیکن یہ فیصلہ انسان کا اپنا ہے۔

جانور انسان کی خدمت کے لیے ہیں:

اللہ کریم نے جانور پیدا کیے۔ وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا۔۔۔۔۔ وہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور تم بھی اللہ کی مخلوق ہو۔ لیکن تمہیں شرفِ انسانیت بخش کر ان پر اتنی فضیلت دی کہ لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ بھی اُن کے بالوں سے، اُن کی کھالوں سے تم لباس بنا لیتے ہو، جوتے بناتے ہو، خیمے بناتے ہو، پہننے کے لیے کوٹ بناتے ہو۔ لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝۵ تم بھی اللہ کی مخلوق ہو اور وہ بھی۔ تم انہیں استعمال کرتے ہو اور اُن کے کاروبار کرتے ہو جس سے تمہیں بہت منافع ملتا ہے۔ بعض کی کھال استعمال کرتے ہو، بعض کی اون اور بال استعمال کرتے ہو اور ان میں ایسے بھی ہیں جن کو تم ذبح کر کے، کاٹ کر کھا لیتے ہو کہ حلال جانور ہے اسے کاٹ کر کھا سکتے ہو۔ اللہ نے اپنی مخلوق تمہاری خدمت پر لگا دی ہے۔ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ۝۶ اور جب تم انہیں صبح شام چرانے کے لیے لے جاتے ہو تو اس میں تمہاری شان بھی ہے۔ اور یہ کتنی عجیب بات ہے کہ آج بھی دیکھا جائے تو لوگ اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ان کے پاس جانوروں کے کتنے فارم ہیں۔ آج فارمنگ (Farming) کا طریقہ کار رائج ہے اور لوگ یہ بتانے میں بڑا فخر محسوس کرتے

ہیں کہ اُن کے پاس چوزوں کے کئی فارم ہیں یا گائیوں کے فارم ہیں یا گھوڑوں کے فارم ہیں۔

انسانی ضرورتیں نہیں بدلتیں:

عجیب بات ہے کہ زمانہ کتنی کروٹیں بدل لے، انسان کی بنیادی ضرورتیں اور اُن کی تکمیل کی اہمیت ویسی ہی ہے، البتہ ان کی تکمیل کے ذرائع بدل جاتے ہیں۔ آج بھی انسانوں کو ویسے ہی بھوک لگتی ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں لگتی تھی۔ جیسی نیند تب آتی تھی آج بھی ویسی ہی نیند آتی ہے۔ جیسی گرمی سردی پہلے محسوس ہوتی تھی ویسی ہی آج محسوس ہوتی ہے۔ جانوروں کی جیسے ضرورت تب تھی ویسے ہی آج بھی فارمنگ بنیادی ضروریات میں سے ایک ہے۔

فرمایا: وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ان میں سے بعض پر سواری کرتے ہو اور بعض پر بوجھ لادتے ہو۔ اونٹوں، خچروں وغیرہ پر تم بوجھ لادتے ہو اور وہ اُس جگہ پہنچا دیتے ہیں جہاں تم بڑی مشقت سے، مشکل سے، آہستہ آہستہ، تھوڑا تھوڑا کر کے پہنچا پاتے۔ یہ جانور تمہارا کام کر دیتے ہیں، تمہارا بوجھ اٹھا لیتے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ یقیناً تمہارا پروردگار بہت شفیق اور بہت ہی رحمت والا ہے۔ یعنی تمہیں ادراک ہی نہیں کہ تمہاری خدمت کے لیے، اس نے کتنی مخلوق پیدا کر دی ہے اور تم ان سے کس کس طرح خدمت لے رہے ہو۔ کیا تم نے کبھی سوچا ہے؟ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (البقرہ: 29) اس نے اپنی بے پناہ مخلوق تمہاری خدمت پر لگا دی ہے۔ زمین پر جو کچھ بھی ہے تمہاری خدمت کے لیے ہے۔ سبزہ، فصلیں، پھل، دوائیں، جانور، پرندے، چرندے، سمندر اور مچھلیاں ہیں۔ ہر چیز کو تم استعمال کیے جا رہے ہو اور تم اس کا شکر ادا کرنے کی بجائے اس کی ذات پر اعتراض کرنے بیٹھ جاتے ہو وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۔۔۔۔۔اور گھوڑے پیدا کر دیے، خچر تخلیق فرمائے، گدھے پیدا فرمائے۔ اُن پر تم سواری بھی کرتے ہو اور ان پر بوجھ بھی ڈالتے ہو اور وہ تمہاری شان بھی بڑھاتے ہیں وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ یہ سب تو وہ چیزیں ہیں جو تم جانتے ہو۔ آئندہ تمہاری سواری کے لیے کیا کیا پیدا فرمائے گا، وہ جب وجود پذیر ہوگا تو جان پاؤ گے۔ اب اُس زمانے میں اگر قرآن کریم کہتا کہ بسیں ہوں گی، ریل گاڑی ہوگی، ہوائی جہاز ہوں گے تو کوئی بھی سمجھ نہ سکتا۔ تو فرمایا یہ تو تمہارے سامنے ہیں جن کو تم استعمال کر رہے ہو لیکن ایسی بہت

چیزیں ابھی باقی ہیں جو وہ تمہاری سواری اور مال برداری کے لیے پیدا فرمادے گا۔ جب آئیں گی تو تم جان لو گے۔ تم میں اتنی استعداد نہیں ہے کہ تمہیں آج بتایا جائے اور تم جان لو۔ وہ ایسی چیزیں پیدا کرے گا جن کا تمہارے پاس آج کوئی تصور نہیں ہے۔

شریعت کا راستہ سب سے آسان ہے:

فرمایا: وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ اور اللہ کی طرف تو بالکل سیدھا راستہ جاتا ہے کہ تمام مخلوق اللہ کی عظمت پر گواہ ہے اور اس کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ اس کی تخلیق پر غور کرو۔ خود اپنی بناوٹ پر غور کرو۔ اپنے اعضاء و جوارح پر غور کرو کہ وہ کیا کیا کام سرانجام دیتے ہیں، کیسے بنائے گئے ہیں اور اُن کی خصوصیات کیسی باکمال ہیں۔ جان لو کہ اللہ کی طرف جانے والا راستہ بالکل سیدھا اور آسان ہے وَمِنْهَا جَآئِرٌ اس کے علاوہ جتنے راستے ہیں وہ سب ٹیڑھے میڑھے ہیں۔ اللہ کریم اگر انبیاء مبعوث نہ بھی فرماتے، کتابیں نازل نہ فرماتے تو بھی اس کی بے پناہ تخلیق اس کی عظمت کی بہت بڑی گواہ تھی لیکن وہ اتنا کریم ہے کہ اس نے انسان پر مزید کرم فرمایا اور آسانیاں فرما دیں اور انبیاء مبعوث فرمائے، کتابیں نازل فرمائیں اور اللہ کے بندوں نے دعوت الی اللہ دی اور قیامت تک دیتے رہیں گے۔ تو اللہ کی طرف جانے والا راستہ تو سب سے آسان ہے، شریعت کا راستہ تو سب سے آسان زندگی کا نام ہے۔ اللہ کے قانون کے مطابق زندگی گزاری جائے تو سب سے سہل اور آسان ہے اور اس کے باہر جتنے کام ہیں وہ دشوار ہیں۔ انسان کی عقل پر حیرت ہوتی ہے کہ وہ ٹیڑھے میڑھے راستوں میں اور دشواریوں میں خود کو لے جاتا ہے اور سیدھے راستے پر آنے سے کتراتا ہے۔

ہدایت یا گمراہی کا فیصلہ انسان پر چھوڑ دیا گیا ہے:

فرمایا: وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝٩ اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ اس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے سب کو بنایا اور جیسا اس نے بنایا ویسا ہی بن گیا۔ اللہ نے اپنی مرضی سے رزق تقسیم فرمایا۔ جس کے لیے جتنا مقدر کیا، اسے اتنا ہی ملتا ہے، اتنا ہی لیتا ہے اور وہی لیتا ہے، وہ کسی اور کو نہیں پہنچتا اور نہ ہی کوئی اس میں کمی بیشی کر سکتا ہے۔ اللہ کریم نے ہر انسان کی زندگی کی معیاد مقرر

کر دی ہے لہٰذا کوئی بھی اپنی عمر گھٹا بڑھا نہیں سکتا۔ حسن و جمال، خوبصورتی، نصیب، فہم و فراست، علم، ہر چیز اس کریم نے ہر ایک کے حصے میں تقسیم کر کے رکھ دی۔ اپنا اپنا حصہ ہر کوئی لیتا ہے، اگر ہدایت بھی سب کو دیتا تو سب قبول کر لیتے۔ لیکن اس نے ہدایت یا گمراہی کا فیصلہ انسان پر چھوڑ دیا ہے کیونکہ انسان واحد مخلوق ہے جس کو اس نے یہ شعور عطا کیا ہے کہ وہ اللہ کی ذات کو پہچان سکے کہ اللہ کیسا ہے، اس کی ذات کیسی ہے، اس کی صفات کیسی ہیں اور اس کی عظمت کیسی بے مثل و بے مثال ہے۔ فرمایا، اللہ نے یہی پسند فرمایا کہ اس کے بندے اس کی قدرتِ کاملہ، اس کی تخلیقات، اس کی نشانیوں کو دیکھ کر اس کی عظمت کا اندازہ لگائیں اور پھر اپنی پسند سے اپنا سر، اپنی پیشانی اس کی بارگاہ میں جھکائیں۔ اگر حکماً کروایا جاتا تو پھر تخلیق کا فائدہ کیا ہوا کہ حکم کے بندے تو فرشتے پہلے ہی بہت تھے۔ مخلوق ساری ہی حکم کا بندہ تھی۔ زمین و آسمان حکم کے بندے تھے۔ ساری مخلوق اس کی اطاعت کر رہی ہے اور کرتی رہے گی۔

انسان کا مقصدِ تخلیق، معرفتِ الٰہی:

انسان کی تخلیق کا تو مقصد ہی یہ تھا کہ یہ اللہ کی معرفت حاصل کرے۔ یہ واحد مخلوق ہے جسے اللہ کو پہچاننے کی استعداد دی گئی تاکہ یہ اپنی حیثیت کے مطابق، عظمتِ الٰہی سے آشنا ہو کر اس کی اطاعت قبول کرے اور اس کی غلامی قبول کر لے۔ اس کی بندگی اور اطاعت کرے۔ اور اگر یہ دوسرا راستہ اختیار کرے گا، اطاعت نہیں کرے گا تو اس کا نتیجہ خود بھگت لے گا۔ اگر وہ چاہتا تو سب کو سیدھے راستے پر چلا دیتا لیکن اس نے یہ پسند فرمایا کہ انسان اپنی مرضی سے اطاعت کرے۔

سورۃ النحل رکوع 2 آیات 10 تا 21

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ
فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ١٠ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ
وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ
يَّتَفَكَّرُوْنَ ١١ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ
وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ١٢ ۙ
وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ
يَّذَّكَّرُوْنَ ١٣ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا
وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ
وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ١٤ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ
رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ١٥ ۙ
وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ١٦ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ
اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ١٧ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ١٨ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ١٩
وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ٢٠ ؕ
اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ٢١ ؑ

وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جسے تم پیتے ہو اور اسی سے
درخت بھی (شاداب ہوتے ہیں) جن سے تم (اپنے چار پایوں کو)
چراتے ہو ﴿۱۰﴾ وہ اسی سے تمہارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور
انگور اُگاتا ہے اور ہر طرح کے میوہ جات۔ بے شک غور کرنے والوں
کے لیے اس میں بڑی نشانی ہے ﴿۱۱﴾ اور اسی نے تمہارے لیے رات
اور دن اور سورج اور چاند کو کام میں لگایا اور اسی کے حکم سے ستارے بھی
کام میں لگے ہوئے ہیں۔ بے شک سمجھنے والوں کے لیے اس میں
(قدرت باری کی) بڑی نشانیاں ہیں ﴿۱۲﴾ اور جو طرح طرح کے
رنگوں کی چیزیں زمین میں تمہارے لیے پیدا فرمائیں، بے شک اس میں
نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے نشانی (دلیل) ہے ﴿۱۳﴾ اور وہی
تو ہے جس نے سمندر کو (تمہارے) بس میں کیا تاکہ تم اس میں سے تازہ
گوشت کھاؤ اور تم اس میں سے زیور (موتی وغیرہ) نکالو جس کو تم پہنتے ہو
اور تم دیکھتے ہو کہ جہاز اس (سمندر) میں پانی کو پھاڑتے چلے جاتے ہیں
اور تاکہ تم (اس میں سے) اس (اللہ) کا فضل (معاش) تلاش کرو اور
تاکہ تم شکر ادا کرو ﴿۱۴﴾ اور اسی نے زمین پر پہاڑ رکھ دیے کہ تم کو لے کر
کہیں جھک نہ جائے اور نہریں (دریا) اور راستے بنا دیے تاکہ تم منزل
تک پہنچ سکو ﴿۱۵﴾ اور بہت سی نشانیاں (بنائیں) اور لوگ ستاروں
سے بھی راستے معلوم کرتے ہیں ﴿۱۶﴾ پس کیا وہ جو (اتنی مخلوق) پیدا
فرمائے اس جیسا ہے جو پیدا نہیں کر سکتا؟ پھر کیا تم نہیں سمجھتے؟ ﴿۱۷﴾ اور
اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو انہیں نہ گن سکو۔ بے شک اللہ بڑے
بخشنے والے مہربان ہیں ﴿۱۸﴾ اور اللہ جانتے ہیں جو تم چھپاتے ہو اور جو
ظاہر کرتے ہو ﴿۱۹﴾ اور جن لوگوں کی یہ اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں،

وہ کوئی چیز بھی تو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کیے جاتے (مخلوق) ہیں ﴿۲۰﴾ مردہ ہیں، زندہ نہیں ہیں اور نہ ان کو یہ پتہ ہے کہ وہ (لوگ) کب اٹھائے جائیں گے ﴿۲۱﴾

تفسیر و معارف

پانی قدرت کا انمول تحفہ:

فرمایا: هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ۝۱۰ وہی ہے جس نے کیسے عظیم الشان نظام بنائے ہیں۔ اس نے سمندروں کو آبی ذخیرہ بنا دیا جن کا پانی بہت گہرا، سیاہی مائل، سخت کڑوا، نمکیات سے پُر ایک بہت ہی بڑا ذخیرہ ہے۔ اس میں سے کتنے شفاف اور لطیف بخارات اٹھاتا ہے جن میں کوئی کثافت نہیں ہوتی۔ یوں ٹنوں کے حساب سے پانی کو ہوا میں لے جاتا ہے اور ہوا کے جھونکے ان بادلوں کو لیے پھرتے ہیں جن میں اتنا پانی ہوتا ہے کہ کسی جگہ اگر چند منٹ برس جائیں تو زمین سے برداشت نہیں ہوتا جبکہ ہوا اُسے آرام سے اٹھائے پھرتی ہے۔ یہ بادل جو پانی کا ذخیرہ ہوتے ہیں جب پہاڑوں پر برستے ہیں تو وہاں پانی برف بن کر جم جاتا ہے۔ یہ برف الگ سے پانی کا ایک خزانہ ہے۔ اس سے چشمے پھوٹتے ہیں، ندیاں بہتی ہیں پھر دریا بنتے ہیں۔ جوں جوں برف پگھلتی ہے پانی دریاؤں میں آتا ہے۔ اس کی قدرت نے کیا کیا نظام رواں کر دیے کہ پہاڑوں کو زمین پر جما دیا تا کہ متوازن رہے اور انہی پہاڑوں کی چوٹیوں کو پانی کا خزانہ بنا دیا، برف کی صورت میں ان پر پانی جما دیا۔ زمین پر جب وہ شفاف پانی برساتا ہے تو بے شمار اقسام کی چیزیں پیدا کر دیتا ہے۔ ہر تنکا گل بکف نکلتا ہے۔ پانی بھی ایک ہے، زمین بھی ایک سی ہے لیکن ہر پھول کا رنگ جدا ہے، خوشبو جدا ہے، تاثیر جدا ہے، ذائقہ جدا ہے۔ بے شمار اقسام کے پھل سارے اسی پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔ بے شمار درخت اسی پانی سے سینچے جاتے ہیں، اسی پر پرورش پاتے ہیں۔ تم خود بھی وہی پانی پیتے ہو جو اللہ کریم برساتے ہیں کہ پانی کا ذخیرہ جو زیرِ زمین ہے وہ بھی یہی پانی ہے جو بادلوں سے اللہ کریم برساتے ہیں۔ یہی پانی دریاؤں میں رواں ہے، چشموں میں بہتا ہے اور یہی پانی تم خود پیتے ہو، درختوں کو سیراب کرتے ہو، جانوروں کو پلاتے ہو۔ ساری مخلوق کو وہی

پانی نصیب ہوتا ہے۔ يُنۢبِتُ لَكُمۡ بِهِ الزَّرۡعَ وَالزَّيۡتُوۡنَ وَالنَّخِيۡلَ وَالۡاَعۡنَابَ وَمِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ زمین سے اسی پانی کی بدولت کھیتی پھلتی پھولتی ہے۔ اسی سے زیتون کے، کھجور کے، انگور کے اور ہر طرح کے پھلوں کے درخت اگاتا ہے۔ وہی ایک پانی ہے، اس سے زیتون اگتا ہے تو اس کی تاثیر الگ ہے، اس سے کھجور اگتی ہے تو اس کا اثر اور ذائقہ اپنا ہے، اس کے اثرات اپنے ہیں۔ تمام پھل اسی سے اُگتے ہیں۔ ہر ایک کا رنگ اپنا ہے، خوشبو اپنی ہے، تاثیر اپنی ہے۔ وہ ایسا قادر ہے جس طرح کی چیز چاہتا ہے اس میں سے بنا دیتا ہے۔ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ⑪ تفکر کرنے والوں کے لیے، سوچنے والوں کے لیے غور و فکر کرنے والوں کے لیے تو ان چیزوں میں اللہ کی عظمت کے بڑے دلائل ہیں۔ اگر انسان سوچنا چاہے، تفکر کرنا چاہے تو اسے عظمتِ الٰہی کی بڑی نشانیاں ملتی ہیں۔

نظامِ شمسی انسان کی خدمت پر مامور:

فرمایا: وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ اس کریم نے رات اور دن کو تمہاری خدمت پر لگا دیا۔ اگر رات نہ ہوتی صرف دن ہی ہوتا تو زندگی بسر کرنا مشکل ہوتا۔ اور رات ہی ہوتی، دن نہ ہوتا تو تمہارے کام کیسے چلتے؟ اس نے تمہاری خاطر رات اور دن کو، جو اپنی ترتیب میں باقاعدگی کے ساتھ آتے ہیں، پیدا فرمایا۔ چاند اور سورج کو تمہاری خدمت پر لگا دیا کہ بخارات بناتے ہیں، بادل بناتے ہیں، بارشیں برساتے ہیں۔ دھوپ کی تمازت سے چیزیں اُگتی ہیں، پکتی ہیں۔ ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق سورج کی تپش پہنچ رہی ہے۔ ایک چیونٹی اگر اپنا انڈہ دھوپ میں سینک رہی ہے تو ہاتھی کو بھی وہی دھوپ گرما رہی ہے۔ ساری مخلوق اپنی اپنی حیثیت میں اس سے مستفید ہو رہی ہے۔ چاند کی چاندنی بھی ہر ایک تک پہنچ رہی ہے اور ان گنت اثرات مرتب کر رہی ہے۔ وَالنُّجُوۡمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمۡرِهٖ ــــــ اور ستارے بھی اسی کے حکم سے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ ہر ستارہ کسی نہ کسی خدمت پر مامور ہے۔ سورج، چاند، ستارے سب کے ذمے کوئی نہ کوئی کام ہے، ان کا سارا نظام مربوط ہے اور سب کو انسان کی خدمت پر لگا دیا گیا ہے۔

اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ⑫ جن لوگوں میں ذرا سی بھی عقل ہوتی ہے ان کے لیے تو ان سب میں عظمتِ الٰہی کی بڑی نشانیاں ہیں۔ لیکن جو عقل سے عاری ہیں وہ ستاروں کے خالق کی بجائے ستاروں کو پوجنا شروع کر دیتے ہیں، سورج کی پرستش پر لگ جاتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ جو سورج کا خالق ہے اس کی عبادت کریں، اس کی اطاعت کریں لیکن لوگ چاند کو پوجنا شروع کر دیتے ہیں۔ فرمایا، مخلوق میں کیا کمال ہے، وہ تو تخلیق کردہ ہے، کمال تو بنانے والے کا ہے، خالق کا

ہے۔اور یہ سارا نظام تو عظمتِ باری پر دلالت کرتا ہے تو تمہیں اس کی عظمت کو پانا چاہیے۔

زمین کا دستر خوان:

فرمایا: وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ اور زمین میں تمہارے لیے انواع و اقسام کی چیزیں پیدا کر دیں جن کا رنگ جدا، شکل جدا، صورت و ذائقہ اور خوشبو جدا ہے لیکن سب انسان کی خدمت پر لگی ہوئی ہیں۔ گھاس اگتی ہے تو تم مویشی چراتے ہو، انہیں پالتے ہو۔ جڑی بوٹیوں سے اپنے علاج کے لیے دوا بناتے ہو۔ اس نے بے شمار چیزیں پیدا فرما دیں جنہیں تم بے دریغ استعمال کر رہے ہو، تو کیا تم پر اس خالق کا شکر ادا کرنا واجب نہیں ہے؟ تم اس کی عظمت سے آشنا نہیں ہو پاتے، تمہیں اس کے احسان کا، اس کی عطا کا ادراک نہیں ہوتا۔

اگر کوئی شخص تمہیں بہت بڑی دعوت پر بلائے اور تمہارے لیے لاکھوں انواع و اقسام کے کھانے دستر خوان پر رکھ دے تو کیا تم اپنے میزبان کا شکریہ ادا کرو گے یا کسی کھانے کا شکریہ ادا کرنے بیٹھ جاؤ گے؟ افسوس ہے کہ تم مخلوق کی پوجا میں لگ جاتے ہو اور خالق کی طرف نہیں جاتے۔ یہ سوچتے بھی نہیں کہ اس کا کتنا احسان ہے کہ اس نے اپنی بے شمار، ان گنت مخلوق کو تمہاری خدمت پر لگا رکھا ہے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ جو لوگ نصیحت حاصل کرنا چاہیں ان کے لیے تو ان میں بڑے دلائل ہیں، بڑی نشانیاں ہیں۔

تمام مخلوقات انسانی خدمت پر مامور:

فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وہ ایسا کریم ہے کہ اس نے تمہارے لیے سمندر بھی مسخر کر دیے کہ طرح طرح کی مخلوق ان میں پرورش پاتی ہے۔ مچھلیاں اور مختلف آبی جانور جنہیں تم پکڑ پکڑ کر تازہ گوشت حاصل کرتے ہو۔ وَتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۔۔۔۔ اور سمندر سے ہی طرح طرح کے موتی و جواہرات حاصل کرتے ہو، طرح طرح کے خزانے نکالتے ہو۔ کسی سے لباس بناتے ہو، کسی سے دولت حاصل کرتے ہو۔ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ اور اس نے تمہیں توفیق دی کہ تم نے بڑی بڑی کشتیاں اور بحری جہاز بنائے جو سمندر کا سینہ چیرتے ہوئے چلتے جاتے ہیں۔ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ اور ان سے تم اپنی روزی حاصل کرنے میں مدد لیتے ہو، اپنا رزق تلاش کرتے ہو۔ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ یہ ساری نعمتیں تمہیں یہ دعوت

دیتی ہیں کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو۔ اس کریم کے انسانوں پر بے حد و بے حساب احسانات ہیں، لہٰذا شکر ہی واجب ہے۔ فلاسفہ اس پر ایک انداز سے بحث کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر سوچا جائے کہ میرے سوا روئے زمین پر اور کوئی انسان نہیں ہے، اور پھر یہ سوچے کہ میرے لیے روز سورج بھی نکلتا ہے، دن بھی آتا ہے، رات بھی آتی ہے، چاند اپنی چاندنی بکھیرتا ہے۔ چرندے ہیں، پرندے ہیں، حیوان ہیں، بارش برستی ہے، دریا بہتے ہیں، یہ سارا نظام میرے لیے رواں دواں کیا گیا ہے۔ یعنی یہ ایک بندے کے لیے ہے تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کتنی بڑی کارگاہِ حیات اس کریم نے انسان کی خدمت پر لگا دی، اور وہ ایسے نادان ہیں کہ اس خالق کا شکر ادا کرنے کی بجائے اس کی مخلوق کی عظمت کے اسیر ہو جاتے ہیں، مخلوق کی پوجا شروع کر دیتے ہیں جبکہ یہ ساری نعمتیں انسان سے تقاضا کرتی ہیں کہ اللہ کا شکر ادا کرے۔

اس کا احسان ہے وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ کہ اس نے زمین کو متوازن رکھنے کے لیے بڑے چھوٹے پہاڑ بنا دیے۔ وہ قادر ہے، اس نے کرۂ ارض خود بنایا ہے لہٰذا اس کی خصوصیات سے خوب واقف ہے۔ چنانچہ اس نے زمین پر پہاڑ جما کر اس کو قائم کر دیا کہ اس کا وزن برابر رہے، ڈولنے نہ لگ جائے۔ اس کو بالکل متوازن کر دیا: أَن تَمِيدَ بِكُمْ ...... کہ انسانوں کے لیے کھڑا ہونا مشکل نہ ہو۔ یہ نہ ہو کہ کبھی ایک طرف سے بیٹھ جائے کبھی دوسری طرف سے، تو اس قادرِ مطلق نے اس پر پہاڑوں کا وزن رکھ دیا۔ زمین اگرچہ بیضوی ہے لیکن ہر جگہ تمہارے لیے برابر ہے، خطِ مستقیم کی طرح ہے اور تم آرام سے اس پر زندگی بسر کر رہے ہو: وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥﴾ تمہاری خدمت کے لیے اللہ نے زمین میں نہریں جاری کر دیں، تمہارے لیے راستے بنا دیے تاکہ تم ہدایت پا سکو یعنی اپنی منزل تک پہنچ سکو۔ جس طرح زمین میں راستے متعین ہیں فضاؤں میں بھی (Airway) متعین ہیں۔ جس طرح زمین پر سڑکیں اور ریلوے کی پٹڑی بچھی ہوتی ہے ویسے ہی فضا میں جہاز کے لیے بھی فضائی راستے (Airway) متعین ہوتے ہیں۔ اگر وہ اس متعین راستے کو چھوڑ دے تو اپنی منزل پر نہیں پہنچتا، تباہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر تم راستہ بدل لو گے تو منزل پر نہیں پہنچ پاؤ گے۔ فرمایا، یہ ساری چیزیں تو عظمتِ الٰہی کی نشانیاں ہیں، نشانِ منزل ہیں، اللہ کی عظمت کی گواہ ہیں، دلائل ہیں، تو پھر یہ راستہ کیوں چھوڑ دیتے ہو، ہدایت کیوں نہیں حاصل کرتے؟

خلوص سے تلاشِ حق، ہدایت کا سبب ہے:

فرمایا وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿١٦﴾ اگر کوئی ہدایت حاصل کرنا چاہے تو اللہ کریم نے بے شمار نشانیاں پیدا فرما دی ہیں۔ جو راستے کی تلاش میں مخلص ہوتے ہیں وہ تو زمین پر چلنے کے لیے ستاروں سے راستہ تلاش کرلیں گے۔ ان ستاروں کو بھی تو ان کے مقام پر اسی مالک نے کاربند کیا ہے۔ جن لوگوں میں شعور ہوتا ہے وہ اگر رات تاریک بھی ہو جائے، اندھیرا چھا جائے تو بھی ستاروں کو دیکھ کر اپنی سمت تلاش کر لیتے ہیں۔ اسی طرح جن لوگوں میں ہدایت کی خالص طلب ہو، وہ اہل اللہ اور صالحین کی ہدایات سے مستفید ہوتے ہیں اور ان کے نقشِ قدم پر چل کر ہدایت پا لیتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے لوگ رات کی تاریکی میں ستاروں سے راستہ تلاش کر لیتے ہیں۔ اور جو گمراہ ہوں وہ تو دن کی روشنی میں بھی بھٹک جاتے ہیں، تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔

خالق اور مخلوق میں برابری ناممکن ہے:

اب یہ فیصلہ کرنا، انصاف کرنا تمہارے ذمے ہے کہ تم غور کرو، سوچو، تفکر و تدبر کرو اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ۔۔۔۔ کہ کیا مخلوق خالق کے برابر ہو سکتی ہے؟ جو خود اللہ کی مخلوق ہے وہ ذات میں یا صفات میں اللہ کے برابر ہو سکتی ہے؟ ذرا غور کرو کہ تم بھی دنیا میں بے شمار چیزیں بناتے ہو، پُرزے، مشینیں بناتے ہو تو کیا ان میں کوئی انسانی صفات آ سکتی ہیں، تمہارے احساسات ان میں آ سکتے ہیں؟ اگر تمہاری ایجاد کردہ چیزیں، وہ چیزیں جو تم نے تخلیق بھی نہیں کیں صرف اللہ کی تخلیق شدہ چیزوں کو جوڑ کر ترتیب دی ہیں وہ تمہارے برابر نہیں ہو سکتیں۔ نہ خوشی محسوس کرتی ہیں نہ غم نہ تمہاری طرح دیکھ سکتی ہیں نہ بول سکتی ہیں۔ تو پھر جو مخلوق اللہ پیدا فرماتا ہے وہ اس کے ساتھ شریک ہو جاتی ہے، اس جیسی ہو جاتی ہے، اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿١٧﴾ کیا تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتے؟

اللہ کی نعمتوں کا شمار ممکن نہیں ہے:

فرمایا: وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔۔۔۔ یہ تو مثال کے طور پر اللہ کریم نے چند نعمتوں کا تذکرہ فرمایا جو دن رات تمہارے استعمال میں ہیں، تمہاری نگاہ کے سامنے ہیں اور خدمت کر رہی ہیں۔ جبکہ اس کی کتنی مخلوق ایسی ہے جو غائبانہ تمہاری خدمت کرتی ہے اور تم جانتے تک نہیں۔

ایک دفعہ چین میں اس بات کا تجربہ ہوا۔ انہوں نے دیکھا کہ فصلوں کو ہر سال چڑیاں بہت نقصان پہنچاتی تھیں تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اب جو فصل آئے اس سے پہلے ہی ساری چڑیاں پکڑ کر ماردی جائیں لہٰذا چین کی حکومت نے مہم شروع کی، لوگوں میں جال تقسیم کیے گئے اور چڑیاں پکڑنی شروع کردیں۔ لوگوں نے چڑیوں کو فصلیں نہیں کھانے دیں۔ اُن کو پکڑ لیا، ماردیا، کھالیا مگر نتیجہ کیا نکلا؟ جب فصل آئی تو پتا چلا کہ پہلے سے بھی زیادہ نقصان ہوگیا کیونکہ وہ چڑیاں جہاں کوئی دانہ دنکا کھاتی تھیں، ساتھ ساتھ فصل کے لیے نقصان دہ کیڑے مکوڑوں کا بھی صفایا کردیتی تھیں۔ جس کی وجہ سے فصل زیادہ ہوتی تھی۔ اب جب وہ چڑیاں ختم کردی گئیں تو کیڑوں نے فصل کا کئی گنا زیادہ نقصان کردیا۔

ہمیں تو اندازہ بھی نہیں ہے کہ کائنات میں کون سی چیز کہاں ہماری کون سی خدمت بجالا رہی ہے، اللہ کریم نے کوئی ایک مخلوق بھی بے کار پیدا نہیں فرمائی۔ مکھی ہو یا کوئی کیڑا، ہر ایک مخلوق اپنا اپنا کام کررہی ہے۔ ہمارا رویہ یہ ہے کہ اگر کوئی تکلیف آجائے تو فوراً گننا شروع کردیتے ہیں لیکن جو راحتیں ملتی ہیں انہیں کسی شمار میں ہی نہیں لاتے، سوچتے ہی نہیں کہ یہ کہاں سے آرہی ہیں۔ فرمایا: وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا...... اگر تم گننا چاہو تو ایک ایک بندے کے لیے اس نے اتنی نعمتیں عطا کی ہیں کہ اگر وہ ساری زندگی گنتا رہے تو بھی شمار نہیں کرسکتا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۸﴾ اور وہ بہت بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اس کی اتنی نعمتیں استعمال کرکے اتنا عرصہ ناشکری کرتے رہو پھر بھی اس کی مغفرت تمہارے گناہوں سے بہت زیادہ بڑی ہے۔ غلطی ہوجائے پھر توبہ کرلو، واپس آجاؤ پھر بخش دے گا، تم پر رحم فرمائے گا۔ وہ ایسا کریم ہے کہ جب تک تمہاری سانس میں سانس ہے، جب تک تم مکلف ہو، جب تک موت سامنے نہیں آجاتی، برزخ سامنے کھل نہیں جاتا، تب تک تمہاری توبہ قبول کرتا ہے۔ خواہ کتنے بھی گناہ کرچکے ہو، کتنے بھی دور جا چکے ہو۔ خلوصِ نیت کے ساتھ ایک توبہ سے تم واپس آسکتے ہو کہ اس کی رحمت بہت وسیع ہے اور وہ بہت بڑا بخشنے والا ہے۔

وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا تُسِرُّوۡنَ وَمَا تُعۡلِنُوۡنَ ﴿۱۹﴾ تمہاری زندگی اس کے رُوبرو ہے۔ تم جو

سوچتے ہو، جو بولتے ہوحتیٰ کہ جو دل میں رکھتے ہو وہ بھی اس کے علم میں ہے۔ وہ تمہارے ہر حال سے، تمہاری پوری زندگی سے واقف ہے۔ اس وقت سے بھی جب تم خود سے آگاہ نہیں تھے، وہ تب بھی تمہاری پرورش کر رہا تھا۔ وہ باپ کی پشت میں بھی تمہیں محفوظ رکھتا ہے اور ماں کے پیٹ میں بھی تمہاری تربیت کرتا ہے۔ تمہیں بناتا ہے، سنوارتا ہے اور زندگی بھر تمہارے وجود کے ایک ایک ذرّے کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ تمہارے ایک ایک خلیہ بدن (Cell) سے آگاہ ہے۔ تو تم کہاں چھپاؤ گے اور کہاں ظاہر کرو گے؟ وہ ظاہر کو بھی جانتا ہے اور جو تم چھپاتے ہو اس سے بھی واقف ہے۔

صرف اللہ سے مانگو:

فرمایا: وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿٢٠﴾ جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی پرستش کرتے ہیں، وہ یہ نہیں سوچتے کہ خالق تو صرف اللہ ہے جو واحد و لاشریک ہے۔ باقی سب اس کی مخلوق ہے اور یہ تو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ مخلوق کو پیدا کرنا اس کا اپنا کام ہے۔ موت دینا اس کا کام ہے۔ صحت دینا، بیماری دینا اس کا اپنا کام ہے۔ ہاں! اس سے شفا مانگنا، اولاد مانگنا، رزق مانگنا وغیرہ یہ اس کی عبادت کے طریقے ہیں۔ اہل اللہ کی صحبت نصیب ہو تو مانگنے کا سلیقہ آجاتا ہے لیکن مانگا اسی سے جاتا ہے۔ جتنے انبیاء و رسل ہوئے ہیں سب نے اللہ کی طرف دعوت دی ہے اور اللہ سے مانگنا سکھایا ہے۔ جتنے ولی اللہ ہوتے ہیں وہ سب اللہ سے مانگنے کا ڈھنگ سکھاتے ہیں اور اللہ کی اطاعت کی طرف بلاتے ہیں۔ اچھی بات ہے کہ نیک لوگوں کی صحبت میں جایا جائے۔ کوئی بندہ زیادہ اللہ اللہ کرنے والا، متبع شریعت اور باکردار ہو تو اللہ کریم اس کی زیادہ سن لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی صحبت میں جانا چاہیے لیکن اللہ کی پہچان حاصل کرنے کے لیے، اللہ کی معرفت پانے کے لیے۔ ورنہ اولاد اور رزق تو اللہ جانوروں کو بھی دے رہا ہے۔

آج کے نام نہاد تذکرہ نگار:

آج کا ایک بڑا المیہ وہ لوگ ہیں جو اولیاء اللہ کی سوانح لکھنے والے تذکرہ نگار ہیں۔ وہی لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اخبار میں ایسا ہی ایک مضمون نظر سے گزرا جس میں کسی بزرگ کی کرامات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ فلاں کو بھی انہوں نے بیٹا دیا، فلاں کو بھی دیا۔

فلاں کو وہ دیا، فلاں کو یہ دیا۔ لکھنے والے سے کوئی پوچھے کہ جب یہ بزرگ پیدا نہیں ہوئے تھے تو جو بیٹے پیدا ہوئے وہ کون دیتا تھا؟ اب اُن کی وفات کے بعد جو دھڑا دھڑ مخلوق پیدا ہو رہی ہے، یہ کون دے رہا ہے؟ تو ایسے تذکرہ نگار مخلوق کو گمراہ کیے جا رہے ہیں۔ حالانکہ پیدا کرنا یا مارنا اللہ کی صفت ہے۔ زندگی دینا، صحت دینا، رزق دینا یہ اللہ کی صفت ہے۔ آج کے تذکرہ نگار کسی افسانہ نگار کی طرح انسانی کمزوریوں کو کرامات بنا کر لکھتے ہیں جبکہ اولیاء کی حقیقی کرامات کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے، اس لیے کہ انہیں خود کرامت کا مفہوم تک معلوم نہیں ہوتا۔ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے تو یہی لوگ کافی ہیں۔ ان تذکرہ نگاروں کے ساتھ ساتھ ٹیلی وژن کو بھی اسی کام کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ ٹی وی پر جو کچھ دکھایا جاتا ہے اس سے ہر دیکھنے والا متاثر ہوتا ہے اور آج بدقسمتی سے اس پر بے دینی کو عام کیا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ رمضان شریف جو ابھی تک بچا ہوا تھا، اب اس کو بھی 'جشن رمضان' بنا دیا ہے۔ اب رمضان بھی جشن ہو گیا کہ چلو اب اس میں بھی اُدھم مچاؤ، ڈھول باجے بجاؤ۔ رمضان میں ٹیلی وژن پر نعتیں پڑھنے کا معاوضہ لاکھوں میں وصول کرنے والے دراصل مخلوق کو بے وقوف بنا کر، ان سے پیسے لیتے ہیں، جمع کرتے ہیں اور انہیں ثواب کی نوید سناتے ہیں۔ گویا ان سے کہتے ہیں کہ تم ثواب گھر لے جاؤ، ہم پیسے گھر لے جاتے ہیں۔ تم ثواب کھانا، ہم پیسے کھائیں گے۔ ہر معاملے میں انہوں نے یہ بددیانتی اپنا رکھی ہے۔

جشن کا دین سے کوئی تعلق نہیں:

جشن کا مطلب ہوتا ہے کہ جس کے جی میں جو آئے اُس طرح سے اپنی خوشی کا اظہار کرے۔ کوئی ڈھول بجا کر کرتا ہے، کوئی گانا گا کر کرتا ہے۔ کوئی اچھل کود کر کے کرتا ہے، کوئی کپڑے پھاڑ کر کرتا ہے۔ کوئی شراب پی کر کرتا ہے، کوئی نشہ کر کے کرتا ہے۔ یعنی بہت سے لوگ مل جائیں اور ہر کوئی اپنے طریقے سے اپنی خوشی کا اظہار کرے تو اسے جشن کہتے ہیں۔

پہلے پہلے میلاد شروع ہوئے۔ میلاد کے جلسے ہوا کرتے تھے تو ان میں بھی ایک حدِ ادب، احترام ہوا کرتا تھا۔ گھر میں بھی ہوتے تو اُن میں ایک ادب اور احترام ہوتا تھا۔ مسجد میں ہوتے تھے، سیرت بیان ہوتی تھی۔ پھر جلسوں سے جلوس بنے۔ جلوس میں خرافات آگئیں۔ اور

جلوس سے جشن ہو گئے۔ اب جشنِ میلاد ہے جس کا جو جی چاہے کرے۔ اچھل کود کرے میلاد ہو گیا۔ اللہ معاف فرمائیں اور ہدایت دیں۔

فرمایا: وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿٢٠﴾ جو اللہ کے سوا کسی کو پکارتے ہیں انہیں یہ سوچنا چاہیے کہ یہ خود مخلوق ہیں، یہ خود اللہ کے بنائے ہوئے ہیں اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ۔۔۔۔۔ اور بعض لوگ تو درختوں اور پتھروں کو پوجتے ہیں جن میں انسانی زندگی کا بھی تصور نہیں ہے، تو کیا ان کی پوجا کرو گے، دریاؤں کی پہاڑوں کی پوجا کرو گے، جانوروں کی پوجا کرو گے؟ اُن میں تو انسانی زندگی کا شائبہ بھی نہیں۔ وہ تو جانتے ہی نہیں کہ انسانی زندگی کیا ہوتی ہے تو وہ تمہاری مشکلات کو کیا حل کریں گے؟ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٢١﴾ اور یہ ساری مخلوق اللہ کے سامنے جوابدہ ہے اور ان میں سے کسی کو بھی خبر نہیں کہ قیامت کب قائم ہوگی اور کب وہ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ اور اس لمحے سے سب لرزاں و ترساں ہیں۔ ہر کسی نے اس کی بارگاہ میں جواب دینا ہے۔ حساب و کتاب ہونا ہے۔ ساری مخلوق اس کی بارگاہ میں جوابدہ ہے اور اپنی اپنی جان بچانے کی فکر میں ہے، تمہاری کارسازی کیا کرے گی؟ جان لو اللہ واحد اور لاشریک ہے، صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔

سورۃ النحل رکوع 3 آیات 22 تا 25

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ
مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝٢٢ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ
وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ۝٢٣ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ
مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝٢٤ لِيَحْمِلُوْٓا
اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ
بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝٢٥

تمہارا معبود اکیلا عبادت کا مستحق ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل انکار کر رہے ہیں اور وہ تکبر کرتے ہیں ﴿۲۲﴾ بے شک اللہ سب جانتے ہیں جو یہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے ﴿۲۳﴾ اور جب ان (کافروں) سے کہا جاتا ہے تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل فرمائی ہے تو وہ کہتے ہیں پہلے لوگوں کی حکایتیں ہیں ﴿۲۴﴾ تاکہ یہ قیامت کے دن اپنے گناہوں کا بھی پوا پورا بوجھ اٹھائیں اور جن کو یہ بے علمی سے گمراہ کر رہے ہیں ان کے بوجھ میں سے بھی۔ سن لو جو بوجھ یہ اٹھا رہے ہیں وہ بہت برے ہیں ﴿۲۵﴾

تفسیر و معارف

اِلٰہ واحد ہی مستحق عبادت ہے:

فرمایا: اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔۔۔۔۔ یہ حتمی اور قطعی بات ہے کہ تمہارا معبود وہی اکیلا ہے، واحد ہے اور صرف وہی عبادت کا مستحق ہے۔ اس کے سوا کسی دوسری ہستی کا تصور نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے۔ اسی بات کو قرآن حکیم میں دوسری جگہ یوں واضح کیا گیا۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ: 21) ترجمہ: اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم (گرفت سے) بچ سکو۔

ہمارے ہاں عبادت کا جو تصور دیا جاتا ہے اس میں عبادت کر کے اجر وصول کیا جاتا ہے، وہ درست نہیں بلکہ اس کے جتنے احسانات پہلے ہی سے ہیں، جتنا کچھ مل چکا اس کا تقاضا ہے کہ اسی خالق کی، اسی ربّ کی، اسی پروردگار کی عبادت کی جائے۔ اس نے ذرّاتِ خاکی سے وجودِ انسانی کو تخلیق فرمایا اور اس میں بے پناہ عجائبات رکھ دیے۔ حواسِ خمسہ ہی کو دیکھا جائے تو اس نے بصارت، قوتِ سماعت اور قوتِ گویائی جیسی حسیات عطا فرمائیں۔ دماغ کی صورت میں ایسا کمپیوٹر عطا فرمایا جس کا ثانی کوئی کمپیوٹر دنیا میں ایجاد ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی نے انسانی اوصاف عطا فرمائے اور ایسا شعور بخشا کہ انسان تمام مخلوق میں افضل ترین قرار پایا۔ یہاں واضح کیا جارہا ہے کہ جس ربّ نے نہ صرف پیدا کیا بلکہ ہر آن پرورش فرمارہا ہے، اس سے عبادت کا اجر تو پہلے ہی لے چکے ہو، اب تم پر واجب ہے کہ اسی کی عبادت کرو۔ جو اجر اعمال پر ملے گا وہ اللہ کا انعام ہے، وہ زائد ہے، مزید احسان ہے کہ عبادت کی توفیق ہونا بھی اللہ کا احسان ہے۔ عبادت کر کے اس زعم میں مبتلا نہیں ہو جانا چاہیے کہ میں نے اتنی عبادت کی ہے بلکہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عبادت کی توفیق بھی اللہ نے دی ہے۔

منّت منہ کہ خدمت سلطان ہے کنی

اگر بادشاہ کی ملازمت یا خدمت کرتے ہو تو اس پر احسان نہ دھرو بلکہ یہ بادشاہ کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں خدمت پر رکھ لیا۔ عبادت پر فخر نہیں کرنا چاہیے بلکہ شکر کرنا چاہیے کہ اس نے عبادت کی توفیق دی۔

عبادت نہ کرنے کے اسباب:

اللہ کریم کے بے شمار احسانات کے باوجود لوگ کیوں اس کی عبادت نہیں کرتے، کیوں اسے معبودِ برحق الٰہ نہیں مانتے؟ اس کے در پر نہیں جاتے اور غیروں کے در پر دھکے کھاتے ہیں؟ قرآنِ کریم نے اس کا سبب دو امرض بتائے ہیں، فرمایا: فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ۔۔۔۔ بنیادی طور پر مرض تو ایک ہی ہے لیکن دوسرا اس کے ساتھ پیدا ہو جاتا ہے کہ انکار کی زد میں آنے سے ان کے دل تباہ ہو چکے ہیں۔ ان کو قلوب عطا کیے گئے تھے جو دل کے اندر ایک لطیفہء ربانی ہے جسے قلب (Subtle Heart) کہتے ہیں۔ ان کے کردار سے، ان کی غفلت سے وہ قلب انکار کا اسیر ہو چکا ہے، منکر ہو چکا ہے۔ اس کی بینائی، اس کا شعور، اس کے حواسِ خمسہ ضائع ہو چکے ہیں چونکہ انہوں نے اپنا قلب تباہ کر لیا ہے، اگر اسے ضائع نہ کرتے، قلب زندہ رکھتے تو اللہ کی عظمت اور آخرت کا انکار ممکن نہیں تھا۔ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ دوسرا سبب ہے تکبر کرنا۔ یعنی اللہ کی بڑائی کو بھول کر ان کے دل میں اپنی بڑائی کا خیال پیدا ہو گیا ہے کہ میں بہت بڑا ہوں، میں بہت کچھ کر سکتا ہوں۔

یہ ایک عجیب مرض ہے اور اپنے ماحول پر نظر ڈالیں تو ہر کسی کو اس میں مبتلا پائیں گے کہ وہ خود کو بہت بڑا مانتا ہوگا، سب سے پارسا، سب سے طاقتور سمجھتا ہوگا۔ عجیب بات ہے کہ اس کے مریض وہ لوگ بھی ہیں جو سب سے غریب، مفلس لوگ ہیں۔ کسی جھگی میں بیٹھے ہوئے خانہ بدوش سے پوچھ لیں یا کسی سڑک پر جھاڑو دینے والے خاکروب سے پوچھ لیں تو وہ بھی اکڑ کر یہی کہے گا کہ اس جیسا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ فرمایا، جب یہ قلب ضائع ہوتا ہے تو اس میں تکبر پیدا ہوتا ہے، جس میں جتنا تکبر ہے اتنی ہی کمزوری اس کے قلب میں ہے۔

جب بندہ اپنی بڑائی کا اسیر ہو جاتا ہے تو دوسرے کو بڑا نہیں مانتا، حتیٰ کہ پھر وہ رب العالمین کو بھی بڑا نہیں مانتا۔ زبان سے کہے یا نہ کہے، اس کے عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسے اللہ کی کبریائی کی کوئی پروا نہیں ہے۔ بہت بے فکری سے نمازیں چھوڑ دیتا ہے، عبادات چھوڑ دیتا ہے، روزے چھوڑ دیتا ہے، حلال حرام کی تمیز بھلا دیتا ہے۔ تو جب وہ ایسا کر رہا ہوتا ہے تو کیا اسے یہ خیال ہوتا ہے کہ ایک ایسی ہستی بھی ہے جو مجھ سے بڑی ہے، جو مجھ سے پوچھے گی کہ تو نے یہ کیوں چھوڑا؟

ظاہر ہے کہ اسی احساس، اسی خیال کی کمزوری کی وجہ سے ہی چھوڑتا ہے۔ جب اسے اللہ کی بڑائی کا احساس نہیں رہتا تو پھر وہ اپنی بڑائی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ خود اپنی بڑائی کا اسیر ہو جاتا ہے۔ خود کو دانا تر سمجھ لیتا ہے، اپنی پسند نافذ کرنا چاہتا ہے، من مانی کرنے لگتا ہے۔ فرمایا کہ عبادت نہ کرنے کے دو اسباب ہیں کہ ان کے دل انکار کی زد میں آچکے ہیں، منکر ہو چکے ہیں اور وہ تکبر میں گرفتار ہو چکے ہیں۔

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ۔۔۔۔۔ بے شک جو باتیں علی الاعلان کی جاتی ہیں، ظاہراً کی جاتی ہیں اللہ ان سے واقف ہے، اور اُن باتوں کا علم بھی رکھتا ہے جو تمہارے دل میں ہوتی ہیں اور جنہیں تم دوسروں سے چھپاتے ہو۔ اس سے کوئی بات چھپ نہیں سکتی، یہ قطعی بات ہے۔

متکبر کی سزا:

اپنی بڑائی میں مبتلا ہونے والوں کی سزا یہ ہے اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ۝۲۳ کہ اپنی بڑائی میں مبتلا ہونے والوں کو اللہ کریم پسند نہیں فرماتے، ان سے محبت نہیں کرتے۔ حدیثِ قدسی میں ارشاد ہے اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي (مسلم، ابوداؤد) کبریائی میری چادر ہے، جو تکبر کرتا ہے وہ میری چادر کو ہاتھ ڈالتا ہے۔

بڑائی، کبریائی صرف اللہ ہی کو سزاوار ہے جو کسی کا محتاج نہیں جبکہ انسان ہر لمحہ اس کا محتاج ہے۔ اللہ نے اس کو بے شمار ضرورتوں کے باعث اپنا محتاج کر دیا ہے۔ اس کی ضرورتیں گنی ہی نہیں جا سکتیں۔ اس کی احتیاج تو اتنی ہے کہ یہ چند لمحے ہوا کے بغیر نہیں رہ سکتا، پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، چند دن سے زیادہ کھانے کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جو اپنی تارِ حیات قائم رکھنے کے لیے، ہر سانس کے لیے اللہ کا محتاج ہے۔ اگر چند لمحوں کے لیے سانس ہی روک دی جائے تو ختم ہو جاتا ہے، تو پھر اتنی محتاج مخلوق کو تکبر کہاں زیب دیتا ہے۔ اور یہ بات یاد رکھو کہ اپنی بڑائی میں مبتلا ہونے والوں کو اللہ کریم پسند نہیں فرماتے۔

مومن کا سرمایہءِ افتخار:

دنیا میں قومیں اپنی بعض باتوں پر بڑا فخر کرتی ہیں۔ کسی کو اپنے مشاہیر پر بڑا ناز ہوتا ہے کہ ہمارا فلاں ہیرو ہے یا راہنما گزرا ہے۔ کسی قوم کو اپنے دستور پر یا اصول پر فخر ہوتا ہے یا کسی کمال کا

زعم ہوتا ہے۔ الغرض اپنے تاریخی قومی اثاثوں پر اقوام فخر کرتی رہتی ہیں۔

مسلمان وہ قوم ہے جس کے پاس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا محبوب ہے۔ ایسی ہستی جو قلب کو اسیر کردے، جس کے کمالات شمار میں نہ لائے جاسکتے ہوں، جو ایک پل میں بندے اور ربّ العالمین کے درمیان واسطہ اور ذریعہ بن جائے اور بندے کو اللہ کے روبرو کھڑا کردے، ایسی ہستی کہاں ملے گی؟ اور اسی ہستی کے پاس جو کلام ہے وہ اللہ کا کلام ہے۔ اللہ کی کتاب ہے جو ساڑھے چودہ سو سال پہلے نازل ہوئی، جس میں قیامت تک رہنے والی دنیا کے تمام معاملات زندگی کے بھی حل عطا کردیئے گئے اور آخرت کی ساری باتیں بھی بتادی گئیں۔ وہ باتیں جو مرنے کے بعد پتا چلنا تھیں، وہ سب زندگی میں بتادیں ورنہ مرکر تو برزخ، آخرت سب پر منکشف ہوجاتی ہے۔

گزشتہ ساڑھے چودہ سو سال اس بات پر گواہ ہیں کہ روئے زمین پر کسی قوم کے لیے اس کا کوئی حکم ناقابلِ عمل نہیں ہے، اور کسی اصول میں کسی تبدیلی کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ یہ واحد کتاب ہے جس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ کریم نے لیا ہے۔ اور گزشتہ چودہ صدیاں اس بات پر شاہد ہیں کہ اس کا کوئی زیر، زبر، نقطہ بھی تبدیل نہیں ہوسکا کیونکہ اسے حفاظتِ الٰہیہ حاصل ہے۔

حالانکہ دشمنانِ دین تب سے لے کر آج تک سرتوڑ کوشش کررہے ہیں لیکن قرآن کے الفاظ کو کوئی نہیں بدل سکا۔ گو غلط تعبیر یا غلط مفہوم کوئی بنا تا رہے لیکن وہ قرآن نہیں ہے، قرآن کے الفاظ کو کوئی نہیں بدل سکتا۔

تو کیا یہ بات مومن کا سرمایہء افتخار نہیں ہے، کیا اس بات پر مومنوں کو فخر نہیں کرنا چاہیے؟ یہ بجا طور پر فخر کرنے کا مقام ہے۔ دنیا کی کسی قوم کے پاس ایسی کوئی کتاب نہیں ہے۔ پہلی امتوں پر جو کتب اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں وہ لوگوں نے مسخ کردیں، ان میں تحریف اور آمیزش کردی۔ ان کے اصول بدل دیے اور خود تباہ ہوگئے۔ کسی کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں ہے، ایسی محفوظ کتاب نہیں ہے جو زندگی کے ہر سوال کا جواب بھی دے اور موت، بعد الموت کے ہر سوال کا جواب بھی دے اور وہ جواب سو فیصد درست بھی ہو۔

لیکن جب دل میں انکار آتا ہے، مزاج میں تکبر آتا ہے تو اسی قرآن کے بارے جب اُن سے پوچھا جائے وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۔۔۔۔جب ان کافروں سے پوچھا جائے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل کیا ہے؟ تو کہتے ہیں قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٣﴾ یہ تو ماضی

میں گزری ہوئی قوموں کے قصے کہانیاں ہیں اور اس میں کیا رکھا ہے۔

غلط روش جاری کرنے کا وبال:

اللہ کی کتاب کا انکار کرنا یا اسے محض قصے کہانیاں سمجھنا۔ اس کی عظمت کا اقرار نہ کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنا، یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ اس انکار کی سزا تو ملے گی ہی، ساتھ میں ہر اس شخص کے عمل کا بوجھ بھی اس کے سر آئے گا جو اس کے بنائے ہوئے اس نظریہ پر چلے گا۔ اور جب تک لوگ اس روش پر عمل کرتے چلے جائیں گے، اس کا وبال روش اختراع کرنے والے کو پہنچتا رہے گا۔

بدعت کیا ہے؟

بدعت کیا ہے؟ بدا کے لغوی معنی ہیں ''کسی کام کو نئے سرے سے شروع کرنا''، لیکن ہر کام بدعت نہیں ہوتا۔ کسی ایسے کام کو جو شریعت سے ثابت نہ ہو، قرآن سے ثابت نہ ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو، خلفاء راشدینؓ سے ثابت نہ ہو، اُسے اپنی طرف سے شروع کر کے اسے باعث ثواب کہا جائے تو وہ بدعت ہے۔

خلفائے راشدین کا مقام:

خلفائے راشدین کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واجب الاتباع قرار دیا ہے۔ حدیث شریف ہے عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ (ابن ماجہ) او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ خلفائے راشدین فی الواقع فنا فی الرسول تھے۔ اور جو کام بھی انہوں نے کیا، یقیناً منشاء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مان کر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا یا دیکھا، یا کسی سے سنا۔ لہٰذا فرمایا، جس طرح میری سنت تم پر واجب ہے اسی طرح میرے خلفائے راشدین کی سنت بھی واجب ہے کیونکہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے لہٰذا اُن کی سنت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی سنت ہے۔

تو جو کام خلفائے راشدین سے بھی ثابت نہ ہو اور کوئی شخص اپنی طرف سے وہ کام شروع کرے اور اسے باعثِ ثواب کہے تو گویا اس نے دین میں نئی بات ایجاد کی، بدعت شروع کی۔ جب

کوئی بدعت ایجاد کرتا ہے، خود تو اس کا گناہ پاتا ہی ہے، جب تک لوگ اس بدعت پر عمل کرتے جائیں گے جتنا گناہ انہیں ملے گا، جتنی سزا انہیں ملے گی اتنی ہی سزا اس کو ملے گی جو بدعت جاری کرے گا۔

بدعتیں جاری کرنے والے، بیوقوف لوگ:

فرمایا، یہ ایسے بے وقوف لوگ ہیں کہ عظمتِ الٰہی کا انکار کر کے اپنا بوجھ تو اٹھاتے ہی ہیں، ساتھ قیامت تک جو لوگ اس گمراہی میں پڑتے جائیں گے ان کا بوجھ بھی اٹھائیں گے۔ لِيَحْمِلُوٓا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ أَلَا سَآءَ مَا يَزِرُونَ ﴿٢٥﴾ یہ بہت بڑا، بہت بُرا بوجھ ہے جو یہ اپنی نادانی اور جہالت کی وجہ سے اپنے سر لے رہے ہیں۔ دنیا میں تو انہیں شہرت مل گئی، دنیا میں تو انہیں تعریف توصیف مل گئی۔ لیکن ایسی شہرت اور تعریف کا کیا فائدہ جس کے نتیجے میں ابدی عذاب نصیب ہو جائے۔ اور پھر صرف ایک بندے کا نہیں بلکہ قیامت تک جتنے ان کی پیروی کرتے جائیں گے، عقیدے میں یا عمل میں، ان سب پر جو غضبِ الٰہی کا بوجھ آئے گا وہ اس پر بھی آئے گا جو اس بدعت کا یا اس باطل نظریہ یا عقیدے کا موجد ہوگا۔ جب حقائق منکشف ہوں گے، سامنے آئیں گے تو انہیں پتا چلے گا کہ یہ معاملہ تو بہت نازک ہے۔ آج کل بدعت پر جب بات کی جائے تو لوگ بہت عجیب سے جواب دیتے ہیں، جیسے یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو چائے نہیں تھی، اب چائے پی جاتی ہے یا کھانے ایسے نہیں تھے، تو یہ بھی کیا بدعت ہے؟ اصل میں یہ چیزیں مباحات میں سے ہیں۔ کھانے میں یہ قید نہیں کہ آپ چائے بنا کر پئیں یا مرغا پکا کر کھائیں۔ قید یہی ہے کہ وہ جائز وسائل سے حاصل کیا گیا ہو، حلال ہو، پاکیزہ ہو۔ یہ دو صفات لازمی ہیں، حلال اور پاکیزہ۔

ہر عہد کے زمانے کے لباس جن میں کفار سے مشابہت نہ ہو اور ستر عورت کا اہتمام ہو یعنی جسم کا پردہ ہو، جائز ہیں۔ لباس پر یہ قید ہے کہ وہ جس قوم سے مشابہت پر ہوگا انسان اسی قوم میں شمار ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (سنن ابوداؤد) جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا قیامت کو انہی کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا۔ لباس میں بھی یہ قید ہے کہ اس کا حصول جائز ذرائع سے کیا جائے اور ستر عورت کا اہتمام ہو۔ اور جو لباس کفار کی مخصوص شناخت یا علامت ہو، اُس لباس کو اختیار نہ کیا جائے۔ کوشش کی جائے کہ کفار کی مشابہت سے بچا جائے، تو کھانے پینے اور لباس

میں جدت بدعت نہیں ہوتی۔ یہ چیزیں مباحات میں سے ہیں۔ ہاں! اگر ان چیزوں کو عبادت کہہ کر ان کے ساتھ ثواب، عذاب جوڑ لیا جائے تو یہ بدعت بن جائیں گی۔

فرمایا، جو شخص گمراہی اختیار کرتا ہے اس کی ایک وجہ اس کے دل کا منکر ہونا ہے اور دوسری وجہ اس کا متکبر ہونا ہے۔ وہ خود کو اتنا بڑا سمجھ لیتا ہے کہ اللہ کے حکم کے مقابلے میں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مقابلے میں اپنی رائے منواتا ہے۔ فرمایا یہ ایسا بے وقوف ہے کہ یہ نہیں جانتا کہ قیامت کے روز اپنی سزا تو پائے گا، ساتھ میں جو بھی قیامت تک اس کی بتائی ہوئی راہ پر چلے گا اس کے گناہ کا بوجھ بھی اٹھائے گا، اور یہ معمولی جرم نہیں ہے۔ فرمایا: اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿٢٥﴾ خوب اچھی طرح سُن لو! یہ بہت بڑا بوجھ اٹھا رہے ہیں۔ سو زندگی کا وہی لمحہ کارآمد ہے، قیمتی ہے جس میں عظمتِ الٰہی کا احساس اور شعور ہو، صداقتِ نبوت کا شعور ہو۔ یہ احساس زندہ ہو کہ میں ایک خطاکار، عام انسان ہوں۔ اللہ کریم کا احسان ہے کہ وہ رزق عطا فرماتا ہے۔ اگر آسانیاں دے دے تو اس کا احسان ہے، میرا ذاتی کمال نہیں۔ غربت دے دی تو یہ بھی اس کی عطا ہے۔ اس نے جس حال میں مناسب سمجھا، اس میں رکھا۔ اور یہ حالات تو بدلتے رہتے ہیں۔ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔۔۔۔ (آل عمران: 140) اور انسانوں کے حالات تو بدلتے رہتے ہیں۔ وہی لوگ کبھی تختِ شاہی پر بیٹھے ہوتے ہیں اور کبھی قید خانوں میں ہوتے ہیں۔ تختِ شاہی پر بیٹھنے والے کو تختہ دار پر بھی کبھی کھینچا جاتا ہے۔ یہ حالات بدلتے رہتے ہیں۔ دوام صرف عظمتِ الٰہی کو حاصل ہے۔ دوام صرف صداقتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔

خوش نصیب لوگ:

خوش نصیب ہیں وہ جنہیں عظمتِ الٰہی کا احساس وادراک نصیب ہے، جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن نصیب ہوتا ہے۔

سورۃ النحل رکوع 4 آیات 26 تا 34

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ
فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ
لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ
الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ
الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٧﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ
الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ
سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٨﴾ فَادْخُلُوْٓا
اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٢٩﴾
وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ
اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ
دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٠﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٣١﴾ الَّذِيْنَ
تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا
الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٣٢﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ
الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمْ
سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾

بے شک ان سے پہلے لوگوں نے بھی (ایسی ہی) مکاریاں کی تھیں سو اللہ نے ان کا گھر بنیادوں سے ڈھادیا پھر اوپر سے ان پر چھت گر پڑی اور ان پر عذاب ایسی طرح آیا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا ﴿۲۶﴾ پھر وہ (اللہ) ان کو قیامت کے دن بھی ذلیل فرمائے گا اور فرمائے گا میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے تم جھگڑا کیا کرتے تھے؟ جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ کہیں گے کہ بے شک آج پوری رسوائی اور عذاب کافروں پر ہے ﴿۲۷﴾ (ان کا عالم یہ ہے) جب فرشتے ان لوگوں کی روحیں قبض کرنے لگتے ہیں تو یہ اپنے ہی حق میں ظلم کرنے والے (ہوتے ہیں) پھر ایک دم مطیع و فرمانبردار ہو جاتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہم تو کوئی برا کام نہیں کرتے تھے ہاں جو کچھ تم کیا کرتے تھے بے شک اللہ اسے خوب جانتے ہیں ﴿۲۸﴾ سو جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ رہنے کو۔ پس تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانہ ہے ﴿۲۹﴾ اور جب پرہیزگاروں سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل فرمایا ہے۔ کہتے ہیں بہت اچھا (کلام) جو لوگ نیک کام کرتے ہیں ان کے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو (اور زیادہ) بہتر ہے اور واقعی پرہیزگاروں کا کیا ہی اچھا گھر ہے ﴿۳۰﴾ ہمیشہ رہنے والے باغ جن میں وہ داخل ہوں گے ان کے تابع نہریں بہہ رہی ہیں وہاں جو چاہیں گے ان کے لیے میسر ہوگا۔ اللہ پرہیزگاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ﴿۳۱﴾ جب فرشتے ان لوگوں کی روحیں قبض کرتے ہیں تو وہ (کفر و شرک سے) پاک ہوتے ہیں وہ (فرشتے) کہتے ہیں تم پر

سلامتی ہے جو اعمال تم کرتے تھے ان کے بدلے جنت میں داخل ہو جاؤ﴿32﴾ کیا یہ (کافر) اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ فرشتے (جان لینے کو) ان کے پاس آئیں یا آپ کے پروردگار کا حکم (عذاب) آ پہنچے اسی طرح ان لوگوں نے کیا تھا جو ان سے پہلے تھے اور اللہ نے ان پر زیادتی نہیں کی ولیکن وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے﴿33﴾ پس ان کو ان کے اعمال کے بُرے بدلے ملے اور جس چیز (عذاب) کا مذاق اڑایا کرتے تھے اس نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا﴿34﴾

تفسیر و معارف

پچھلے رکوع سے کفار کی اور ناشکرے لوگوں کی بات چل رہی تھی تو فرمایا، یہ لوگ دنیوی اسباب سے اپنی حفاظت اور تحفظ کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ بڑے بڑے عہدے، دولت کے ڈھیر، بڑے بڑے محل نما مکان، بڑی بڑی مضبوط دیواریں یہ سب کچھ ہماری حفاظت کے لیے کافی ہے اور یہ نہیں دیکھتے: قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ ۔۔۔۔ کہ ان سے پہلے کتنی مخلوق گزر چکی ہے اور ان کفار نے بھی اور ان مشرکین نے بھی اپنے تحفظ کے لیے بڑے بڑے عالیشان محل بنائے اور دنیا کے بڑے اسباب جمع کیے۔ بڑی دولت جمع کی۔ کیا وہ اُن کے کام آئے اور انہیں عذابِ الٰہی سے بچا سکے؟ ہرگز نہیں! بلکہ ہوا یہ کہ اللہ نے ان کی جڑ ہی اکھیڑ دی۔ وہ مکان بنیادوں سے گر گئے۔ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ ۔۔۔۔ اور اُن پر اُن کی چھتیں ہی گر کر تباہی کا سبب بن گئیں۔ دنیا کے وہ اسباب جو وہ اپنے تحفظ کے لیے بناتے رہے وہ ان کی تباہی اور بربادی کا سبب بن گئے۔ اور یہ سارے عذاب ان پر ایسے آئے وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ﴿26﴾ جہاں سے انہیں گمان بھی نہیں تھا، وہاں سے گرفت آ گئی جس کا انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ ہوا زندگی کا سبب ہے۔ اُن پر ایسی چلی کہ انہیں تباہ کر کے رکھ دیا اور موت کا سبب بن گئی۔ پانی زندگی کا بنیادی عنصر ہے۔ لیکن ان پر ایسا برسا کہ انہیں تباہ و برباد کر کے، غرق کر کے رکھ دیا۔ بادلوں سے پانی برسا کرتا ہے۔ بدکاروں پر بادلوں

سے بھی آگ برسی یعنی بندہ سوچ نہیں سکتا کہ ایسا ہوگا۔ اس طرح سے اُن پر اللہ کی گرفت آئی جہاں سے وہ گمان بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اب کون سوچ سکتا ہے کہ بادل آیا اس سے آگ برسے گی، یا اتنا پانی برسے گا کہ دنیا ڈوب جائے گی یا اتنی تیز ہوا چلے گی کہ مکانوں تک کو اکھیڑتی چلی جائے گی؟ انسانوں اور جانوروں کو اٹھا کر لے جائے گی، کہیں دور جا پٹخے گی؟ تو اس طرح سے انہیں اللہ کے عذاب نے پکڑا جس کا انہیں گمان بھی نہیں تھا اور اصل ذلت تو قیامت کے دن ہوگی۔ یہ تو اُخروی ذلت کا تھوڑا سا حصہ ہے کہ دنیا تباہ ہو گئی، موت آ گئی، غرق ہو گئے، جل گئے ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ۔۔۔۔ ذلت کا سامنا تو انہیں میدانِ حشر میں ہوگا، قیامت کے دن ہوگا جب ان سے کہا جائے گا: وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ۔۔۔۔ اب وہ تمہارے معبودِ باطلہ کہاں ہیں جن کی عبادت پر تم جمے ہوئے تھے، جن کی حمایت میں تم اللہ کے رسولوںؑ سے بھی جھگڑا کرتے تھے؟

معبودانِ باطل کون؟

یہ صرف بت نہیں ہیں یا مفروضہ نام ہی معبودانِ باطل نہیں ہیں، ہر وہ شے جس پر آپ اللہ کے سوا بھروسہ کر لیں کہ یہ چیز میرے کام آئے گی۔ اللہ کی اطاعت نہ کریں، اللہ پر بھروسہ کریں، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہ کریں اور سمجھیں کہ یہ چیز، یہ دولت مجھے بچا لے گی یا یہ بڑے بڑے محلات مجھے بچا لیں گے، یہ میرا بڑا عہدہ مجھے بچا لے گا۔ تو اللہ کو چھوڑ کر جن چیزوں پر بھروسہ کیا جائے یہ معبودِ باطل بن جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ اگر اپنی ذاتی خواہشات کی بھی اندھا دھند پیروی کی جائے یا پروا نہ کی جائے کہ اللہ کے حکم کے مطابق ہے یا خلاف ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق ہے یا خلاف ہے، ہر حال میں اس کے پیچھے چلا جائے تو اپنی خواہشِ نفس ہی معبود بن جاتی ہے۔ ارشادِ باری ہے: اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ۔۔۔۔ (الجاثیہ:23) کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جنہوں نے اپنی خواہشِ نفس کو ہی معبود بنا لیا ہے، اسی کی اطاعت کے مکمل اسیر ہو گئے؟ تو ہر وہ چیز جو اللہ کو چھوڑ کر اپنائی جائے یا جسے زندگی کا، یا اپنی ضرورتوں کا، یا اپنی خواہشات کی تکمیل کا سبب سمجھا جائے وہ معبود بن جاتی ہے، معبودِ باطل بن جاتی ہے۔ معبود وہی ہستی ہے جس پر زندگی، موت، مابعد الموت کے تمام امور کا انحصار رکھا جائے۔ جس پر زندگی کے بھی ہر کام کا انحصار ہو، جس ہستی پر موت کے وقوع کا بھی انحصار ہو۔ مابعد الموت، برزخ کا، میدانِ حشر کا، قیامت

کے بعد کی زندگی کا بھی جس ہستی پر انحصار ہو، تو کوئی شخص یہ سوچ بھی سکتا ہے کہ اس کی نافرمانی کی جائے! کسی سے کوئی بھی نفع ملنے کی امید ہو، دنیا کا تھوڑا سا بھی فائدہ وابستہ ہو، بندہ اس سے بگاڑتا نہیں ہے اور جس سے دو عالم نصیب ہونا ہے، جو ملنا ہے اُسی ایک ہی ہستی سے ملنا ہو تو اُس سے بگاڑنے کو دل کرتا ہے؟ بتقاضائے بشریت غلطی ہو جانا ممکن ہے کہ صرف انبیاءؑ ہی معصوم ہوتے ہیں۔ انبیاءؑ میں غلطی کا، گناہ کا مادّہ ہی نہیں ہوتا۔ انبیاءؑ کے بعد صحابہؓ، اولیاءؒ، صلحاء ہیں، یہ محفوظ ہوتے ہیں۔ انہیں حفاظتِ الٰہیہ حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کریم انہیں گناہ سے بچا لیتے ہیں۔ ماوشما اپنے نفس کے اور اپنے حالات کے اور اپنی خواہشات کے رحم کرم پر ہیں۔ اب ہمیں دوسری طرف کوئی اتنا مضبوط سہارا چاہیے، ایسا اعتماد ہو اُس سہارے پر کہ ہم یہ چھوٹے چھوٹے معبودانِ باطلہ کی طرف نہ جائیں۔

بغیر کسی سہارے کے، بغیر کسی چیز کے تو بندہ نہیں رُکتا۔ ڈوبنے والا تو تنکوں کو بھی ہاتھ مارتا ہے۔ تنکا اسے کیا ڈوبنے سے بچائے گا لیکن وہ تو غرق ہو رہا ہے وہ تو پریشانی میں تنکوں کو بھی پکڑتا ہے کہ یہ مجھے بچا لیں گے۔ یہی حال انسانی زندگی کا ہے۔ بندے کے پاس صرف ایک راستہ ہے کہ اس کا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اطاعت کا اور ایمان کا تعلق مضبوط ہو اور اتنا مضبوط ہو کہ اسے یقین ہو کہ میرا اللہ میرا ہے، میری سنتا ہے، مجھے دیکھ رہا ہے، میرے حال سے واقف ہے اور ہر حال میں میری مدد کر سکتا ہے، اور یہ اُس پر بھروسہ کرے تب گناہ سے بچ سکتا ہے۔ اور اگر اللہ کو جانتا ہی رسماً ہو، ماں باپ سے سن لیا بس ٹھیک ہے اللہ بھی ہے۔ حلال حرام کی پروا بھی نہ رہے، جائز ناجائز کی پروا بھی نہ کرے، عبادات کی بھی اس کے پاس فرصت نہ ہو تو سارے اسباب اسے اللہ سے دور کرتے ہیں۔ پھر وہ دنیوی اسباب پر، اپنے جیسے انسانوں پر بھروسہ کرنے لگتا ہے۔

بڑی عجیب بات ہے، دنیا کا نظام بڑا عجیب ہے۔ غریب سمجھتا ہے کہ میں فلاں امیر سے بنا کے رکھوں گا تو وہ میرے بڑے کام آئے گا لیکن اصل محتاج امیر ہوتا ہے۔ امارت ایسی عجیب شے ہے یہ بندے کو بالکل محتاج بنا کر رکھ دیتی ہے۔ حق یہ ہے کہ بھروسہ صرف اللہ پر کیا جائے۔ ہر شخص کا اپنا ایک مقام ہے، کوئی امیر ہے یا غریب ہے، والدین ہیں یا اولاد ہے، دوست ہیں یا احباب ہیں حتیٰ کہ دشمن کا بھی ایک مقام ہے، دشمنی کی بھی حدود و قیود ہیں۔ ایک حد تک آپ جا سکتے ہیں اس حد سے آگے نہیں جا سکتے۔ اس کی جان مال بھی آپ پر حلال نہیں ہے، اس کے بھی اپنے حقوق ہیں۔ ہر فرد کا جو حق

اللہ نے مقرر کیا ہے، وہ پہچان کر اس سے تعلق رکھا جائے تو اللہ کریم مہربانی فرماتے ہیں، بندہ محفوظ رہتا ہے۔ اپنی رائے پہ آجائے اور اپنی مرضی سے کرے تو ہمیشہ غلط کرتا ہے۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (ابراہیم: 34) انسان اپنی رائے سے جب کرتا ہے تو ہمیشہ غلط کرتا ہے، دھوکا کھاتا ہے، جلد بازی کرتا ہے اور دھوکا کھاتا ہے چونکہ حقائق کو نہیں جانتا۔ ہم جو کچھ دیکھتے ہیں ضروری نہیں وہ حقیقت ہو۔ ہم ایک چیز کو بہت اچھا سمجھتے ہیں، ایک خوبصورت سانپ کتنا خوبصورت لگتا ہے، آپ پکڑنے کے لیے ہاتھ ڈالیں گے تو کاٹ کھائے گا۔ حقائق اللہ کریم جانتے ہیں، تعلقات کو جس طرح اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس طرح رکھا جائے تو مسئلہ نہیں ہوتا۔

فرمایا، یہ دنیا کا نقصان تو ہوا، زندگی گئی، مکان گر گئے، قلعے گر گئے، حکومتیں چلی گئیں، رسوا ہو گئے، لیکن اصل رسوائی تو قیامت کے دن ہوگی۔ پھر انہیں حکم دیا جائے گا کہ زندگی بھر جن کے در پہ سجدہ ریز رہے، ساری زندگی جن پہ توقع رکھی، ساری زندگی جن کے لیے اللہ کے بندوں سے، انبیاء اور رسلؑ سے جھگڑا کرتے رہے کہ نہیں، یہ ہی ہمارے کام آئیں گے۔ کہاں ہیں وہ؟ ذرا انہیں بلاؤ تو سہی۔ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٧﴾ فرمایا، یہ سارے اہلِ علم جانتے ہیں قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ جن کو علم عطا فرمایا گیا۔

حقیقی علم کیا ہے؟

ہمارے ہاں علم پر بھی بڑی بحثیں ہوتی ہیں کہ علم کسے کہتے ہیں، علم کیا ہے؟ علم لکھنے پڑھنے کا ہی نام نہیں ہے۔ علم جاننے کا نام ہے۔ کوئی سن کر جان لے، کوئی دیکھ کر جان لے، کوئی پڑھ کر جان لے۔ کوئی کسی سے تجربہ کر کے سیکھ لے۔ یہ سارا علم ہے لیکن حقیقی علم کیا ہے؟ جسے قرآن الْعِلْمَ فرما رہا ہے۔ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ یہاں الْعِلْمَ استعمال ہوا ہے۔ اَلْ معروف بناتا ہے یعنی جہاں اَلْ آئے وہ چیز کامل ہوتی ہے، تو سارے کا سارا علم کیا ہے؟ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ عِلْمُ الْاَبْدَانِ وَ عِلْمُ الْاَدْيَانِ (اخرجہ الخطیب البغدادی فی تاریخ بغداد) او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی سارے علم کے دو حصے ہیں، دو شعبے ہیں: علم الادیان و علم الابدان۔ عقائد، ایمانیات، نظریات کا علم۔ اسے انگریزی میں Normative Science کہتے ہیں، ایمانیات کا، اعمال کا یعنی وہ کیسے کرنے ہیں۔ آپ آسانی کے لیے کہہ سکتے ہیں دین کا علم۔ ایک

حصہ یہ ہے۔ دوسرا حصہ علم الابدان یعنی وجودوں کا علم، مادّی علم جسے Physical Science کہتے ہیں۔ تو العلم تب بنتا ہے کہ بندے کے پاس یہ علوم ظاہری بھی ہوں جو کالجوں، یونیورسٹیوں میں پڑھائے جاتے ہیں اور تعلیماتِ قرآن وسنت اور فقہ کے ضروری مسائل بھی ہوں جو دینی مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں۔ ان دونوں شعبوں کو جاننے والا عالم کہلاتا ہے۔ اچھی تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔ اچھے سکولوں میں بچوں کو پڑھانا چاہیے۔ جتنا ممکن ہو کرنا چاہیے لیکن یہ یاد رکھیں! اسے **اَلْعِلْم** دیں۔ اگر آپ اسے کسی اچھے سکول میں بھیجتے ہیں تو کسی عالم کی خدمات گھر پر حاصل کر لیجیے۔

اب جو بڑے بڑے کالجوں میں پڑھا سکتے ہیں، وہ ایک استاد کو رکھ لیں، اسے بھی تنخواہ دیں، گھنٹہ، دو گھنٹے اسے بھی وقت دیں۔ کم از کم وہ نماز روزہ سیکھ لیں، کوئی چند پاروں کا ترجمہ بھی سیکھ لیں، کچھ احادیثِ مبارکہ سیکھ لیں، کچھ فقہی احکام سیکھ لیں، تو بچوں کی تعلیم میں آپ دونوں طرح کا اہتمام کریں۔ یہ ساری تفصیل میں نے اس لیے عرض کی ہے کہ ایک طرف پڑھائیں گے خواہ دین، خواہ دنیا تو ان کے پاس آدھا علم ہو گا۔ یہاں قرآن کریم فرما رہا ہے: **قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ** ۔۔۔۔ جن کو اللہ نے علم عطا فرمایا وہ یہ کہیں گے کہ یقیناً ذلت اور رسوائی ہے کافروں کے لیے آج کے دن۔ اور جو دنیا کے نفع ونقصان کو بھی سمجھتا ہو اور آخرت کے نتائج کو بھی جانتا ہو، اس کی طرف بھی اس کی نظر ہو، اسے **اَلْعِلْم** نصیب ہوا تو جتنے صاحبِ علم ہیں وہ تو یقیناً کہیں گے **اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٧﴾** کہ کفر کا نتیجہ سوائے رسوائی کے کچھ نہیں۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۔۔۔۔ جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے آتے ہیں تو یہ اپنے ہی حق میں ظلم کرنے والے ہوتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے **يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ** ۔۔۔۔ (سورۃ انفال: 50) وہ ان کے مونہوں پہ مارتے ہیں، پیٹھوں پہ مارتے ہیں۔ بڑی تکلیف دے کر روح قبض کرتے ہیں۔ وہ ظلم بھی ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ فرشتوں کو ان سے دشمنی نہیں ہوتی۔ یعنی وہ سزائیں بھی انہوں نے اپنے لیے خود بنا رکھی ہیں، فرشتے تو صرف انہیں نافذ کرتے ہیں۔ ان کے کردار، ان کے عقیدے، ان کے نظریات اور ان کے اعمال کا نتیجہ یہ ہے کہ فرشتے انہیں سزا دیتے ہیں، اپنے آپ پر یہ ظلم خود توڑتے ہیں۔

فرمایا: **فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ** پھر مزے کی بات یہ ہے کہ کہتے

ہیں کہ ہم نے کوئی برائی تو نہیں کی۔

برائی اور بھلائی کا معیار؟

ہر کام کو کرنے کے متعدد طریقے ہیں۔ کسی کو ایک انداز پسند ہے کسی کو دوسرا۔ ہر شخص کی اپنی رائے ہے۔ ایک ہی کام کو ایک شخص بھلا کام کہتا ہے دوسرا اسی کام کو برائی کہتا ہے تو پھر معیارِ حق کیا ہے؟ معیارِ حق یہ ہے کہ وہی کام درست ہے جو اللہ کا حکم ہے اور وہی طریقہ درست ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا ہے۔

دین میں کسی کی اپنی رائے نہیں ہوتی۔ دین اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ برائی اور بھلائی کا معیار اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بتا دیا۔ اب جو اپنی مرضی سے معیار مقرر کرے وہ دین سے باہر ہے۔ یہی فرمایا کہ جب کافروں کی روحیں قبض ہوتی ہیں، انہیں مار پڑتی ہے، سزا ملتی ہے اور تکلیف ہوتی ہے تو کہتے ہیں میں نے زندگی میں بُرا تو نہیں کیا، اچھا ہی کرتا رہا۔ ہر بندہ جو کچھ کرتا ہے اس کے جواز کی دلیل اُس نے گھڑی ہوئی ہوتی ہے۔ کوئی کسی کو قتل کرتا ہے تو اس کے پاس اس کی بھی دلیل گھڑی ہوئی ہے۔ کوئی ڈاکہ ڈال رہا ہے تو اس نے بھی اس کی دلیل گھڑ رکھی ہے۔ اپنے کام کو جائز کرنے کے لیے ہر بندے نے وجہ بنا رکھی ہوئی ہے۔ مرضی سے کام کیا لیکن کہتے ہیں ہم نے کوئی بُرا تو نہیں کیا، زندگی بھر اچھا ہی کیا لیکن اچھا وہ اپنی مرضی سے کرتے رہے۔ جسے اللہ اچھا سمجھتا ہے وہ تو نہیں کیا۔ آزمائش تو یہ تھی کہ تم وہ کرو جسے اللہ اچھا سمجھتا ہے، جس کے کرنے کا طریقہ سلیقہ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بتاتا ہے۔ ایسا کرنے سے اللہ کے حکم کی تعمیل ہوگی، ورنہ اپنی رائے سے کرنا دین میں تحریف ہوگی۔

دین میں خود رائی گمراہی کا سبب:

امیر تیمور دینی علوم سے بہت بڑی حد تک بہرہ ور تھا اور قرآنِ حکیم کا ایسا عجیب حافظ تھا کہ **والناس** سے لے کر **الحمد** تک الٹا قرآن کریم پڑھ سکتا تھا۔ یعنی آخری آیت پھر اُس سے پچھلی آیت پھر اُس سے پچھلی آیت، تو اس طرح الٹا قرآن پڑھ سکتا تھا۔ اس قدر حافظ تھا کہ تیس پاروں میں کبھی نہیں بھولتا تھا اور مقابلہ کرتا تھا۔ جہاں کوئی حفاظ ہوتے، انہیں کہتا میرے ساتھ مقابلہ کرو۔ کوئی سورۃ لے لو اور اسے اُلٹا پڑھ کے دکھاؤ۔ یعنی آخری آیت پھر اس سے پچھلی آیت، تو بڑے بڑے حافظ

گھبرا جاتے تھے۔ دینی علوم سے بھی بہت اچھی طرح واقف تھا، کیونکہ جن مدارس میں اس نے پڑھا تھا وہ علاقہ مسلمانوں کے زیرنگیں تھا اور وہاں دنیا اور دین دونوں پڑھائے جاتے تھے۔ لیکن پھر اسے اپنے گھمنڈ نے گھیر لیا۔ پھر اپنے زعم میں بہت دور نکل گیا اور بعض مسائل میں اجتہاد بھی کرنے لگا۔

لکھتا ہے کہ میں نے ایک قوم، ایک علاقہ فتح کیا۔ وہاں ایک قوم تھی ان سے پوچھا تمہارا عقیدہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا مسلمان ہیں۔ کیسے عبادات کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم ہاتھ سر پر باندھتے ہیں اور قبلہ ہمارا سورج ہے۔ اب یہ کہیں سے ثابت نہیں کہ ہاتھ سر پر باندھے جائیں یا سورج کو قبلہ تصور کیا جائے۔ سوائے سورج پرستوں کے اور تو کہیں سے ثابت نہیں لیکن وہ اپنا اجتہاد کرتا ہے۔ وہاں وہ لکھتا ہے کہ خیر ہے، مسلمان تو ہیں ناں! کم از کم، ایک قبلے کے قائل ہیں خواہ سورج کے ہی سہی اور ہاتھ باندھنا نماز میں نہیں ہوتا، ادب کے لیے ہے کوئی پیٹ پر باندھتا ہے، کوئی سینے پر باندھتا ہے۔ انہوں نے سر پر باندھ لیے تو کیا حرج ہے۔ اب یہ وہ اپنی طرف سے دینی فتویٰ دے رہا ہے حالانکہ جس فتوے کی اصل نہیں ہے نہ قرآن میں نہ حدیث میں نہ متقدین میں نہ آثار میں، تو یہ کیسے درست ہوگا؟ لیکن وہ اپنی طرف سے تو بڑا 'اچھا' کر رہا ہے کہ یہ بھی مسلمان ہیں اور میں ان کی حوصلہ افزائی کر رہا ہوں، لیکن وہ بے دینی کو بڑھاوا دے رہا ہے۔

اسی طرح مرتے وقت تو وہ بھی کہیں گے کہ ہم نے برائی تو نہیں کی۔ زندگی بھر جو اچھا سمجھا وہ کرتے رہے۔ اللہ کریم فرمائیں گے جسے میں اچھا سمجھتا ہوں وہ کرنا تھا، جسے تم خود اچھا سمجھتے رہے وہ کرتے رہے تو کیا، کیا؟ تم کیا اور تمہاری سمجھ کیا! اپنے وجود کا پتا نہیں ہے کہ تمہیں بخار کیوں ہوا ہے یا کھانسی۔ تم اس کے لیے کسی دوسرے کے پاس جاتے ہو۔ ڈاکٹر یا طبیب کے پاس جاتے ہو۔ تمہیں اپنا بھلا بُرا نہیں پتا تو دینی امور کے بھلے بُرے سے تم کب آگاہ ہو؟ کرنا تو وہ تھا جو کرنے کا حکم میں نے دیا، اور اس طریقے سے کرنا تھا جس طریقے سے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا۔ جس طرح میں نے حکم دے دیا، نماز قائم کرو! اب کیسے پڑھنی ہے؟ یہ سارا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا کہ عبارت یہ پڑھو گے، تکبیر اس طرح کہو گے، اس طرح رکوع کرو گے، رکوع میں یہ پڑھو گے، اس طرح قیام ہوگا، سجدہ ہوگا، جلسہ ہوگا۔ یہ سارا طریقہ تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا۔ سو کام وہ کرنا ہے جس کا اللہ حکم دے اور اس طریقے سے کرنا ہے جس طریقے سے اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

سمجھائے، تعلیم دے۔ ایسا کام اچھا ہے۔ اور جو کام اللہ کا حکم ہی نہیں ہے، اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُس کا طریقہ کیوں بتائے گا؟ اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو اسی کام کی وضاحت فرمائے گا جس کے کرنے کا اللہ کریم حکم دیں۔ فرمایا، جب انہیں موت آتی ہے، مار پڑتی ہے، تکلیف ہوتی ہے اور ایذاء ہوتی ہے تو کہتے ہیں ہم زندگی بھر تو اچھا ہی کرتے رہے ہیں۔ فَأَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوٓءٍ۔۔۔۔۔ اس وقت کہتے ہیں ہم تو بڑے فرمانبردار اور بے ضرر سے لوگ تھے۔ ایک نوّے سالہ شخص سے ملاقات ہوئی، فرمانے لگے، میں نے کبھی کسی شخص کا ایک پتا بھی توڑ کر نہیں پھینکا۔ ہاں نمازیں شمازیں مجھ سے نہیں ہو سکیں۔ وہ اپنے کمالات بیان کر رہا تھا کہ نوّے سال میں نے کوئی برائی نہیں کی ہے۔ وہ بے چارہ خود جس بات کو اچھا سمجھتا رہا وہ کرتا رہا۔

یہی مسئلہ موت کے وقت پیش آئے گا۔ کہیں گے ہم نے تو سو سو سال زندگی بسر کی، ہم نے بُرا تو کچھ نہیں کیا، جس کو اچھا سمجھتے تھے وہی کرتے تھے لیکن کہا جائے گا تم خود جسے اچھا سمجھتے تھے وہ کرتے رہے حالانکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جسے اچھا سمجھتے تھے کرنا تو وہ تھا۔ بَلَىٰٓ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌۢ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٨﴾ اللہ کریم فرماتے ہیں، تم ٹھیک کہتے ہو لیکن میرا ارشاد بھی سن لو! جو تم کرتے تھے اس سے میں خود واقف ہوں۔ میں جانتا ہوں تم کیا کرتے تھے۔ اور وہ اچھا ہے یا برا ہے اس کی تمہیں اب خبر لگ جائے گی۔ جب اس کے نتائج بھگتو گے تو پتا چلے گا کہ وہ اچھا تھا یا برا تھا۔

فَادْخُلُوٓا أَبْوَٰبَ جَهَنَّمَ خَٰلِدِينَ فِيهَا۔۔۔۔۔ اپنے اپنے درجے کے مطابق، اپنے اپنے اعمال اور کردار کے مطابق دوزخ کے مختلف درجے ہیں، اپنے درجے میں داخل ہو جاؤ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمہیں وہیں رہنا ہوگا۔ کفر کی مصیبت یہ ہے کہ اس میں واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٢٩﴾ تم زندگی بھر اسی وہم میں مبتلا رہے کہ جو تم کرتے ہو وہی ٹھیک ہے۔ تم اپنی بڑائی میں مبتلا رہے کہ میں بڑا دانشور ہوں، جسے میں اچھا سمجھتا ہوں وہی اچھا ہے، جسے میں صحیح سمجھتا ہوں وہی صحیح ہے۔ تو اس طرح تو دنیا میں کوئی بندہ بھی غلط نہیں ہے۔ ہر شخص جو کام کرتا ہے اس کی دلیل اس نے اپنی طرف سے بنا رکھی ہوتی ہے۔ یہی صحیح ہے لیکن وہ دلیل کام نہیں آئے گی۔ دلیل ایک ہی ہے کہ اس کام کو اللہ نے، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھا کہا ہو۔ تمہاری رائے میں اچھائی برائی، مقرر کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ سو: فَادْخُلُوٓا أَبْوَٰبَ جَهَنَّمَ خَٰلِدِينَ فِيهَا۔۔۔۔۔ اپنے اپنے درجے کے مطابق جتنی کسی نے برائی کی ہے اس کے مطابق ہر برائی کے الگ درجے ہیں۔ اپنے اپنے

دروازے سے داخل ہو جاؤ اور وہاں ہمیشہ ہمیشہ کا رہنا ہو گا۔ فَلَبِئۡسَ مَثۡوَى الۡمُتَكَبِّرِيۡنَ ﴿۲۹﴾ اور متکبرین کا ٹھکانہ بہت ہی برا ہے۔ یہ بھی تو تمہارا ایک تکبر ہے کہ میں ہی سب کچھ جانتا ہوں حتیٰ کہ تم نے احکامِ الٰہی کو بھی یہ کہہ کر نظر انداز کر دیا کہ "ہوں گے! لیکن جو میں کر رہا ہوں وہ بہتر ہے۔"

نیکوکاروں کا سکون، اطاعتِ الٰہی میں:

وَقِيۡلَ لِلَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا مَاذَاۤ اَنۡزَلَ رَبُّكُمۡ۔۔۔۔۔ پوچھا جاتا ہے پرہیزگاروں سے دنیا کی زندگی میں بھی، عمل کرتے ہوئے بھی کہ یہ کیا کر رہے ہو، یہ کیوں کر رہے ہو، یہ کیا ہے؟ ہر وقت مسجد کی طرف چلتے رہتے ہو۔ سارا دن منہ بند ہے، روزہ رکھا ہوا ہے جہاد کرنے کی کیا ضرورت ہے، کیا تمہارے پروردگار نے تمہیں ایسی ہی باتیں کہی ہیں؟ وہ کہتے ہیں قَالُوۡا خَيۡرًا۔۔۔۔۔ اللہ نے جو بھی کہا ہے وہی بہتر ہے اور اس میں خیر ہے۔ اللہ کے بندوں پر جب یہ اعتراض کیے جاتے ہیں کہ تم کیا کرتے ہو، ایسا کیوں ہے، تم نے کیوں داڑھیاں بڑھائی ہوئی ہیں؟ تو وہ کہتے ہیں اطاعتِ الٰہی میں ہی ہمارا سکون ہے۔ اللہ کے حکم میں ہی خیر ہے۔ آج کے اس طبقے کو جو یکطرفہ صرف دنیا کی تعلیم حاصل کرتا ہے، اسے رجھانے کے لیے دشمنانِ دین قدیم لوگوں پر فلمیں بناتے ہیں۔ پرانے زمانے کی قدیم اقوام کی انگریزی فلمیں۔ اس میں پورے اہتمام سے ہر بندے کو داڑھی والا دکھائیں گے، چھوٹی ہو یا بڑی، داڑھی ضرور ہو گی۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ مغرب زدہ طبقہ یہ سمجھے کہ داڑھی تو ہر جاہل بندہ رکھتا تھا، کلین شیو ہونا تہذیب ہے۔ یعنی بڑے دُور سے لے کے چلتے ہیں کہ اس بات کا نتیجہ لوگوں کی سوچ پہ ایسا ہو لیکن جن کا تعلق اللہ سے ہوتا ہے وہ کہتے ہیں:

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

اس کا پتا انہیں ہوتا ہے جنہیں اللہ سے تعلق نصیب ہے۔ انہیں کچھ بھی کہتے رہیں وہ کہتے ہیں کہ جو لذت اس میں ہے وہ کہیں نہیں ہے۔ وہاں سے چھوڑ کر نہیں جاتے، وَقِيۡلَ لِلَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا۔۔۔۔۔ تقویٰ کا مطلب تو یہاں، یہ میرے سامنے ترجمہ پڑا ہے۔ الحمد للہ، اللہ نے توفیق بخشی، میں نے ہی کیا ہے۔ میں نے بھی یہاں پرہیزگار ہی لکھا ہے۔ اردو کا دامن تنگ ہے ہمارے پاس کوئی متبادل لفظ نہیں۔ تقویٰ نری پرہیزگاری نہیں ہے، تقویٰ ایک کیفیت ہے کہ کوئی بات کرتے

وقت، کوئی کام کرتے وقت دل میں خیال آجائے کہ کہیں اللہ کی پسند کے خلاف تو نہیں۔ اللہ کے ساتھ اس درجے کا تعلق ہو تو اسے تقویٰ کہتے ہیں۔ فرمایا، جنہیں میرے ساتھ یہ تعلق نصیب ہوا اور ان سے کوئی کہے کہ کیا تمہارے دین میں یہی حکم ہے؟ کیا تمہیں اللہ نے ایسے ہی احکامات دیے ہیں؟ تو وہ کہتے ہیں قَالُوْا خَیْرًا۔۔۔۔۔ اللہ نے جو بھی حکم دیا ہے، جو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنچایا، اللہ کی کتاب نے بتایا وہ خیر ہے۔ اللہ کے ہر حکم میں خیر ہی خیر ہے۔ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ۔۔۔۔۔ جو لوگ خلوصِ دل سے نیکی کرتے ہیں، اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے لیے کرتے ہیں، ان کے لیے دنیا میں بھی حسن ہی حسن ہے، بہتری ہی بہتری، آرام ہی آرام اور سکون ہی سکون ہے۔ نیکی کر کے بندہ کبھی پریشان نہیں ہوتا، نیکی کر کے بندہ کبھی دُکھی نہیں ہوتا۔ نیکی کر کے ہمیشہ اللہ کی رحمت نصیب ہوتی ہے۔ دل کو تسلی نصیب ہوتی ہے، سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ۔۔۔۔۔ اس دنیا میں بھی انہیں زندگی کا حسن نصیب ہوتا ہے اور آخرت تو ہے ہی ان کی خیر ہی خیر۔ جب انہوں نے اللہ کے احکام کو خیر کہا، اللہ نے ان کے انجام کو خیر سے بھر دیا وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۰﴾ اور اللہ کے نیک بندوں کے کیا مزیدار گھر ہیں، کیا مزیدار ٹھکانہ ہے۔ کتنی خوبصورت جگہ ہے۔ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ۔۔۔۔۔ ہمیشہ پُر بہار رہنے والے، سدا کے آباد، ہمیشہ بہاروں سے بھرے ہوئے باغات ہیں ان کے لیے اور پانی بھی ان کے تابع ہے۔ جہاں باغ کو پانی چاہیے ہوتا ہے، وہاں پانی نے پہنچنا ہے۔ باغ پانی کے تابع نہیں ہے، پانی ان باغوں کے تابع ہے۔ اور صرف باغ اور پھل پھول ہی نہیں ہیں، جب جنت میں داخل ہوں گے۔ جس چیز کی وہ آرزو کریں گے وہ انہیں وہاں مل جائے گی۔ اس پر نہ رہیں کہ باغ کی بات ہوئی ہے تو صرف پھل ہی ہوں گے، صرف پھول ہی ہوں گے۔ نہیں! ہر وہ چیز جو جنتی چاہے گا اسے مل جائے گی۔ بلکہ حدیث شریف میں اس حد تک ملتا ہے کہ جنتی کا دل چاہے گا کہ لباس اس طرح کا ہو، اسے کپڑے اتارنے اور بدلنے اور نئے خریدنے کا تکلف نہیں کرنا ہوگا۔ اس کا ارادہ ہوگا، سوچے گا تو وہی پہنا ہوا لباس ہی ویسا ہو جائے گا۔ کسی تکلف کی ضرورت پیش نہیں آئے گی جو خواہش وہ کریں گے وہ وہاں پائیں گے۔ ہر چیز انہیں مل جائے گی۔ كَذٰلِكَ یَجْزِی اللّٰهُ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۱﴾ اللہ اپنے نیک بندوں کو اس طرح انعام و اکرام سے نوازتا ہے۔

مومن کا وقتِ آخر:

یہ بھی سن لو! بندۂ مومن پر بھی موت آتی ہے الَّذِیۡنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيۡنَ ۙ يَقُوۡلُوۡنَ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمُ ۙ ادۡخُلُوا الۡجَـنَّةَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴿۳۲﴾ فرشتے نیک بندے کی روح قبض کرنے آتے ہیں تو سب سے پہلے اُس کو سلام کرتے ہیں کہ تم پر اللہ کی سلامتی ہو پھر اسے کہتے ہیں، بڑے مزے سے، آرام دہ طریقہ سے تمہاری روح قبض کریں گے کہ تم کفر و شرک کی آلائشوں سے پاک ہو۔ تم پر سلامتی ہے کہ تم دنیا میں اچھے اعمال کرتے تھے ان کے بدلے جنت میں چلے جاؤ۔ حقیقی جنت کا داخلہ تو قیامت کو ہوگا، پھر یہ جنت کون سی ہے؟ جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی شرح میں فرمائی کہ ہر قبر یا تو دوزخ کا گڑھا ہے یا جنت کا باغیچہ ہے۔ اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ ہر قبر یا تو جنت کا باغیچہ ہے یا دوزخ کا ایک گڑھا ہے۔ تو اتنا تعلق قبر کے ساتھ جنت یا دوزخ کا کر دیا جاتا ہے کہ اسے جنت ہی کہا گیا، اسے دوزخ ہی کہا گیا۔ تو یہ نہیں کہیں گے کہ اب تم قبر میں ہی ٹھہرو، اسے کہیں گے، جاؤ! اب اپنی جنت میں چلے جاؤ، اللہ کی سلامتی ہو تم پر۔ جاؤ! اپنی جنت میں آرام کرو۔ یہ تمہارے اس کردار کا بدلہ ہے جو تم اللہ کی رضا کے لیے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے لیے کرتے رہے۔

کافر خسارے کے راستے کا مسافر:

هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِيَهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَوۡ يَاۡتِىَ اَمۡرُ رَبِّكَ۔۔۔۔۔ کافروں کی مصیبت یہ ہے، کفر ایک ایسی دلدل ہے کہ جب تک یہ اس میں اتر نہیں جاتے ہیں تب تک انہیں سمجھ نہیں آتی۔ جب تک اللہ کا حکم یعنی موت نہ آجائے یا روح قبض کرنے والے فرشتے نہ آجائیں تب تک انہیں سمجھ نہیں آتی۔ جب فرشتے آجائیں تو کہتے ہیں کرتے تو اچھا ہی رہے۔ کیا خاک اچھا کرتے رہے! ان سے پہلے جو کفار تھے یہی کہتے تھے کہ میں اچھا ہی کر رہا ہوں۔ یہ انہوں نے رواج بنایا ہوا ہے کہ جو میں کرتا ہوں اچھا ہی ہوتا ہے۔ اچھا یا بُرا کسی فرد کے کہنے سے نہیں، کسی دانشور کے کہنے سے نہیں بلکہ اچھے اور برے کا فرق اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کر دیا ہے۔ جو اللہ کے نزدیک اچھا ہے، وہ سب اچھا ہے۔ کہیں جان بچانا عبادت ہے، فرض ہے اور کہیں جان دینا فرض ہو جاتا ہے۔ جہاں اللہ چاہے کہ یہاں جان دو، وہاں جان دینا فرض ہے۔ جہاں اللہ چاہیں کہ جان کی

حفاظت ہو وہاں جان بچانا فرض ہے۔ تو جو حکم اللہ کا ہے وہ اچھا ہے جو طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہ اچھا ہے۔

فرمایا: وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ اللہ نے کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی، اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتے وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ یہ تو اپنے آپ پر خود ظلم کے پہاڑ توڑتے رہے جو، اب انہیں بھگتنا پڑ رہے ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر نافرمانی، ہر خلافِ شریعت کام ظلم ہے، اپنے آپ پر ظلم ہے اور جب بندے کو اللہ احساس عطا کردے تو بندے کو توبہ کرنی چاہیے۔ جنہیں ہم نیکی سمجھتے ہیں، نیکیاں کر کے بھی توبہ استغفار ضرور پڑھنا چاہیے کہ ہم نیکیاں کرنے میں بھی کوتاہی کر جاتے ہیں۔ فرض عبادت ادا کرنے میں بھی ڈنڈی مار جاتے ہیں۔ نوافل پڑھنے میں بھی سستی اور کوتاہی کرتے ہیں۔ یا ارکان کی ادائیگی میں غلطی کوتاہی ہو جاتی ہے لیکن جو لوگ کرتے ہی اپنی مرضی سے ہیں، وہ کیا ثواب لیں گے؟ سو اللہ سے مغفرت طلب کرنی چاہیے۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ پہلے کفار بھی یہی کہتے تھے کہ ہم اچھا ہی کرتے ہیں لیکن وہ ان کی نظر میں اچھا ہوتا تھا، اللہ کی نظر میں تو وہ ظلم ہوتا تھا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ جو اُن کا کردار تھا اس کی مصیبت ان کے گلے پڑ گئی۔ کیونکہ یہ احکامِ الٰہی کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ موت کا ہولناک منظر گزرا، کفار کی موت کا دردناک منظر گزرا۔ فرشتوں کی سختی کی بات ہوئی، ان پر عذاب کی بات ہوئی اور یہ ارشاد ہوا، یہ ان کا اپنا کیا دھرا ہے، یہ سب انہوں نے اپنے ساتھ خود کیا ہے۔ یہ دینی احکام کا تمسخر اڑاتے تھے، اسی جرم کی سزا میں گرفتار ہیں۔

سورۃ النحل رکوع 5 آیات 35 تا 40

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ
نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾
وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا
الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ
الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ
يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ
لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ
وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا
لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾

اور مشرک لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتے تو ہم اور ہمارے آباؤ اجداد
اُس کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کرتے اور نہ ہم اُس کے (حکم کے) بغیر
کسی چیز کو حرام ٹھہراتے ان سے پہلے لوگوں نے بھی ایسی ہی حرکت کی تھی
سو پیغمبروں کے ذمہ تو صاف صاف (بات) پہنچا دینا ہے ﴿۳۵﴾ اور

بے شک ہم ہر امت میں پیغمبر بھیجتے رہے ہیں کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان (بتوں) سے بچتے رہو سو ان میں کوئی ایسا ہوا ہے جس کو اللہ نے ہدایت بخشی اور کوئی ایسا ہے کہ اس پر گمراہی ثابت ہوگئی پس زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا ﴿۳۶﴾ اگر ان کے راہِ راست پر آنے کی آپ کو تمنا ہو تو بے شک اللہ ایسے شخص کو ہدایت نہیں فرماتے جسے گمراہ کرتے ہیں اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا ﴿۳۷﴾ اور یہ لوگ اللہ کی بڑی سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اللہ اس کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا۔ ہرگز نہیں (بلکہ) اس وعدہ کو تو اُس (اللہ) نے اپنے ذمہ لازم کر رکھا ہے ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿۳۸﴾ تا کہ جس چیز میں لوگ اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے سامنے ظاہر فرما دے اور تا کہ کافروں کو پتا چل جائے کہ وہی جھوٹے تھے ﴿۳۹﴾ جب ہم کسی چیز کو کرنا چاہتے ہیں اس سے ہمارا اتنا ہی فرمانا ہوتا ہے کہ تُو ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے ﴿۴۰﴾

تفسیر ومعارف

جرم کی نسبت اللہ کی طرف کرنا:

فرمایا: وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ مشرکین کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتے تو ہم اللہ کے علاوہ کسی اور کی پوجا نہ کرتے۔ ہم اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ بناتے اور نہ ہی ہمارے باپ دادا شرک کرتے۔ اگر اللہ انہیں روک دیتے، ایسا نہ کرنے دیتے تو اللہ کی پسند کے علاوہ ہم حرام اور حلال، جائز ناجائز کیوں بناتے؟ اگر ہم ایسا کرتے ہیں اور اللہ ہمیں نہیں روکتے تو اس کا مطلب ہے کہ اس میں اللہ کی رضا شامل ہے۔ یہ اتنی بودی بات تھی جس کی کوئی اصل نہیں۔ اس کو لائقِ جواب ہی نہیں سمجھا گیا۔ اور اس کا کوئی جواب نہیں عطا فرمایا گیا کیونکہ یہ جواب کے قابل ہی نہیں۔ آج بھی ہمارے معاشرے میں یہ بات عام ہے کہ جب کوئی غلطی

کرتا ہے، ظلم کرتا ہے، کسی کا مال کھا جاتا ہے، قتل کر دیتا ہے تو بڑے آرام سے کہتا ہے 'بس جی اللہ کی مرضی'۔ یعنی جرم خود کرتا ہے، اس کا جواز یہ تلاش کرتا ہے کہ اگر اللہ کی مرضی نہ ہوتی تو یہ کام کیوں کرتا۔ حتیٰ کہ قتل کرتا ہے اور کہتا ہے 'بس اللہ کی مرضی تھی اس کی زندگی پوری ہو گئی تھی'۔ یہ اتنی کمزور دلیل ہے کہ قرآن کریم نے اسے قابلِ جواب ہی نہیں سمجھا۔

انسان کو اختیار دیا گیا:

اس لیے کہ فلسفہء تخلیقِ آدمؑ ہی یہ ہے کہ انسان کو اللہ نے پیدا فرما کر شعور بخشا اور اتنا اعلیٰ شعور عطا فرمایا کہ انسان ذاتِ باری کو پہچان سکتا ہے۔ اس کی عظمت کو اپنی حیثیت کے مطابق، اپنے فہم وادراک کے مطابق جان سکتا ہے۔ یہ شعور عطا فرما کر اس کے سامنے نیکی اور برائی دونوں راستوں کی وضاحت فرما دی البتہ اختیار اسے سونپ دیا کہ وہ برائی کا راستہ اختیار کرتا ہے یا نیکی کا۔ جو راستہ بھی وہ اختیار کرے گا اس کے انجام کو پہنچے گا لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ کوئی برائی کر کے یہ کہے کہ یہ اللہ کی مرضی تھی۔ یہی بات تو مشرکین کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ کی مرضی نہ ہوتی تو وہ ہمیں بتوں کی پوجا کی توفیق ہی نہ دیتا، ہمیں اس سے روک لیتا۔ ہم نے اپنی مرضی سے جو حرام، حلال رائج کیے ہوئے ہیں ان میں بھی اللہ کی رضا شامل ہے ورنہ وہ ہمیں ان کاموں سے روک دیتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کریم نے اگر زبردستی عمل کرانا ہوتا تو انسان کو اختیار ہی کیوں دیتا۔ زبردستی تو عمل نہیں کرایا جاتا۔ لیکن آج ہمارے معاشرے میں بھی یہ رواج اتنا مضبوط ہو چکا ہے کہ ایک عام مسلمان بھی جرم کر کے یہی کہتا ہے کہ اللہ کی مرضی یہی تھی۔ حالانکہ اللہ نے تو برائی کا حکم نہیں دیا۔ برائی میں اللہ کی رضا شامل نہیں ہے۔ ہر وہ کام جس سے اللہ کریم نے روکا ہے اسے کرنا برائی ہے اور انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے۔ اور اس کے نتائج خود اس کو بھگتنا ہوں گے۔ اس لیے کہ یہ اس کا ذاتی فیصلہ ہے۔ فرمایا: اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (الدھر:3) ہم نے اس پر راستے واضح کر دیے ہیں۔ اب یہ اس کا اختیار اور پسند ہے کہ وہ شکر کا راستہ اختیار کرتا ہے یا ناشکری کا۔ فرمانبرداری کا راستہ اختیار کرتا ہے یا نافرمانی کا۔

ہر دور کے نافرمانوں کی سوچ ایک جیسی ہوتی ہے:

فرمایا: كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے جو کافر اور مشرک تھے وہ بھی یہی کہا کرتے تھے۔ یہی دلیل اُن کے پاس بھی تھی کہ ہم جو کرتے ہیں اس میں اگر اللہ کی مرضی نہ ہوتی تو وہ ہمیں روک دیتا۔

اللہ کریم نے تو انبیاءؑ مبعوث فرمائے لیکن کسی کا ہاتھ پکڑ کر روکنے کے لیے نہیں بلکہ: فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾ اللہ کے انبیاءؑ کے ذمہ تو صرف یہ ہے کہ وہ بات کھول کر وضاحت سے بیان فرما دیں۔ نیکی کی بھی وضاحت فرما دی اور برائی اور جرم کی بھی وضاحت فرما دی۔ اب یہ انسان کے ذِمہ ہے کہ وہ انبیاءؑ کی بات سنے اور اس کے پاس اختیار ہے کہ اپنی پسند سے نیکی کی طرف جائے۔

بعثتِ انبیاءؑ احسانِ عظیم ہے:

فرمایا: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا ۔۔۔۔۔ اللہ کریم کا یہ احسان ہے: کہ اللہ نے ہر امت، ہر قوم میں انبیاءؑ مبعوث فرمائے۔ کسی قوم کو دعوتِ الٰہی سے محروم نہیں رکھا۔ حالانکہ اس کی قدرت کی بے شمار نشانیاں کائنات میں موجود ہیں جو اس کی توحید، اس کی عظمت اور اس کے معبودِ برحق ہونے پر گواہ ہیں۔ ان سب کے باوجود اللہ نے انبیاءؑ مبعوث فرمائے اور كُلِّ اُمَّةٍ ۔۔۔۔۔ ہر قوم میں رسولؑ مبعوث فرمائے۔ مشرق ہو یا مغرب، شمال ہو یا جنوب، دنیا کی ہر قوم میں نبیؑ مبعوث ہوئے۔ یا پھر ان کے متبعین کی وساطت سے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا۔ اللہ کریم کی عظمت کی گواہی تو ہر تنکا، ہر ذرّہ دے رہا ہے پھر بھی اللہ کریم نے مہربانی فرمائی اور انبیاءؑ مبعوث فرمائے۔ لیکن انبیاءؑ کسی کو زبردستی نیکی پر نہیں لگاتے بلکہ نیکی اور برائی کی وضاحت کر دیتے ہیں۔ انؑ کے ذِمہ احکامات کی وضاحت بیان کرنا ہے۔ ماننا یا نہ ماننا، یہ سننے والے کی اپنی ذِمہ داری ہے۔

انبیاءؑ کی تعلیم:

تمام انبیاءؑ کی تبلیغ کا مرکز ومحور یہ تھا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ ۔۔۔۔۔ صرف اللہ کی عبادت کرو۔ اس کی بندگی کرو وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۔۔۔۔۔ اور شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچو۔ نفع کی امید

پر یا نقصان کے ڈر سے کسی کی اطاعت کرنا جبکہ وہ اللہ کی نافرمانی کے کام ہوں، کسی کی ایسی اطاعت اس کی عبادت بن جاتی ہے۔ اللہ کے سوا کسی سے بھی اُمیدیں وابستہ کرلی جائیں اور اس کی ہر بات مانتے جائیں اور اس اطاعت میں شریعت کا لحاظ نہ کریں، نیکی بدی کا خیال نہ رکھیں تو یہ اس کی عبادت قرار پائے گی۔ اور اللہ کے سوا کسی سے امیدیں وابستہ کرنا شیطانی کام ہے۔ شیاطین ہی لوگوں کو اس کام پر لگاتے ہیں۔ اور اللہ اور اللہ کے رسولوںؑ نے تو یہ واضح ارشاد فرما دیا: وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ۔۔۔۔۔ شیطان سے بچو اور شیطان کے پھندوں سے الگ رہو۔

ہدایت وگمراہی کا مدار انسان کی طلب پر ہے:

فرمایا: فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ۔۔۔۔۔ لوگوں میں، اقوام میں کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ کریم ہدایت دے دیتے ہیں۔ اللہ کریم کن لوگوں کو ہدایت دیتے ہیں، اس کا اعلان قرآن میں فرما دیا: وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ (الشوریٰ: 13) جس کے دل میں اللہ کی طرف رجوع کرنے کی آرزو ہو، جس کے دل میں زندگی کی کچھ حرارت باقی ہو، انابتِ الٰہی ہو، اسے اللہ کریم ہدایت دے دیتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے مسلسل گناہ کرکے، اللہ کی نافرمانی کی، یا کفر وشرک کرکے اپنے دلوں کو تباہ کرلیا، اُن میں ہدایت کی گنجائش ہی باقی نہیں رہی وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ۔۔۔۔۔ اللہ سے ان کا تعلق ہی منقطع ہو گیا تو اُن کو ہدایت نصیب نہیں ہوگی کہ اُن پر اُن کے اپنے کردار کی وجہ سے گمراہی ثبت ہو چکی ہے۔

فرمایا: فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾ روئے زمین پر پھر کر دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ جن قوموں نے اللہ کی نافرمانی کرنے کا تہیہ کرلیا تھا دنیا میں ان کا انجام کیسا ہوا۔ روئے زمین پر اُن کی تباہی کے آثار موجود ہیں، نشانیاں بکھری پڑی ہیں۔ اجڑے ہوئے شہر، ویران قلعے اور محلوں کے کھنڈر اس بات کے گواہ ہیں کہ انہوں نے نافرمانی کی اور تباہ ہوگئے۔

فرمایا: اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ اے میرے حبیب! (صلی اللہ علیہ وسلم)، جس نے اپنا دل تباہ کرلیا، جس نے اپنا تعلق قطعی طور پر اللہ سے توڑ دیا، تو (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اگر خواہش رکھتے ہوں اور حرص کی حد تک

یہ آرزو رکھتے ہوں کہ اس کو ایمان نصیب ہو جائے تو بھی اسے ایمان نصیب نہیں ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنے دل ہی کو مردہ کر لیا۔ اس میں زندگی کی کوئی رمق باقی ہی نہیں رہی۔ ہدایت کا انسانی فیصلوں پر انحصار کس قدر ہے، وہ اس آیہ کریمہ سے ثابت اور ظاہر ہو رہا ہے کہ اگر انسان خود طلبِ ہدایت نہ رکھتا ہو تو پھر دنیا میں کوئی ہستی اسے ہدایت نہیں دے سکتی۔ وہ گمراہ ہی رہتا ہے، جب تک کہ وہ خود اپنے دل میں یہ فیصلہ نہ کر لے کہ اسے اللہ کی اطاعت کرنی ہے۔

تو فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر حرص کی حد تک آرزو کریں کہ انہیں ہدایت مل جائے تو پھر بھی اللہ ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتے جو اپنے قلب کو ویران کر چکے ہیں۔ اس معاملے میں پھر دنیا بھر میں کوئی بھی ان کی مدد نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ یہ کُلی طور پر ہر فرد کے ذاتی فیصلے پر منحصر ہے۔ یہ کفار ایسے عجیب لوگ ہیں کہ اللہ ہی کی قسمیں کھاتے ہیں وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اور بڑی سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ جو لوگ مر گئے انہیں اللہ کریم کیوں زندہ کرے گا، اللہ کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ بس دنیا میں آئے، مر گئے، ختم ہو گئے، بات ختم ہو گئی۔

جزا و سزا ربوبیّت کا تقاضا:

اللہ کریم نے فرمایا، اے میرے حبیب! (صلی اللہ علیہ وسلم) انہیں بتا دیجیے: بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا ــــــ کہ اللہ کریم کا یہ وعدہ سچا اور پکا ہے کہ وہ مُردوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ اور یہ اصولاً بھی لازمی ہے کہ جب دنیا میں انہیں اختیار دیا گیا تھا کہ وہ نیکی یا برائی کے راستوں میں سے جسے چاہیں اختیار کریں اور یہ اختیار وہ استعمال بھی کر چکے تو اس کا نتیجہ ضرور نکلے گا۔ یہ بات سامنے آئے گی کہ جس نے برائی اختیار کی اس کا انجام کیا ہوا اور جس نے نیکی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا اسے کیا ملا، کیا انجام ہوا؟ اگر یہ دوبارہ زندگی، حشر کا دن، حساب کتاب اور انصاف نہ ہو تو پھر تو یہ سب کچھ بے مقصد ہو جاتا ہے۔ تخلیقِ آدم علیہ السلام کا تو مقصد ہی یہی ہے کہ بندہ اپنے اختیار سے فیصلے کرے۔ یہ دیکھا جائے گا کہ اس نے اپنے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے کیا فیصلے کیے۔ حشر میں اُن ہی فیصلوں کو سرِ عام سنایا جائے گا۔ تو یہ وعدہ پکا ہے کہ سب کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور انصاف ہوگا۔ اگر یہ حقائق درمیان سے نکال دیے جائیں تو پھر تخلیقِ آدم علیہ السلام کا تو مقصد ہی فوت ہو گیا۔

فرمایا: وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٨﴾ لیکن لوگوں کی اکثریت جاہل ہوتی

ہے۔ اللہ کریم نے ان لوگوں کو جو ایمان سے دور رہتے ہیں اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے یعنی علم دین نہیں رکھتے، انہیں جاہل کہا ہے، نہ جاننے والے لوگ کہا ہے۔ دنیا میں تو شاید یہ بہت اعلیٰ پائے کے شاعر، ادیب، فلسفی، ڈاکٹر، سائنسدان ہوں گے لیکن اگر وہ حق کو نہیں سمجھتے تو وہ سب سے بڑے جاہل ہیں۔ بے شمار علوم وفنون جاننے والے اگر حق کو نہیں سمجھتے تو وہ جاہل ہی ہیں۔ فرمایا، لوگوں کی اکثریت جہالت کا شکار ہے، اس بات کو سمجھ ہی نہیں پا رہی کہ لوگوں کو دوبارہ زندہ کرنا، حشر قائم کرنا، سب کو یکجا کرنا، یہ اس لیے ہے لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ۔۔۔۔۔ یہ بات واضح ہو جائے کہ اللہ کے نبیؐ نے جو کہا تھا وہ سچ تھا اور جنہوں نے انکار کیا وہ جھوٹے تھے۔ نافرمانوں نے حق کے مقابل جو کچھ گھڑ رکھا ہے ان سب اختلافات کی حقیقت سامنے آ جائے گی۔ عقائد اور نظریات کے اختلافات کی وضاحت ہو جائے گی اور بنی آدم کے سامنے حقیقت واضح ہو جائے گی کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ وہ جان لیں گے کہ انہوں نے حق کا ساتھ کتنا دیا یا باطل میں کتنا ڈوبے رہے۔ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ﴿٣٩﴾ اور حشر کا قیام اس لیے بھی ضروری ہے کہ کافروں کو سمجھ آ جائے، پتا چل جائے کہ وہ جو کچھ کہتے تھے جھوٹ تھا، غلط تھا۔ اور وہ غلط کار تھے۔

اللہ کریم کی قدرتِ کاملہ:

کافر سوچتے ہیں کہ اتنی مخلوق جو مر چکی ہے اور مٹی ان کے وجود کھا چکی وہ خاک میں منتشر ہو گئے۔ پھر اُن کے ذرّات کو کون تلاش کرے گا، کیسے جمع ہوں گے اور کیسے بنائے جائیں گے؟

فرمایا: إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٤٠﴾ اصل میں بات اتنی سی ہے کہ جو کام اللہ کریم کرنا چاہتے ہیں، وہ فرماتے ہیں، ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔ کوئی دیر نہیں لگے گی۔ تمہاری سوچ غلط ہے کہ یہ کیسے ہوگا۔ اس میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔ اس کی ذات قادر ہے۔ مٹی کے ذرّات بھی تو اس کی مخلوق ہیں اور جو جسم خاک میں ملتا ہے وہ بھی اللہ کی مخلوق ہے۔ اس کے اجزا پہلے بھی تو اللہ کریم نے ایک ایک کر کے جمع فرمائے تھے۔ اور اس کی قدرتِ کاملہ کے سامنے وقت اتنا ہی لگتا ہے کہ وہ جو چاہتا ہے وہ فرما دیتا ہے کہ 'ہو جا' اور وہ آنِ واحد میں ہو جاتا ہے۔ سو اس مخمصے میں مت پڑو کہ یہ کیسے زندہ ہوں گے۔ ان کے وجود کہاں سے تلاش کیے جائیں گے اور کیسے یکجا ہو کر اٹھائے جائیں گے۔ اللہ کریم کی قدرتِ کاملہ سے کچھ بعید نہیں جب وہ فرما دے گا زندہ ہو جاؤ تو

سب زندہ ہو جائیں گے۔

اخروی حقائق کو سمجھنا قلب کا کام ہے:

موت، مابعد الموت کے حقائق سمجھنا ظاہری عقل کے بس کی بات نہیں۔ ان کا تعلق دماغ سے نہیں ہے بلکہ ان حقائق کا تعلق اس شعور سے ہے جو انسانی قلب کو عطا ہوتا ہے۔ قلبِ زندہ کو ہی یہ شعور عطا ہوتا ہے۔ جس طرح انسانی عقل زندگی میں کام کرتی ہے مرجانے پر مرجاتی ہے اسی طرح قلب اگر زندہ ہو تو اس شعور کو قبول کرتا ہے اور اس کے لیے ایسے حقائق کا تجزیہ مشکل نہیں ہوتا، اور وہ اللہ کی عظمت اور اس کی قدرتِ کاملہ کا قائل ہو جاتا ہے۔ اور اگر قلب زندہ نہ رہے تو دنیوی علوم بہت بھی ہوں تو ان میں محض مادّی دماغ کام کرتا ہے اور مادّی دماغ سے ان چیزوں کو سمجھنا آسان نہیں ہے لہٰذا انسان انکار کر دیتا ہے۔ حالانکہ اللہ کی قدرتِ کاملہ تو سامنے ہے کہ شکمِ مادر میں کس طرح ایک جنین کو پالتا ہے، کس طرح ایک وجود کو ترتیب دیتا ہے، بناتا ہے اور پھر وہ پورا زندہ انسان بن کر دنیا میں ظاہر ہوتا ہے تو جو عدم سے وجود عطا کرتا ہے اس کے لیے اس وجود کو جو بکھر چکا ہو دوبارہ بنانا کیا دشوار ہے؟

اللہ کریم اپنی عظمت اور قدرت پر ایمان نصیب فرمائے۔ اطاعت اور نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سورۃ النحل رکوع 6 آیات 41 تا 50

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِی الدُّنْیَا
حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا
وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ
اِلَیْهِمْ فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَیِّنٰتِ
وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ
وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾ اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَكَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰهُ
بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾ اَوْ
یَاْخُذَهُمْ فِیْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۴۶﴾ اَوْ یَاْخُذَهُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ ؕ
فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۴۷﴾ اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ
یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآىِٕلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَلِلّٰهِ
یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓىِٕكَةُ وَهُمْ لَا
یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ۩

اور جن لوگوں نے ظلم سہنے کے بعد اللہ کے لیے اپنا وطن چھوڑا ہم ان کو دنیا میں ضرور
اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے کاش ان کو خبر ہوتی ﴿۴۱﴾ وہ
ایسے ہیں جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں ﴿۴۲﴾ اور ہم
نے آپ سے پہلے مردوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے
تھے سو اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو۔ (ان پیغمبروں کو) دلیلیں اور کتابیں

دے کر بھیجا اور آپ پر بھی کتاب (ذکر) نازل فرمائی تاکہ آپ لوگوں سے کھول کر بیان فرمادیں جو ان کی طرف (احکام ومضامین) اتارے گئے ہیں اور تاکہ وہ غور کریں ﴿۴۴﴾ جو لوگ بری تدبیریں کرتے ہیں تو کیا وہ اس بات سے بے فکر ہیں کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسادیں یا ان پر (ایسی طرف سے) عذاب آجائے جہاں سے ان کو گمان بھی نہ ہو ﴿۴۵﴾ یا ان کو چلتے پھرتے پکڑ لے پس وہ اس (اللہ) کو عاجز نہیں کر سکتے ﴿۴۶﴾ یا ان کو ڈر پیدا ہو گیا ہو تو ان کو پکڑ لے سو بے شک آپ کا پروردگار بڑی شفقت کرنے والا مہربان ہے ﴿۴۷﴾ کیا وہ لوگ اللہ کی مخلوقات میں ایسی چیزیں نہیں جن کے سائے دائیں اور بائیں کو اس طور پر جھک جاتے ہیں جیسے اللہ کے آگے عاجز ہو کر سجدے میں پڑے ہوئے ہیں ﴿۴۸﴾ اور تمام جاندار جو آسمانوں میں ہیں یا زمین میں ہیں اللہ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں اور فرشتے بھی اور وہ تکبر نہیں کرتے ﴿۴۹﴾ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں جو ان پر بالادست (بااختیار) ہے اور جو ارشاد ہوتا ہے بجالاتے ہیں ﴿۵۰﴾

تفسیر ومعارف

فرمایا: وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِى اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ جن لوگوں نے اللہ کی خاطر ظلم سہے اور اللہ کی خاطر ہجرت کی، ہم ان کو دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔ کاش! لوگ اس بات کو سمجھ سکتے۔

ہجرت فی اللہ سے کیا مراد ہے؟

جہاں دین پر عمل کرنا مشکل ہو جائے، عقائد ونظریات کا تحفظ مشکل ہو جائے، اس زمین کو چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلے جانا جہاں یہ تحفظ حاصل ہو اور ایسا محض اللہ کی رضا کے لیے کرے تو یہ ہجرت فی اللہ ہو گی، اللہ کے لیے ہو گی۔ یعنی کسی دنیوی منفعت کے لیے نہیں، کسی کاروباری منافع کے لیے نہیں بلکہ محض دین کو بچانے کے لیے اور اللہ کی رضا کے لیے کی جائے۔ اس آیت کے مصداق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جن پر مکہ میں کفار ومشرکین نے محض اس لیے ظلم توڑے کہ وہ اللہ کو واحد کیوں مانتے ہیں، اللہ کی عبادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر کیوں

کرتے ہیں، مشرکین کے طریقوں اور رسومات پر عمل کیوں نہیں کرتے۔

صحابہ کرامؓ نے اللہ کے حکم، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق پہلی ہجرت مکہ سے حبشہ کی طرف کی اور دوسری مدینہ منورہ کی طرف کی۔

ہجرت کی اقسام:

علماء کرام نے ہجرت کی کئی اقسام بیان کی ہیں۔ ان میں سب سے اعلیٰ ہجرت وہ ہے جو صحابہ کرامؓ نے کی۔ اللہ کے حکم پر کی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق کی اور صرف اللہ کی رضا کے لیے کی۔

اسی ہجرت کو معیار بنا کر علماء فرماتے ہیں کہ کہیں بھی ایسے حالات ہو جائیں کہ دین پر عمل کرنا ممکن نہ رہے، حلال حرام میں تمیز نہ رہے، نیکی پر عمل ممکن نہ رہے، علی الاعلان برائی ہوتی ہو، برائی کے لیے جواز مہیا کیا جائے تو ہجرت فرض ہو جائے گی اور اس ہجرت کرنے والے کو اجر وانعام ملے گا۔

صحابہ کرامؓ نے جو ہجرت فرمائی اس میں وہ ساری رشتہ داریاں، دوست، احباب، جائیدادیں وہیں چھوڑ کر اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہوئے۔ اس پر اللہ نے دو وعدے فرمائے۔ پہلا وعدہ تھا کہ دنیا میں بہترین ٹھکانہ عطا فرمائیں گے۔ اللہ کا یہ وعدہ ان کے لیے پورا ہوا۔ اور یہ بات صحابہ کرامؓ کے خلوص پر گواہ ہے کہ جب وہ مکہ مکرمہ سے مہاجر ہو کر نکلے تو اللہ کریم نے انہیں مدینہ منورہ میں جگہ عطا فرمائی جو نہ صرف رہنے کی جگہ بنی بلکہ اسلامی ریاست کا سنگِ بنیاد بن گئی۔ اسلامی مملکت کے شعبے بنے اور انہیں اسلام کی بہاریں دیکھنا نصیب ہوئیں۔ کفار و مشرکین سے جہاد ہوتے رہے بالآخر مکہ مکرمہ بھی فتح ہو گیا۔ کفر کو شکست ہوئی۔ سارا جزیرۃ العرب اسلام کے زیر نگیں آ گیا۔ عہدِ خلافتِ راشدہ میں اتنی بڑی ریاست بنی کہ سائبیریا سے افریقہ تک اور چین و جاپان سے ہسپانیہ اور امریکہ تک اس کی حدود پھیل گئیں۔ قیصر و کسریٰ کے خزانے، یمن کے خزانے صحابہ کرامؓ کے قدموں میں ڈھیر ہو گئے۔ یہ سارا مال و دولت اور وسیع سلطنت اسلام کی عظیم ریاست، اللہ کا وہ وعدہ تھا جو پورا ہوا اور یہ بات صحابہؓ کے خلوص کی شہادت ہے کہ ان کے خلوص پر اللہ نے دنیا کی کامیابی کا وعدہ فرمایا تھا۔

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۔۔۔۔۔اور رہی آخرت کی بات تو دنیا کا مال و دولت، دنیا کی کامیابی اور یہ عظیم ریاست، یہ آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ آخرت کا اجر اس سے کہیں بڑا ہے جس کو تم دنیا میں رہ کر سوچ بھی نہیں سکتے، سمجھ ہی نہیں سکتے، جان ہی نہیں سکتے۔ یہ سب تمہاری سوچ و فکر تمہارے اندازے اور علم سے بالاتر ہے۔ آخرت کا اجر بے حد عظیم ہے۔ کاش! لوگ اس بات کو سمجھ لیں۔

ہجرتِ فعلی:

جہاں کہیں بھی اللہ کے دین کو چھوڑ کر دنیوی فائدہ، عہدہ، دولت و عزت ملتی ہو اور اس عہدے اور

مال و دولت کے نتیجے میں دین جاتا رہے تو ان مفادات کو چھوڑنا فرض ہوگا کہ دین پر قائم رہنا فرض ہے۔ دین کو بچانے کے لیے دنیوی فائدے کو چھوڑنا، اسے ہجرتِ فعلی کہتے ہیں۔ یعنی بندہ وہ جگہ نہ چھوڑ سکے تو ان چیزوں کو چھوڑ دے، اُن سے ہجرت کر لے لیکن اللہ کے دین پر قائم رہے۔ ایسے حالات ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں۔ آج بھی دنیا میں کم و بیش چھپن اسلامی ریاستیں ہیں لیکن بہت کم ریاستیں ہیں جہاں دین پر عمل آسان ہے۔ اسلامی ریاستوں میں کافرانہ قوانین، رسوم و رواج اور قاعدے چل رہے ہیں۔ وطنِ عزیز میں بھی معاشی نظام سود پر استوار ہے۔ کافر کے بنائے ہوئے عدالتی اور تعلیمی نظام ہیں تو اگر کوئی ایسی ریاستوں میں رہ کر سود سے بچتا ہے، کسی لالچ میں نہیں آتا۔ کافرانہ رسومات سے بچتا ہے، اسلامی معاشرت اپناتا ہے تو اس نے بھی جسمانی نہ سہی، عملی طور پر ہجرت کر لی، وہ بھی ہجرت کے ثواب کا مستحق ہو گیا۔

آب و ہوا کے موافق نہ آنے کی وجہ سے ہجرت:

علماء لکھتے ہیں کہ جسمانی طور پر فضا راس نہ آئے اور بندہ وہ جگہ چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلا جائے جہاں کی آب و ہوا اس کے لیے مفید ہو اور بندہ سمجھے کہ وہاں جا کر میں یقیناً صحیح رہوں گا، اللہ کو یاد کر سکوں گا، سکون سے عبادت کر سکوں گا، دینی احکام پر عمل کر سکوں گا تو وہ ہجرت بھی اللہ کے لیے ہوگی۔

صحابہؓ کی ہجرت مثالی ہے:

ہر ہجرت کا اپنا مقام و مرتبہ ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ہجرت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے لیے ہجرت کی، اُن کا اپنا مقام ہے اور وہ جنہوں نے دین کے لیے ہجرت کی، اپنا وطن اللہ کی رضا، اللہ کی طلب کے لیے چھوڑا، اس ہجرت کا اپنا درجہ ہے۔

ہجرت پر اجر کے لیے اللہ کا یہ وعدہ قیامت تک کے لیے ہے کہ جو بھی اللہ کے لیے ایک زمین چھوڑ کر دوسری طرف جائے گا، اللہ اسے بہترین ٹھکانہ دیں گے۔ امتِ مرحومہ میں اس کی ابتدا صحابہ کرامؓ سے ہوئی تو تاریخ گواہ ہے کہ اللہ کریم نے انہیںؓ کتنی بڑی ریاست عطا فرمائی۔ دنیا کا مال و دولت، آسائشیں اور آرام و سکون عطا فرمایا لیکن صحابہ کرامؓ ایسے لوگ تھے کہ جس طرح اللہ کو غربت و افلاس میں یاد کرتے تھے، امارت و حکومت میں اس سے زیادہ یاد کرنے لگے، زیادہ شکر کرنے والے بن گئے۔ انؓ کے خلوص اور ان کے عمل میں زیادتی ہوتی گئی، کمی نہیں آئی۔ وہ راحتیں انہیں تن آسانی کی طرف نہیں لے گئیں بلکہ مزید اللہ کے شکر اور اللہ کی رضا کے حصول پر محنت کی طرف لے گئیں۔ یہ تمام دنیوی نعمتیں صحابہؓ کے خلوص پر گواہ ہیں اور جو اخروی نعمتیں صحابہ کرامؓ کو عطا ہوں گی، ان کی حدود

ہمارا مادّی دماغ متعین نہیں کرسکتا۔ جب لوگ وہاں جائیں گے تو دیکھیں گے۔

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۝۴۲ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے صبر کیا۔ دنیا کی ہر مصیبت کے مقابلے میں اطاعتِ الٰہی پر جمے رہے۔ کتنی ہی تکلیفیں آئیں، کتنی مخالفت ہوئی، کتنی ایذائیں دی گئیں، کتنے دکھ پہنچائے گئے لیکن انہوں نے دین پر استقامت دکھائی۔ جب اللہ کے لیے ہجرت کی تو محض اللہ کے بھروسے پر گھر سے نکل پڑے۔ سب جائیدادیں پیچھے چھوڑ دیں۔ کسی دنیوی مال ومتاع پر بھروسہ نہ کیا۔

کفار کا اعتراض اور اس کا جواب:

کفار کے اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْــَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝۴۳ کفار کا اعتراض یہ تھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے آباء واجداد کے عقائد ونظریات، رسوم ورواج کی نفی کرتے ہیں جبکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی مافوق الفطرت ہستی بھی نہیں ہیں۔ ہمارے جیسے انسان ہیں، کھاتے پیتے، انسانوں کی طرح رہتے بستے ہیں تو انسانوں میں سے ایک انسان کیسے نبی ہوسکتا ہے، ہماری راہنمائی کیسے کرسکتا ہے؟ اور ہم اس کے کہنے پر صدیوں سے رائج اپنے رواجوں کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ اور ہم یہ کیسے مان لیں کہ ہمارے آباء گمراہ تھے اور یہ آدمی سچا ہے! اگر یہ کوئی مافوق الفطرت مخلوق ہوتی، کوئی فرشتہ ہوتا، انسانوں سے بلندتر کوئی مخلوق ہوتی، وہ کہتی کہ وہ نبی ہے تو یہ بات سمجھ میں آنے والی تھی۔

اللہ کریم نے فرمایا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی پہلے نبی نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبیؐ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کم وبیش سوا لاکھ انبیاءؑ گزر چکے ہیں۔ اُن کے حالات وواقعات موجود ہیں، قدیم کتابیں موجود ہیں، ان کتابوں کے عالم بھی موجود ہیں۔ ذرا ان سے پوچھو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو نبیؑ بھیجے گئے کیا وہ انسان نہیں تھے؟ جتنے نبیؑ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے معبوث ہوئے، وہ سب انسان تھے۔ یہ شرف صرف انسانیت کو عطا ہوا ہے کہ اسے اللہ کی طرف سے نبوت عطا ہوئی۔ کسی دوسری مخلوق کو یہ شرف نہیں ملا۔ بالفرض کوئی دوسری مخلوق ہوتی، فرشتہ ہی ہوتا تو پھر فرشتے کو کون دیکھ سکتا، کون سن سکتا؟ پھر فرشتہ بھی انسانی روپ میں آتا تو انسانوں میں رہتا بستا، پھر کیا فائدہ ہوتا، تم یہی کہتے کہ یہ تو ہمارے جیسا انسان ہے لہٰذا تمہارا اعتراض فضول ہے۔

نور و بشر:

کفار کا یہ خیال تھا کہ نبیؑ ہونے کے لیے انسانوں سے بالاتر کوئی دوسری مخلوق ہونی چاہیے جسے

انسانی ضروریات اور حاجات لاحق نہ ہوں۔ آج شیطان نے اس گمراہی کو دوسری صورت میں پلٹ دیا ہے۔ اب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے تو قائل ہیں، بشریت کے قائل نہیں۔ کہتے ہیں نبی بشر نہیں ہیں۔ بات تو یہ ایک ہی ہوگئی۔ بشریت کا انکار کریں تو نبوت کا انکار لازم آئے گا۔

ہمارے عہد کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کیوں کرتے ہیں؟ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جیسے ہم بشر ہیں، نبیؐ ویسے بشر نہیں ہو سکتے۔ حق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ عالمِ انسانیت کا فرد ہیں لیکن بشریت کا تاج ہیں۔ ہر فرد کی بشریت اپنی ہے۔ عام انسان کی بشریت کا درجہ عام ہے اور انبیاء علیہم السلام کی بشریت کا اپنا مقامِ خاص ہے۔ تمام انبیاءؑ کی بشریت منزہ، پاکیزہ اور بہت لطیف ہوتی ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیر البشر ہیں، معراجِ بشریت ہیں، انسانیت کو شرف بخشنے والے ہیں۔ دنیا میں تمام انسانوں کے بدن ایک جیسی خصوصیات رکھتے ہیں۔ عام انسان، انبیاءؑ، صحابہؓ، اولیاء وصلحا سب کے بدن ایک جیسے ہیں لیکن معراج پر تو صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تشریف لے کر گئے، کوئی اور تو نہیں گیا۔ یہ بلند ارفع مقام ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ عالی بھی اتنا منزہ، اتنا پاکیزہ اور اتنا لطیف تھا کہ جہاں روحوں کا پہنچنا بغیر انعاماتِ الٰہی کے ممکن نہیں وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمِ مبارک تشریف لے گیا۔ تو کیا بجائے یہ ماننے کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک بہت اعلیٰ وارفع ہے لوگ یہ کہنے لگیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا (معاذ اللہ) وجودِ مبارک (بدنِ عالی) ہے ہی نہیں تو یہ کیا بات ہوئی!

بعینہٖ یہی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے یوں کہی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر نہیں ہیں، صرف نُور ہی نُور ہیں۔ ایسا کہنا بھی زیادتی ہے۔ کیونکہ یہ شرفِ بشریت ہی ہے کہ اسے اللہ کا اتنا قرب نصیب ہوا اور اللہ کی ساری مخلوق میں صرف انسان ایسی مخلوق ہے جسے اللہ نے معرفتِ باری کا شعور عطا فرمایا ہے۔ اسی لیے کسی دوسری مخلوق میں نبوت ورسالت نہیں ہے۔

حق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو ویسا تسلیم کیا جائے جیسا اللہ کریم نے ارشاد فرمایا ہے، جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی سے سارا نورِ ہدایت وابستہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ سورج ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اُفقِ اعلیٰ پر قائم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل دنیا میں نُور پھیل رہا ہے۔ ہدایت کا نُور، اللہ کی عبادت کا نُور، اللہ کے قرب کا نُور، اللہ کی معرفت کا نُور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی تمام نیکیوں کا نور پھیل رہا ہے۔ اسے خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔

فرمایا، پہلی امتوں کے علماء اور فاضل بھی ہیں، ان سے پوچھ لو، کیا پہلے انبیاءؑ انسان نہیں تھے، کیا وہ

بشر نہیں تھے؟

کوئی خاتون نبی نہیں ہوئی؟

اس آیہء مبارکہ میں اِلَّا رِجَالًا کے الفاظ سے اس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ کوئی عورت کبھی نبیؑ نہیں ہوئی۔ یہاں اللہ کریم نے لفظ انسان نہیں فرمایا بلکہ لفظ ''رجل'' یعنی مرد فرمایا ہے کہ جہاں بھی نبیؑ مبعوث ہوا وہ مردوں میں سے ہوا کسی عورت کو نبوت عطا نہیں ہوئی۔ جب عورت کو نبوت عطا نہیں ہوئی تو یہ مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ عورت امامت نہیں کر سکتی۔

ایک اہم اصول:

فرمایا، فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۴۳ اگر تم نہیں جانتے تو کسی جاننے والے سے پوچھ کر تصدیق کر لو۔ اس آیہء مبارکہ سے قرآنِ حکیم کا ایک اہم حکم واضح ہوتا کہ جو لوگ دین کے احکام کو نہیں جانتے وہ اہل علم سے پوچھ کر جان لیں اور اس پر عمل کریں۔ فرمایا جا رہا ہے کہ تاریخ مذاہبِ عالم تمہارے سامنے ہے۔ تلاش کرو، کیا کبھی کوئی فرشتہ کتابِ الٰہی لے کر آیا یا کسی خاتون کو کتاب دی گئی۔ تمام نبیؑ ہمیشہ مردوں ہی میں سے آئے۔ تمام انبیاء بشر تھے، انسان تھے، اولادِ آدم میں سے تھے اور مرد تھے۔

توضیحِ قرآن، منصبِ رسالت ﷺ:

فرمایا: بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ۔۔۔۔۔ یہی لوگ اللہ کی طرف سے دلائل اور کتب لے کر دنیا میں تشریف لائے، نبوت کا اعلان فرمایا اور اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دی۔

فرمایا: وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝۴۴ اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بھی کتاب نازل فرمائی جو نصیحت ہے۔ واضح اور روشن دلائل سے پُر ہے۔ ہر برائی سے بچانے اور ہر نیکی کا پتا دینے کا سبب ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فرضِ منصبی، فرضِ رسالت یہ ہے کہ جو کلامِ الٰہی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا ہے اسے کھول کر بیان فرما دیں۔ لوگوں کو بتائیں کہ ان کی طرف کیا نازل ہوا ہے تا کہ وہ غور کریں۔

اس آیہء کریمہ سے ثابت ہے کہ قرآنِ کریم کا وہ مفہوم، وہ تفسیر، وہ معنی معتبر ہوگا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصبِ جلیلہ ہے کہ جو حکمِ الٰہی نازل ہوا ہے اس پر کس طرح عمل

کرنا ہے۔ اہلِ عرب خود کو اہلِ زبان اور غیر عرب کو عجمی یعنی گونگا کہتے تھے۔ یہی اہلِ زبان جب صحابیؓ بنے تو باوجود عربی دانی کے قرآنِ کریم کے وہی معنی و مفہوم قبول کرتے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے۔ جب بھی قرآن نازل ہوتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ سے فرماتے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ تو صحابہؓ عرض کرتے اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں یعنی وحیَ الٰہی کی جو شرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں گے وہی صحیح ہے۔

اسلام میں کوئی فرقہ نہیں:

اسی لیے اسلام میں کوئی فرقہ نہیں۔ اسلام کی تشریح میں جب اپنی رائے داخل کی جائے تو فرقہ بنتا ہے۔ فرقہ تب بنتا ہے جب لوگ اپنی مرضی سے قرآن کی تشریح کرتے ہیں۔ جو تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، اس سے ہٹ جائیں تو فرقہ بن جاتا ہے پھر وہ اسلام نہیں رہتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیدھا خط کھینچا اور اس کے اردگرد بہت سے خط کھینچے اور فرمایا، یہ سیدھا راستہ اللہ کا ہے اور اس کے علاوہ جتنے خط دائیں بائیں ہیں یہ اللہ کا راستہ نہیں ہیں۔ اسی مثال سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام ایک ہی ہے، دائیں بائیں جتنے فرقے ہیں وہ اسلام سے باہر ہیں۔ قرآن کی صرف وہی تفسیر و تشریح مستند اور معتبر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے۔

محض عربی دانی، گرامر، صرف و نحو کے زور سے معنی کرنا درست نہیں۔ اس طرح ہر شخص اپنی رائے کے مطابق تشریح کرے گا اور اسی پر اصرار کرے گا تو فرقے بنتے جائیں گے، اسلام کی نئی نئی تعبیریں سامنے آتی جائیں گی اور یہ گمراہی ہے۔ قرآن حکیم کے صرف وہی معنی قابلِ قبول ہیں، قابلِ اتباع ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں۔

حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی وحیَ الٰہی ہے:

اسی آیہء مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بھی فرض ہے۔ قرآن کریم وحیء الٰہی ہے جس میں الفاظ بھی اللہ کے ہیں اور مفاہیم بھی۔ حدیث میں حکم اللہ کا ہے، الفاظ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ جس طرح قرآن پر ایمان لانا فرض ہے اسی طرح حدیث پر ایمان لانا بھی فرض ہے۔ جس طرح قرآن کا انکار کفر ہے اسی طرح حدیث کا انکار بھی کفر ہے۔

ایک صحابیؓ نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کی تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے اخلاقِ کریمانہ کے بارے کچھ ارشاد فرمائیں تو آپؓ نے نہایت مختصر لیکن بہت خوب صورت اور صحیح ترین جواب ارشاد فرمایا: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرآن کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ قرآن کے مطابق تھے۔ قرآن پڑھتے جاؤ، اخلاقِ عالی کی سمجھ آتی جائے گی۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی قرآن حکیم کی تفسیر تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمانا یعنی حدیث بھی قرآن کی تفسیر ہے اس لیے حدیث کا انکار کفر ہے۔ اللہ کریم نے حدیث کی حفاظت کا اہتمام کرنے کے لیے اپنے نیک بندوں کو اس خدمت پر مامور فرما دیا اور آئمہ حدیث نے تحقیق کر کے، چھان پھٹک کر کے صحیح احادیث کو علیحدہ کر لیا۔ پھر ان کے درجے مقرر فرمائے کہ یہ صحیح ہے، یہ حسن، یہ ضعیف، یوں حفاظتِ حدیث کا حق ادا کر دیا۔

تقلید:

تقلید کرنا نیا فرقہ بنانا نہیں ہے اور فقہی اماموں کی تقلید کرنا فرقہ بندی نہیں ہے۔ جب فقہ کے عالموں کی تقلید کی جائے تو اس پر تنقید ہوتی ہے یہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تو نہ رہی، فقہی امام کی اطاعت ہو گئی اور اس میں یہ بھی پابندی ہے کہ کسی ایک فقہی امام کی تقلید کرنا بھی ضروری ہے تو یہ ناقابلِ فہم ہے۔

پہلی اور بنیادی بات تو یہ ہے کہ ایمانیات اور عقیدے میں کوئی تقلید نہیں۔ ہر شخص کا عقیدہ اپنا ہے، کتنا صحیح، کتنا غلط، وہ خود ذمہ دار ہے۔ تقلید احکامِ شریعت میں ہے، فقہی احکام و مسائل میں ہے کہ ہر بندہ احکامِ شریعت نہیں جانتا، اسے کسی عالم سے، جاننے والے سے پوچھ کر عمل کرنا پڑتا ہے۔ جو حضرات خود کو غیر مقلد کہتے ہیں اور کسی فقہ کے امام کی تقلید نہیں کرتے وہ بھی اپنے کسی عالم سے پوچھ کر ہی عمل کرتے ہیں کیونکہ ان کا ہر فرد عالم تو نہیں ہوتا لہٰذا تقلید تو مجبوری ہے۔ فقہ کے آئمہ مجتہدین نے عمریں بسر کر کے، تحقیق کر کے، چھان پھٹک کر کے مسائل کے حل قرآن و حدیث سے واضح کیے ہیں تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ہر پہلو کی وضاحت ہو جائے اور عمل کرنے والوں کے لیے عمل کرنا آسان ہو۔ اس سے فرقہ نہیں بنتا۔

مجتہد اور اجتہاد:

زندگی کو دین پر گزارنا فرض ہے۔ بعض مسائل ایسے درپیش آ جاتے ہیں جن کی براہِ راست وضاحت قرآن حکیم میں نہیں ملتی، البتہ اس کے اصول قرآن و حدیث میں موجود ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں مجتہد اس مسئلے کی وضاحت حدیث و سنت میں تلاش کرتا ہے، سنت میں وضاحت نہ ملے تو سلف صالحین کے عہد کو دیکھتا ہے کہ اس کے مثل کوئی کام متقدین کے عہد میں ہوا ہو جو قرآن کریم کے دائرے کے اندر ہو، جو سنت کے

اصولوں کی حدود کے اندر ہو تو درپیش مسئلے کو اس کے مطابق حل کیا جائے۔ اسے اجتہاد کہتے ہیں۔

اجتہاد کے لیے شرط ہے کہ مجتہد عربی زبان پر مکمل عبور رکھتا ہو، علومِ قرآن، علومِ تفسیر کا معیاری علم رکھتا ہو۔ فنونِ حدیث کا عالم ہو، حدیث کو جانچنے کی پوری اہلیت رکھتا ہو۔ متقدمین کے احوال اور تاریخ سے مکمل آگاہ ہو۔ متقی ہو، تقویٰ کے اوصاف سے متصف ہو اور علومِ دین سے اس کا سینہ منور ہو۔

فقہ کے امام ان ہی اوصاف سے متصف تھے۔ انہی شرائط پر پورا اترتے ہوئے انہوں نے فقہ کے مسائل میں اجتہاد کیا اور مسائل کی تدوین کی۔ تاریخِ اسلام سے ثابت ہے کہ بڑے بڑے صاحبِ حال علماء ربانی بھی فقہ کے کسی ایک امام کی تقلید اور پیروی کرتے رہے اور اسی پر قائم رہے۔

آئمہ مجتہدین کی تحقیق حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی فقہ کے نام سے موسوم ہے۔ ان میں سے کسی ایک کا اتباع دین ہی پر چلنے کی عملی شکل ہے، یہ فرقہ بندی نہیں بلکہ دین کے احکامات پر عمل کرنے کے لیے ہر پہلو سے وضاحت مہیا کی گئی ہے۔ تمام مجتہدین انسان ہیں، پورے خلوصِ نیت سے کسی فیصلے پر پہنچتے ہیں۔ ان کے فیصلوں میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ ایک مجتہد کا فیصلہ ہے کہ صلوٰۃ میں ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھائے جائیں۔ دوسرے مجتہد فرماتے ہیں صرف تکبیر اولیٰ پر ہاتھ اٹھائے جائیں تو کافی ہے کہ حکم کی تعمیل ہو گئی۔ دونوں طرح کرنا باعثِ ثواب ہے۔ علماء فرماتے ہیں جس مجتہد کی چاہیں اتباع کر لیں لیکن یہ پابندی ضروری ہے کہ باقی تمام احکام میں بھی اسی فقہ کا اتباع کریں تا کہ مقصد اطاعتِ الٰہی اور اتباع رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام ہو۔ خواہشِ نفس کی پیروی نہ بن جائے اور لوگ یہ روش نہ اپنائیں کہ ایک مسئلے میں جس مجتہد کی طرف آسانی ملے اس کی تقلید کر لیں، دوسرے مسئلے میں دوسری طرف آسانی ہو تو ادھر چلے جائیں۔ یاد رہے! تقلید مسائلِ فقہ میں ہوتی ہے، ایمانیات میں نہیں۔ تقلید کی حقیقت بس اتنی سی ہے جو گزشتہ آیت میں فرمانِ الٰہی گزرا ہے اس پر عمل درآمد ہو سکے۔ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴿۴۳﴾ یعنی یہ اصول دے دیا گیا کہ جو لوگ احکامِ الٰہی پر عمل کی صورت نہیں جانتے وہ اہلِ علم سے پوچھ کر عمل کر لیں۔

علماء و مشائخ کی تاریخ گواہ ہے کہ اصحابِ علم اور اصحابِ تقویٰ ہمیشہ آئمہ مجتہدین کی تقلید پر کاربند رہے۔ باوجود عالم و فاضل ہونے کے کسی نہ کسی امامِ مجتہد کی تقلید کو لازمی جانا۔

دعوتِ فکر:

فرمایا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام انبیاء کا دنیا پر تشریف لانا، انبیاء کا نوعِ انسانی سے ہونا، اللہ کی کتابوں کا عطا ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہونا،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن کی تشریح فرمانا، ارشاداتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محفوظ ہونا، یہ سب کس لیے ہے؟ فرمایا: وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴿۴۴﴾ کہ لوگ تفکر کریں، سوچیں تو سہی کہ نبیؐ کی ضرورت کیا تھی، اللہ نے نبیؐ کیوں مبعوث فرمائے، اللہ نے نبیؐ کو انسانوں میں سے ہی کیوں مبعوث فرمایا؟

یوں تو اللہ کریم نے اپنی عظمت کی بے شمار نشانیاں کائنات میں جا بجا بکھیر دیں اور ہر نشانی اللہ کی واحدانیت کی گواہی دے رہی ہے۔ اس کے باوجود اللہ نے اپنے نبی و رسول علیہم السلام بھیجے کہ بندہ از خود غور و فکر کر کے اللہ کی پسند و ناپسند سے آگاہ نہیں ہو سکتا تو اس کی مدد کی جائے۔ اللہ کے نبی اور رسول علیہم السلام اسے دلائل عطا فرمائیں۔

انبیاء علیہم السلام انسانوں میں سے ہی ہوئے، اس لیے کہ اگر فرشتوں کو نبوت عطا ہوتی تو لوگ کہہ سکتے تھے کہ آپ تو فرشتے ہیں، آپ ساری رات جاگ سکتے ہیں۔ آپ تو فرشتے ہیں، پورا مہینہ بغیر کھائے پیے روزہ رکھ سکتے ہیں تو ان کا اتباع کون کرتا؟ اگر فرشتہ نبی ہوتا تو اسے کون دیکھ سکتا، کون اس کی بات سن سکتا۔ یہ تو اللہ کا مزید احسان ہوا کہ نبوت نوعِ انسانیت میں آئی اور یہ اعتراض نہ ہوا کہ نبیؐ جو کر سکتا ہے، ہم نہیں کر سکتے۔ نبی تو فرشتہ ہے اور ہم انسان، ہم فرشتوں جیسے اعمال کیسے کر سکتے ہیں!

اللہ کریم نے نبوت انسانوں میں سے اپنے برگزیدہ بندوں کو عطا کی۔ نبیؐ میں تمام انسانی اوصاف ہیں۔ تمام انسانی ضروریات ان کے ساتھ ہیں۔ اس لیے جب اللہ کے نبیؐ تمام انسانی ضروریات رکھتے ہوئے اللہ کی اطاعت بجالاتے ہیں تو کوئی دوسرا بھی اللہ کی اطاعت پر کاربند ہو سکتا ہے۔ سب سے زیادہ عام زندگی اللہ کے نبی علیہ السلام کی ہوتی ہے اسی لیے ہر اُمتی پر اپنے نبیؐ کا اتباع لازم رہا۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک بالکل ایک عام فرد کی سطح پر تھی۔ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، دوستی دشمنی میں جو طرزِ عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، ہر بندہ اپنی حیثیت کے مطابق اس نمونے پر عمل کر سکتا ہے۔ امورِ دنیا سے الگ ہو جانا کمزوری کی دلیل ہے اور انبیاءؑ تو دنیا میں اللہ کے حکم کے مطابق زندگی بسر کرنا سکھاتے ہیں، وہ امورِ دنیا سے علیحدہ کیسے ہو سکتے ہیں۔

ایک غلط بات ہمارے ہاں رائج ہو چکی ہے کہ اولیاء اللہ تو جنگلوں میں رہتے ہیں، گھاس پات کھا کر گزارہ کرتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ جتنا کوئی ولیِ کامل ہوتا ہے اتنی اس کی زندگی عام آدمی جیسی ہوتی ہے۔ یہی سنتِ انبیاءؑ ہے۔ اولیاء اللہ کی عظمت یہی ہے کہ ان کے پاس ولایتِ الٰہی ہو، مراقبات ہوں، اللہ کی طرف سے انعامات ہوں لیکن عام آدمیوں میں ان کی تمیز نہ ہو سکے۔ وہ بھی ان ہی میں کا ایک فرد نظر آئے۔ اندرونی کیفیات کے باعث سُکر کا آجانا کمال نہیں۔ احوال سے مغلوب ہو کر ایک طرف کا ہو رہنا، دنیا چھوڑ دینا، کمزوری کی دلیل ہے ورنہ اولیاء کاملین بھی اسی طرح رہتے ہیں جس طرح عام آدمی۔ عام لوگوں میں ان کی تمیز نہیں ہو

سکتی۔ سوائے اہلِ نظر کے انہیں کوئی نہیں پہچانتا۔

فرمایا: وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾ یہ سوچیں تو سہی کہ اللہ نے نبیؐ کو کیوں بھیجا، نبیؐ کے اتباع کو اتنی فضیلت کیوں دی؟ حقیقت یہ ہے کہ ہر بندہ مادّی آنکھوں سے صرف اس دنیا کو ہی دیکھتا ہے۔ نبیؐ وہ ہستی ہیں جو بندے کے دل کی آنکھ وا کر دیتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوہ صفا پر کھڑے ہو کر آواز دی اور اہل مکہ جمع ہو گئے تو فرمایا، تم مجھے کیسا سمجھتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو صادق اور امین سمجھتے ہیں۔ ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسا سچا بندہ کوئی نہیں دیکھا اور امانتداری میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ثانی کوئی نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوں پہاڑ کی دونوں سمتیں میرے سامنے ہیں جبکہ تمہارے سامنے ایک سمت ہے، تم دوسری طرف نہیں دیکھ سکتے۔ کیوں درست ہے نا؟ سب نے کہا درست ہے۔ پھر فرمایا، اگر میں تمہیں کہوں کہ پہاڑ کی دوسری طرف ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہونے کو ہے تو پھر؟ انہوں نے کہا ہم مان لیں گے اور اپنے دفاع کا انتظام کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں اسی طرح دنیا اور آخرت دونوں کی بات بتا رہا ہوں۔ تمہیں صرف دنیا نظر آ رہی ہے لیکن میں تمہیں آخرت سے بھی آگاہ کر رہا ہوں کہ اللہ واحد ولاشریک ہے، اس پر ایمان لے آؤ اور بتوں کی پوجا چھوڑ دو۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیثیت و مقام یہ ہے کہ دونوں عالم نبیؐ کے سامنے ہوتے ہیں۔ عالم دنیا میں وہ عام انسانوں کی طرح رہ رہا ہوتا ہے۔ اس کے نشیب و فراز سے گزرتا ہے، گرم و سرد سہتا ہے۔ حالات واقعات اور اقوامِ عالم کا کردار اس کے سامنے ہوتا ہے اور آخرت بھی اس کے سامنے ہوتی ہے جس سے وہ لوگوں کو آگاہ کرتا رہتا ہے۔

فرمایا: لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾ لوگ کبھی یہ بیٹھ کر سوچیں اور فیصلہ کریں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا ہے یا اپنے لیے جہنم کا راستہ منتخب کرنا ہے۔ لوگ تو جانوروں کی سطح پر زندگی گزار جاتے ہیں، سوچنے کا تکلف بھی نہیں کرتے حالانکہ حق یہ ہے کہ برس ہا برس کی عبادت سے لمحہ بھر کا تفکر زیادہ درجہ رکھتا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ لوگ تفکر کرتے، سوچ سمجھ کو استعمال کرتے اور توبہ کر کے اللہ کی بارگاہ سے مغفرت کے طالب ہوتے تو ان کی توبہ قبول ہو جاتی۔ فرمایا: اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾ یہ لوگ جو الٹی سیدھی تدبیریں کرتے ہیں، دینِ حق کے خلاف کوشاں رہتے ہیں، یہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ کیا یہ تب ایمان لائیں گے جب اللہ کریم انہیں کہیں زمین میں دھنسا دے یا ایسی جگہ سے ان پر عذاب آ جائے جس کے بارے

میں انہیں گمان بھی نہ ہو۔ کیا یہ اس عذاب کے انتظار میں ہیں لیکن یاد رکھیں! جب عذاب آئے گا تو ایمان لانے کی فرصت نہ ہوگی، عذاب آجائے گا تو ہر شئے تباہ ہوجائے گی پھر ماننے کی فرصت کہاں ہوگی۔ کفر کا انجام تو تباہی ہے اور اس کا اظہار دنیا میں بھی ہوتا رہتا ہے۔

فرمایا: اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِىْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۶﴾ یا اللہ انہیں چلتے پھرتے پکڑ لے اور وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ اللہ اگر چلتے پھرتے، ہنستے بستے انسانوں کو تباہ کردے تو کیا وہ اس تباہی کو روک سکتے ہیں۔ پہلے بھی اقوام کو اپنی ترقی پر ناز تھا اور اس غرور کے تحت انہوں نے نبیوں کا انکار کیا اور اللہ کی پکڑ میں آگئے۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی انتہائی ترقی یافتہ ہونے کے باوجود منکرین کیا قدرتی مصیبتوں اور آفاتِ سماوی کو روک سکتے ہیں؟ یہ لوگ نہ زلزلوں کو روک سکے ہیں نہ تباہی پھیلانے والے سیلابوں کو۔ اسبابِ زندگی ان کے لیے موت کا سبب بن جاتے ہیں اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ۔۔۔۔ یا اللہ ان پر کسی قسم کا خوف مسلط کردے۔ دشمن کا خوف، جنگ کا خوف، بیماری کا خوف، کسی انہونی مصیبت کا خوف۔ آج کتنی ایسی عجیب وغریب بیماریاں ہیں جن کا کوئی تدارک نہیں ہوسکا جن سے ہر بندہ خوف زدہ ہے۔

فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾ یہ بھی اللہ کا کرم ہے کہ ان عذابوں سے ڈر کر بھی کوئی توبہ کرلے تو وہ رحمتِ الٰہی کو پالے گا۔ اللہ کی رحمت وسیع ہے اور اس کے کرم کی کوئی انتہا نہیں، وہ بڑی شفقت والا، بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

ہر شئے اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہے:

فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَىْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے جتنی چیزیں پیدا کی ہیں کسی نہ کسی وقت ان کے سائے جھک کر اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ بڑے بڑے پہاڑ، درخت، چٹانیں ہر ایک پہ ایسا وقت آتا ہے جب ان کی عاجزی سامنے آجاتی ہے۔ ہر شئے اللہ کی بارگاہ میں اپنی عاجزی کا اظہار کرتی ہے۔ سب اس ذاتِ بے ہمتا کے سامنے بے بس ہیں، وہ جسے جیسا چاہتا ہے ویسے رکھتا ہے۔ کوئی اپنی مرضی سے خود کو قائم نہیں رکھ سکتا۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ فرمایا، جو کچھ آسمانوں میں ہے وہ بھی سجدہ کرتا ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے وہ بھی۔ سب جان دار اس کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔ جانداروں اور بے جان اشیاء کسی میں یہ جرأت نہیں کہ وہ

انکار کرے اور اللہ کریم کے حکم کے سامنے اکڑ جائے۔ یہ اللہ کی ذات کا خاصہ ہے کہ وہ کسی کو پیدا کرے یا فنا کردے۔ کسی کو زندگی عطا کرے یا موت دے دے۔ ہر مخلوق بلا چون و چرا اُس کی اطاعت کرتی ہے اور کسی کے لیے تکبر کرنے یا اکڑنے کی گنجائش نہیں۔

جب شجر و حجر، پہاڑ و دریا ہر چیز اس کی اطاعت کی پابند ہے تو انسان کو کیا ہوا، جسے انسانی شرف بخشا گیا اور وہ انسانی شعور کو چھوڑ کر جانوروں سے بدتر کیسے ہو گیا؟ یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۞ تمام مخلوقات اپنے اس پروردگار سے ڈرتی ہیں جو ان سے بالا دست ہے۔ جس کا حکم ان پر نافذ ہوتا ہے جس کا حکم چل سکتا ہے۔

انسان کے علاوہ ساری مخلوق تکوینی امور کے تابع ہے:

کائنات کی ہر شئے کے آغاز و انجام کو دیکھیں، وہ اسی طرح رہتی ہے جس طرح اللہ اسے رکھنا چاہتا ہے۔ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۞ وہی کرتے ہیں جس کا حکم اللہ کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ انسان کے علاوہ ساری مخلوق تکوینی امور کی پابند ہے، جس طرح اللہ کا حکم ہوتا ہے اسی طرح کرتے ہیں، سرتابی کی کوئی گنجائش نہیں۔

تکوینی امور میں انسان بھی تابع ہے۔ نہ اپنا وجود خود بنا سکتا ہے نہ اپنی شکل خود تجویز کر سکتا ہے نہ اپنی عقل خود بنا سکتا ہے نہ اپنی روزی اپنی مرضی کے مطابق حاصل کر سکتا ہے، نہ اپنی صحت اپنی مرضی کی رکھ سکتا ہے نہ اپنی زندگی کی مدت گھٹا اور بڑھا سکتا ہے۔ یہ سارے فیصلے انسان بھی بے چون و چرا قبول کرتا ہے۔

جہاں ارادتاً اطاعت کی باری آتی ہے تو وہاں صرف انسان کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ اللہ کے دیے ہوئے اختیار کو استعمال کرلے۔ اسے بتا دیا گیا ہے کہ یہ راستہ اطاعت کا ہے اور یہ نافرمانی کا۔ اسے یہ شعور بھی دیا گیا ہے کہ وہ عظمتِ الٰہی کا ادراک کر سکے۔ اسے بتا دیا گیا ہے کہ اسے اختیار ہے کہ وہ ربّ کی اطاعت کرنا چاہتا ہے یا نافرمانی۔ صرف اسی اختیار کی وجہ سے انسان ایک راستہ اختیار کرتا ہے، اطاعت کا یا نافرمانی کا۔

حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا تھا کہ انسان کو کتنا اختیار دیا گیا ہے تو آپؓ نے فرمایا، اپنی ایک ٹانگ اٹھا لو، پھر فرمایا، دوسری بھی اٹھا لو۔ وہ کہنے لگا، دوسری کیسے اٹھاؤں؟ تو آپؓ نے فرمایا تمہارے پاس بس اتنا ہی اختیار ہے۔ یعنی انسان آدھی زندگی تقدیرِ الٰہی کے مطابق جیتا ہے۔ تکوینی امور میں اللہ کی تقسیم کا پابند ہے اور آدھی زندگی میں اللہ کے دیے ہوئے اختیار کو استعمال کر کے اطاعت یا نافرمانی کے راستے میں سے ایک کا انتخاب کرتا ہے۔

سورۃ النحل رکوع 7 آیات 51 تا 60

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ
فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ
اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ
تَجْـــَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ
يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾
وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْــَٔـلُنَّ عَمَّا
كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾
وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى
مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْۗءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي
التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ
السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾

اور اللہ نے فرمایا ہے کہ دو، دو معبود نہ بناؤ بے شک وہی اکیلا معبود ہے پس مجھ ہی
سے ڈرتے رہو ﴿۵۱﴾ اور سب کچھ اسی کا ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے
اور اُسی کی عبادت لازم ہے سو کیا تم اللہ کے سوا دوسروں سے ڈرتے ہو ﴿۵۲﴾ اور
تمہارے پاس جو نعمتیں بھی ہیں سو وہ اللہ کی طرف سے ہیں پھر جب تم کو تکلیف پہنچتی
ہے تو اُسی کے سامنے فریاد کرتے ہو ﴿۵۳﴾ پھر جب تم سے تکلیف کو ہٹا دیتا ہے تو

تم میں سے ایک فرقہ اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے ﴿۵۴﴾ تا کہ وہ ہماری عطا کردہ نعمت کی ناشکری کریں۔ تو (دنیا میں) فائدہ اٹھا لو پس عنقریب تم کو (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا ﴿۵۵﴾ اور لوگ ہماری عطا کی ہوئی چیزوں میں ان کا حصہ مقرر کرتے ہیں جن کو جانتے ہی نہیں۔ اللہ کی قسم جو جھوٹ تم باندھتے ہو اس کی تم سے ضرور پُرسش ہوگی ﴿۵۶﴾ اور اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں وہ اس سے پاک ہے اور اپنے لیے اپنی پسندیدہ چیز (بیٹے) ﴿۵۷﴾ اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی (پیدا ہونے) کی خوشخبری ملتی ہے تو اس کا چہرہ (افسوس کی وجہ سے) کالا پڑ جاتا ہے اور وہ دکھ سے بھر جاتا ہے ﴿۵۸﴾ (اور) اس خوشخبری کی برائی سے جو اسے دی گئی لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (سوچتا ہے) کہ ذلت برداشت کر کے اس (بیٹی) کو زندہ رہنے دے یا اسے زمین میں گاڑ دے۔ خوب جان لو! ان کی یہ تجویز بہت بری ہے ﴿۵۹﴾ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کی حالت بری ہے اور اللہ کی صفتیں اعلیٰ ہیں اور وہ بڑے زبردست، حکمت والے ہیں ﴿۶۰﴾

تفسیر و معارف

اللہ کا حکم اور اس کا ارشاد ہے کہ دو، دو معبود نہ بناؤ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ ایک وہ ہی اکیلا معبود ہے، عبادت کا مستحق ہے، تمام نعمتیں، تمام راحتیں اسی ایک کی طرف سے عطا ہوتی ہیں۔ یہی عقیدہ ہونا چاہیے اور اللہ ہی کی ذاتِ عظیم سے ہمہ وقت ڈرنا چاہیے، اس کی ناراضگی سے ڈرنا چاہیے، اس کی ناپسند کے قریب نہیں جانا چاہیے۔ انسان کی عادت عجیب ہے جب اس کا کام ہو جاتا ہے یا جسے اس نے مسئلہ سمجھ رکھا ہوتا ہے جب تک وہ حل نہیں ہوتا تب تک بڑا گڑگڑا کر دعائیں کرتا ہے۔ جب کام ہو جائے تو پھر اللہ کو بھول جاتا ہے پھر یا تو اپنے حسنِ تدبیر کا قائل ہو جاتا ہے کہ میں نے ایسا کر لیا یا اللہ کے سوا کسی اور کا ممنون ہو جاتا ہے کہ فلاں نے میرا یہ کام کر دیا۔ فرمایا جب کوئی نعمت ملتی ہے تو اللہ کی طرف سے ہے، اسی کا مزید شکر ادا کرو اور اس کی اطاعت پر مزید کاربند ہو جاؤ۔

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۔۔۔۔۔۔ جو کچھ زمینوں میں ہے یا

آسمانوں میں ہے۔ کائنات میں جو کچھ بھی ہے، سب اسی کی ملکیت ہے، سب اس کی اپنی تخلیق ہے، سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ جس چیز کو جب پیدا کرنا چاہتا ہے وہ پیدا ہوتی ہے، جس چیز کو وہ جب تک باقی رکھنا چاہتا ہے وہ رہتی ہے، جسے فنا کرنا چاہتا ہے وہ فنا ہو جاتی ہے، اس میں کسی اور کا کوئی دخل نہیں۔ ہر چیز اس کی اپنی ذاتی ملکیت ہے اور اس میں اس کا اپنا ذاتی تصرف ہے، وہ جو چاہے کرے۔ انسان کبھی تو اسباب کو ہی بڑا مان لیتا ہے کہ میں نے یہ تدبیر کی تو یہ کام ہو گیا۔ اپنے حسنِ تدبیر پر ناز کرتا ہے، کبھی کسی دوسرے کو اپنا حاجت روا سمجھ لیتا ہے کہ میں نے فلاں سے کہا تو اس نے میرا کام کر دیا۔

فرمایا، یہ باتیں غلط ہیں۔ جب کسی کو کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ اللہ ہی دیتا ہے جس نے اسے پیدا فرمایا ہے، جس نے وہ نعمت پیدا کی۔ وہ اس کی ذاتی ملکیت ہے، اس نے اس کو دی تو یہ اس کی عطا ہے۔ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ﴿۵۲﴾ انسان ہو کر اللہ سے نہیں ڈرتے اور مخلوق سے ڈرتے ہو۔ کمال بات ہے! یعنی کبھی بیٹھ کر سوچو کہ کسی نعمت کو ضائع کرنا یا کوئی نعمت عطا کرنا یہ منصب کس کا ہے؟ یہ تو اللہ کا اپنا ذاتی منصب ہے، اس کا کام ہے۔

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۔۔۔۔۔ کوئی بھی نعمت ہو زندگی، علم، دولت، نیکی، اچھائی، گھر بار، اولاد، جائیداد، حکومت، اقتدار، عہدہ اور اونچا مقام کوئی بھی نعمت جو تمہارے پاس ہے وہ اللہ کی عطا ہے، کوئی بھی نعمت جو کسی کے پاس ہے وہ محض اللہ کی عطا ہے۔

ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ﴿۵۳﴾ جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے، جب تم تکلیف میں ہوتے ہو، جب تم دکھی ہوتے ہو تو کس کی بارگاہ میں عاجزی کرتے ہو؟ جب پریشانی آجاتی ہے یا دکھ میں ہوتے ہو یا تکلیف میں ہوتے ہو تو پھر کس کو پکارتے ہو، کس کی بارگاہ میں گڑگڑاتے ہو، کس سے امید رکھتے ہو کہ مصیبت دور کرے گا؟ تو جب نعمت ملتی ہے تو پھر اس کا شکر ادا کیوں نہیں کرتے؟ پھر دوسروں کو حاجت روا سمجھتے ہو کہ اس نے میرا کام کر دیا۔ اس نے مجھے یہ دے دیا، وہاں سے مجھے یہ مل گیا یا میری اپنی لیاقت یا عقل مندی تھی کہ میں نے یہ کام کر دیا۔ فرمایا، جب نعمت ملتی ہے اس وقت بھی اسی کو یاد کرو جس کو مصیبت میں پکارتے ہو۔ یہ بھی اسی کا احسان ہے کہ اس نے عطا فرمائی۔

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ﴿۵۴﴾ جب وہ مصیبت دور ہو جاتی ہے، اللہ کریم دور فرما دیتے ہیں تو پھر بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس کی عظمت کے قائل نہیں ہوتے بلکہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے لگتے ہیں کہ فلاں نے میری مصیبت دور کر دی، فلاں دوست میرے کام آیا، فلاں افسر نے میرا کام کر دیا۔ پھر دوسروں کے شکر گزار ہوتے ہیں یا اسباب کے قائل ہو جاتے ہیں کہ

اس سبب سے ہو گیا۔ سبب بجائے خود کچھ نہیں ہوتا۔ سبب بھی اللہ کی مخلوق ہے۔ اس میں تاثیر بھی وہ خود پیدا کرتا ہے۔ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ اور یہ رویہ تو اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی ناشکری ہے۔ یعنی اللہ کریم عطا فرمائیں اور تم دوسروں کے شکر گزار ہوتے رہو یہ تو اللہ کی بہت بڑی ناشکری ہے۔ فَتَمَتَّعُوْا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ سنو! فائدہ اٹھالو، موج کرلو، چار دن کی زندگی تمہیں مہلت دی گئی ہے۔ جب تک حیاتِ مستعار ہے اور اللہ کی گرفت نہیں آتی تو موج کرلو۔ تمہیں جب اللہ نے اختیار دیا ہے تو وہ تمہارے کردار کو دیکھ رہا ہے لیکن تمہارے پاس بڑا تھوڑا سا وقت ہے، محدود سا وقت ہے اس میں جو کرنا ہے کرلو، عنقریب تم کو اس کا انجام معلوم ہو جائے گا اور بہت جلد ہر چیز سامنے آجائے گی یہ تمہیں پتا چل جائے گا کہ کس کام کا انجام کیا ہوا! وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ فرمایا، یہ معبودانِ باطلہ کے لیے خرچ بھی کرتے ہیں۔ معبودانِ باطلہ کو خوش کرنے کے لیے کبھی نذریں چڑھاتے ہیں، کبھی منتیں مانتے ہیں، کبھی جانور ذبح کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ تو وہ رزق ہے جو ہم نے تمہیں دیا یعنی تمہارے پاس جو رزق ہے وہ تو اللہ نے تمہیں دیا اور تم دوسروں کو معبود بنا کر اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے ان کی رضا کے لیے خرچ کرنے پر لگے ہو۔ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ اللہ کی قسم! اللہ کی عظمت اس بات پر گواہ ہے کہ ساری چیز کا حساب ہوگا، تم سے پوچھا جائے گا۔ اور یہ جو تم فرضی حاجت روا بنا کر ان کی خوشامد میں لگے رہتے ہو اس سب کا حساب ہوگا۔

فرمایا، عجیب لوگ ہیں وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔ فرمایا، ان سے پوچھو سُبْحٰنَهٗ وہ تو پاک ہے۔ سب چیزوں سے بالاتر ہے وہ واحد ہے، احد ہے، لاشریک ہے۔ جس کی اولاد ہوتی ہے اس کی جنس سے ہوتی ہے۔ اس سے کمزور بھی ہو تو بھی اس کی صفات اس میں موجود ہوتی ہیں۔ انسان کی اولاد انسان ہوتی ہے، جانور کی جانور ہوتی ہے۔ وہ تو ایسا لاشریک ہے کہ نہ تو اس کی ذات میں کوئی شریک ہے نہ اس کی صفات میں کوئی شریک ہے۔ وہ ان چیزوں سے پاک ہے۔ بالاتر ہے لیکن لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ اور اپنے لیے جو چیزیں انہیں اچھی لگیں وہ پسند کرتے ہیں۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ مشرکین کو دیکھو کہ جب ان کے اپنے گھر سے خبر آئے کہ بیٹی ہوئی ہے تو یہ دکھی ہو جاتے ہیں، پریشان ہو جاتے ہیں حالانکہ بیٹی بھی اللہ ہی کی عطا ہے، بیٹا بھی اللہ ہی عطا کرتا ہے۔ بعض بیٹیاں بہت خوش نصیب اور بہت نیک اور اطاعت شعار ہوتی ہیں۔ بعض بیٹے بڑے گستاخ اور رسوا کرنے والے ہوتے ہیں لیکن انسان کو دیکھو! یہ بہر حال اس تلاش میں رہتا ہے کہ بیٹا ہو تو خوش ہو جاتا ہے اور بیٹی ہو تو اس کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے، سمجھتا ہے کہ کیا مصیبت گلے پڑ گئی یعنی

جس چیز کو خود پسند نہیں کرتا وہ اللہ کے لیے پسند کرتا ہے۔ یہ اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور ان کے ہاں بیٹی ہو جائے تو اسے اپنے لیے باعثِ عار سمجھتے ہیں۔ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ چونکہ زمانہِ جاہلیت کے عرب اس بات سے بھی عار کرتے تھے کہ بیٹی ہو پھر اسے کسی کو بیاہ کر دیں، وہ ہمارا داماد بنے، اس کے اولاد ہو تو یہ ہماری شان کے خلاف ہے تو وہ بیٹیوں کو زمین میں زندہ گاڑ دیتے تھے۔ تو فرمایا، تمہیں تو بیٹی سے اتنا دُکھ ہوتا ہے کہ تم یہ سوچنے لگ جاتے ہو کہ بیٹی کا باپ ہونے کی ذلت برداشت کریں یا اسے زمین میں گاڑ دیں۔ جان لو! تمہارے یہ فیصلے بیٹیوں کو ناپسند کرنے کے بھی اللہ کی ناشکری ہے۔ اولاد بیٹے ہوں یا بیٹی، وہ اپنی طرف سے دیتا ہے۔

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، یہ سارے کام وہی کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں سب کچھ یہاں دنیا میں ہی ہے۔ یہاں شہرت مل جائے، یہاں دولت مل جائے، یہاں کوئی بڑائی مل جائے تو بڑی بات ہے۔ فرمایا، اصل بات یہ ہے کہ آخرت میں کیا نتائج سامنے آتے ہیں اور جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کا حال بہت ہی برا ہے، بہت ہی برے حال میں ہیں۔ دنیا پر فریفتہ ہونے کے باعث وہ آخرت سے پردے میں چلے گئے ہیں لیکن ایک دن تو ہر چیز سامنے آ جائے گی۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾ وہ زبردست ہے، غالب ہے، جو چاہے کر سکتا ہے۔

نادان لوگ حیران ہوتے ہیں کہ اللہ کے نافرمان دنیا میں اللہ کی پکڑ میں کیوں نہیں آتے؟ فرمایا: وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾ اس کی اپنی حکمت ہے۔ اس نے انہیں فرصت دی ہے، وہ دیکھتا ہے کہ وہ اس وقت میں کیا کرتے ہیں، بالآخر تو وہ گرفت میں آ ہی جاتے ہیں۔ موت تو ہر ایک پر آتی ہے اور حقائق کی دنیا میں پہنچا دیتی ہے، تصورات ختم ہو جاتے ہیں اور حقیقتیں سامنے آ جاتی ہیں۔

سورۃ النحل رکوع 8 آیات 61 تا 65

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ
يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً
وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝٦١ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ
الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۗ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ
مُّفْرَطُوْنَ ۝٦٢ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ
الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝٦٣ وَمَآ
اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى
وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝٦٤ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۗ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝٦٥

اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے پکڑنے لگیں تو زمین پر ایک جاندار کو بھی نہ
چھوڑیں ولیکن ان کو ایک مقررہ وقت تک مہلت دیتے ہیں پس جب ان کا وقتِ
معین آپہنچے گا تو ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے ﴿٦١﴾ اور
اللہ کے لیے وہ چیزیں تجویز کرتے ہیں جن کو خود ناپسند کرتے ہیں اور ان کی زبانیں
جھوٹ بولتی ہیں کہ ان کے لیے ہر طرح کی بھلائی ہے۔ یقینی بات ہے کہ ان کے
لیے دوزخ ہے اور یہ کہ وہ (دوزخ میں) سب سے آگے بھیجے جائیں
گے ﴿٦٢﴾ اللہ کی قسم آپ سے پہلے جو امتیں گزری ہیں یقیناً ہم نے ان کی طرف
پیغمبر بھیجے تو شیطان نے ان کو اُن کے اعمال (بد) آراستہ کر کے دکھائے تو آج بھی

وہی ان کا دوست ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿۶۳﴾ اور ہم نے یہ
کتاب آپ پر اس لیے نازل فرمائی ہے تاکہ جس بات میں ان لوگوں میں اختلاف
ہے آپ اس کا فیصلہ فرما دیں اور یہ ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت
ہے ﴿۶۴﴾ اور اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پس اس سے زمین کو اس کے مرنے
کے بعد زندہ کر دیا بے شک اس میں سننے والوں کے لیے نشانی ہے ﴿۶۵﴾

تفسیر و معارف

زبردستی نیکی کروانا مقصود نہیں:

فرمایا: وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ کفار کہتے ہیں کہ اگر ہم اللہ کی مرضی کے خلاف کر رہے ہیں تو پھر اللہ ہمیں پکڑ کیوں نہیں لیتا یا تباہ کیوں نہیں کر دیتا؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم جو کرتے ہیں وہ اللہ ہی کی مرضی سے کرتے ہیں۔ فرمایا، یہ بے وقوف اس بات کو کیوں نہیں سمجھتے کہ اگر اللہ کریم لوگوں کو ان کے جرائم اور گناہ کی وجہ سے پکڑنے لگیں عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى تو روئے زمین پر کوئی جاندار بھی نہیں بچے گا۔ اور دنیا کے بنانے کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ اگر ایسا ہو کہ جو اطاعت کرے وہ باقی رہے جو نہ کرے مارا جائے، تو اس کا مطلب زبردستی اطاعت کرانا ہے۔ حالانکہ اس طرح تو جو اختیار بندے کو دیا گیا، کتابیں اور انبیاءؑ بھیجے گئے اور نیکی اور بدی واضح کر دی گئی اور اسے ایک وقت تک مہلت دی گئی کہ وہ اپنے لیے کیا پسند کرتا ہے، وہ سارا فلسفہ ہی ختم ہو گیا۔ پھر تو ہر انسان مجبوراً نیکی ہی کرے گا کہ برائی کروں گا تو فنا ہو جاؤں گا، لہٰذا نیکی ہی کروں، تو زبردستی نیکی کرانا مقصود نہیں ہے۔ اللہ نے انسان کو اعلیٰ ترین شعور بخشا ہے، اپنی معرفت کا شعور، اپنی ذات اور صفات کو جاننے کا شعور بخشا ہے پھر اس شعور کو جلا دینے کے لیے انبیاء اور رُسل علیہم السلام مبعوث فرمائے۔ کتابیں نازل فرمائیں کہ غور کریں، سوچیں اور دیکھیں کہ کس طرف جا رہے ہیں۔ کفار کی یہ فضول سی بات اللہ کے سزا و جزا کے قانون کے خلاف ہے کیونکہ اللہ کریم نے خود یہ مہلت دی ہے جس کے بعد محاسبہ ہو گا کہ جب انسان کو ہدایت کے سامان مہیا کیے گئے تو اس نے کون سی راہ اختیار کی۔ آخرت کا سارا دارومدار اسی بات پر ہے لیکن انسان اللہ کے قبضہ قدرت سے باہر نہیں ہے۔ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾ بڑے بڑے بادشاہ، بڑے بڑے جابر اور خود کو خدا کہلوانے والوں کو بھی جب موت آتی ہے تو ایک لمحہ تاخیر نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی وقت سے پہلے مرتا ہے۔

یعنی قدرتِ باری سے کوئی شئے باہر نہیں ہے۔ وہ جب چاہتا ہے سارے موت کی نذر ہو جاتے ہیں۔ جب وقت آتا ہے تو سب کو جان دینا پڑتی ہے لیکن یہ کافر بے وقوف ہیں۔ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۔۔۔۔۔اللہ کریم کے لیے ایسی چیزیں پسند کرتے ہیں جو خود اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔ اس طرح کی صفات اس کی طرف منسوب کرتے ہیں جن سے ذاتِ الٰہی ماورا ہے جیسے کہتے ہیں فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، فلاں نبیؑ اللہ کا بیٹا ہے، ایسی فضول باتیں اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان کی زبانیں جھوٹ بولتی ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا میں ہم موج کر رہے ہیں تو اللہ ہی ہمیں کرا رہا ہے۔ اگر موت کے بعد کوئی زندگی ہے تو وہاں بھی وہ ہمیں ہی موج کرائے گا۔ یہ بہت بڑا جھوٹ ہے جو یہ بولتے ہیں لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾ اور یہ یقینی بات ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کے لیے دوزخ ہے اور اس طرح کے لوگوں کو جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں اور دوسروں کو اس راہ پر چلاتے ہیں دوزخ کی آگ ہے۔ اور جو ان کے امام بنے ہوئے ہیں انہیں دوسروں سے پہلے، پیروی کرنے والے سے پہلے، دوزخ میں جھونکا جائے گا۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ ۔۔۔ عظمتِ الٰہی اس بات کی گواہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی امتوں میں بھی اللہ نے نبیؑ بھیجے، اللہ کی کتابیں بھی آئیں اور اللہ کے رسولؑ بھیجے گئے تو ان کے ساتھ کیا ہوا؟ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ ۔۔۔۔۔شیطان نے انبیاءؑ اور رسلؑ کی مخالفت کو ایسا سجا سنوار کر کفار اور مشرکین پر پیش کیا کہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ بڑی بہادری کر رہے ہیں کہ انبیاءؑ کی مخالفت پر ڈٹ گئے ہیں، ان کی بات نہیں مان رہے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ بڑے ذہین اور بڑے دانا ہیں۔ جن لوگوں نے انبیاءؑ کی بات مان لی ہے وہ عقلمند نہیں ہیں جو خواہ مخواہ ایک آدمی کے پیچھے چل پڑے اور صدیوں سے باپ دادا کی رسومات، باپ دادا کے طریقے اور عقیدے کو چھوڑ دیا۔ فرمایا، یوں شیطان ان کے لیے شرک و کفر کو بنا سنوار کر پیش کرتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ بڑی بہادری دکھا رہے ہیں، بہت بڑا کام کر رہے ہیں جبکہ حق یہ ہے فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ کہ انہیں شیطان ہی کی سنگت ہمیشہ نصیب ہوگی حتیٰ کہ روزِ قیامت بھی وہ شیطان ہی کے ساتھ ہوں گے۔ جو حشر اس کا ہوگا وہی حشر ان کا بھی ہوگا۔ انہوں نے اسی کی رفاقت قبول کی۔ اس بات پر خوش ہیں کہ وہ برائی کو ان کے سامنے بنا سنوار کر پیش کرتا ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ہر برا آدمی کبھی برائی پر شرمندہ نہیں ہوتا۔ شرمندہ ہو تو توبہ کر لے۔ اگر کسی کو احساس ہو میں نے غلطی کی ہے تو اسے توبہ نصیب ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ النَّدَمُ التَّوْبَةُ (ابن ماجہ) کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ گناہ پر دل میں ندامت کا ہونا ہی حقیقی توبہ ہے جو نادم

ہوتا ہے یا جسے اپنی برائی کا احساس ہوتا ہے کہ اس نے غلط کیا تو وہ توبہ کر لیتا ہے اور جو گناہ پر ڈٹ جاتے ہیں انہیں شیطان گمراہی کو بنا سنوار کر دکھاتا ہے۔ اور یہ محفلوں میں بڑے جوش و خروش سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے نبی علیہ السلام کی بات نہیں مانی۔ کوئی بڑے فخر سے کہتا ہے میں نے دس قتل کر دیے تو کوئی کہتا ہے میں نے پندرہ ڈاکے ڈالے۔ یہ محافل میں ان باتوں پر فخر کرتے ہیں حالانکہ برائی پر فخر کرنا شیطان کا بہکاوا ہے۔ وہ خود کو بڑا بہادر، بڑا طاقتور اور بڑا دلیر سمجھتے ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ انہیں اسی کا ساتھ نصیب ہوگا اور میدانِ حشر میں وہ شیطان کے ساتھ کھڑے ہوں گے، ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ۔۔۔۔

فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہم نے جو کتاب نازل فرمائی ہے اس کے کئی پہلو ہیں اور سب سے پہلا اور ضروری پہلو یہ ہے لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں پر کھول کر بیان فرمائیں جن چیزوں میں انہیں اختلاف ہے۔

یہ بات پھر دہرائی گئی کہ کتاب وصول کرنا صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہے۔ جب وحی نازل ہوتی تھی تو کسی دوسرے شخص کو سنائی نہیں دیتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی مرتبہ صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں وحی نازل ہوئی، وحی کی حالت طاری ہوئی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کیفیت سے باہر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے تو اس سے آپ لوگ کیا سمجھتے ہیں، اس کا کیا مطلب ہے یا آپ کیا جانتے ہیں؟ تو عرض کیا گیا کہ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں کہ اس سے کیا مراد ہے۔ جس طرح وحی کو وصول کرنے میں، آیات کو ان کے مقام پر درج کروانے اور اس طرح قرآن مکمل کروانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے ہیں، اسی طرح اس وحی کا مفہوم متعین کرنا بھی صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی منصبِ رسالت ہے۔ اور قرآن کریم کی وہی تفسیر درست ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ورنہ تو عربی میں ایسے الفاظ بھی ہیں جن کے معنی متضاد ہیں یعنی ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہیں۔ جیسے عربی میں ایک عام لفظ استعمال ہوتا ہے، ''مولیٰ''، مولیٰ کا معنی مالک بھی ہے اور مولیٰ کا معنی آزاد کردہ غلام بھی ہے، یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ غلام آزاد کردہ بھی ہو تو وہ غلام آزاد کردہ ہے، اسے بھی مولیٰ کہتے ہیں۔ مالک کو بھی مولیٰ کہتے ہیں۔ قرآن میں جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے وہاں اس کا کون سا معنی مراد ہے؟ اس کا معنی متعین فرمائیں گے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا منصب جلیلہ ہے۔ عربی میں بعض الفاظ ایسے بھی ہیں کہ ایک لفظ کے سو معنی بنتے

ہیں۔اب اگرایک لفظ کے سو سے زائد معنی ہیں تو کون سا معنی مراد لیا جائے گا؟ یہ متعین کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا وہی صحیح معنی ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا معنی بیان کرے گا تو وہ صحیح نہیں ہے۔اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ مبارک کو بھی اسی طرح ماننا پڑتا ہے جس طرح قرآن کو مانتے ہیں کہ یہ حق ہے۔ اسی طرح حدیث شریف پر بھی ایمان لانا ضروری ہے اور حدیث کا منکر ویسا ہی کافر ہے جیسا قرآن کا منکر کافر ہے۔

حدیث شریف میں یہ تحقیق کرنا درست ہے کہ دیکھا جائے کہ کیا یہ واقعی حدیث ہے؟ لیکن یہ ہر کس و ناکس کے کرنے کا کام نہیں۔ آئمہ حدیث نے جن سے اللہ کریم نے یہ خدمت لی، بڑی محنت کر کے بڑی جانفشانی سے عمریں لگا کر وہ تحقیق مکمل کر دی۔اب وہ بہت خوبصورت انداز میں ہر جگہ دستیاب ہے۔ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴿۶۴﴾ دوسری صفت اس کتاب کی یہ ہے کہ یہ سراپا ہدایت ہے۔ ہدایت کہتے ہیں صحیح راہنمائی کو۔ ہر راہنمائی ہدایت نہیں ہوتی ورنہ تو شیطان بھی راہنمائی کرتا ہے لیکن وہ گمراہی ہوتی ہے۔ گمراہ لوگ بھی راہنما بن جاتے ہیں، مبلغ بن جاتے ہیں، دعوت دیتے ہیں۔ ہر فرقہ، ہر غیر اسلامی مذہب، ہر کافر طبقہ، مشرک، بت پرست، ہر کوئی دعوت دیتا ہے لیکن ہر دعوت ہدایت نہیں بن جاتی۔ ہدایت وہ ہوتی ہے جو صحیح راہنمائی ہو، غلطی سے پاک ہو۔ تو یہ کتاب حق کی طرف راہنمائی کرتی ہے کہ لوگوں میں نظریات وعقائد کے جو اختلافات ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی وضاحت فرمادیں۔ اور سارے اختلافات کو حل کر کے سیدھا راستہ متعین فرمادیں۔اور یہ کتاب سراپا ہدایت ہے، اس کا ہر حکم نیکی طرف لے جاتا ہے، بخشش کی طرف لے جاتا ہے اور رضائے الٰہی کی طرف لے جاتا ہے۔ اپنے وجود میں بھی یہ کتاب سراپا رحمت ہے۔ ایمان والوں کے لیے باعثِ رحمت ہے۔ مومن اسے پڑھتا ہے تو اللہ کی رحمت نصیب ہوتی ہے۔ یوں تو مشرکین اور کفار نے بھی قرآن کو بہت پڑھا ہے اور بڑے تجزیے کیے ہیں۔ عربی زبان سیکھی، صرف ونحو سیکھی، گرامر سیکھی اور اس کی بڑی تحقیق کی لیکن اس ساری تحقیق سے انہیں صرف اعتراض ملے، ہدایت نہ ملی۔ یعنی رحمت کو پانے کے لیے ایمان شرط ہے۔ البتہ جن میں کچھ خوفِ الٰہی تھا وہ مسلمان ہو گئے، انہیں ہدایت مل گئی۔ جو کافر ہی رہے انہیں ساری کتاب اللہ میں صرف اعتراضات سوجھے، کوئی بات کام کی نظر نہ آئی۔ یہ ایمان اور عقیدے کا فتور ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے بارش برس رہی ہے لیکن ایک شخص نے برتن ہی اُلٹا رکھا ہے تو اس برتن میں کیا آئے گا؟ ایمان ہی صحیح نہیں ہے تو قرآن پر تحقیق کرنے اور اس کے معنی تلاش کرنے سے کیا ملے گا؟ ایمان ہو تو پھر برکات نصیب ہوتی ہیں۔ دل روشن ہوتے ہیں، نور نصیب ہوتا ہے، روشنی نصیب ہوتی ہے۔ اللہ کی عظمت کا احساس نصیب ہوتا ہے۔ بھلائی نصیب ہوتی ہے۔ فرمایا، یہ کتاب سراپا رحمت ہے لیکن ایمان والوں کے لیے۔ رہی یہ بات کہ کفار کو یہ اعتراض

ہے کہ کیسے اتنی مخلوق دنیا میں آ رہی ہے اور مر رہی ہے اور مر کر مٹی میں مل رہے ہیں۔ ان کی ہڈیاں تک مٹی کھا جاتی ہے، گوشت پوست مٹی ہو گئے۔ خاک میں مل گئے آگے کہاں کہاں وہ خاک پہنچی۔ کہاں گئے، کہاں نہیں گئے۔ تو ان کو کیسے زندہ کیا جائے گا؟ فرمایا، سادہ سی بات ہے تم دیکھ لو! وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝ جب بارشیں نہیں ہوتیں جب موسم خزاں آتا ہے تو زمین پر کتنے پودے کتنی فصلیں، کتنے درخت، کتنی گھاس خشک ہو کر خاک ہو جاتی ہے، ہوا میں اُڑ جاتی ہے۔ دھول مٹی بن جاتی ہے تباہ ہو جاتی ہے۔ زمین چٹیل ہو جاتی ہے، مردہ ہو جاتی ہے۔ اس میں زندگی کی رمق باقی نہیں رہتی، کوئی تنکا ہرا نظر نہیں آتا۔ جب اللہ کریم بارشیں برساتے ہیں تو ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہو جاتا ہے۔ میدان، پہاڑ ہر چیز سبزے سے بھر جاتی ہے۔ یہ کھربوں تنکے چند لمحوں میں کیسے بن گئے، کس نے بنائے یہ تو تباہ ہو گئے تھے۔ تمام پتے خزاں میں جھڑ کر مٹی میں مل جاتے ہیں جب بہار آتی ہے تو پھر اسی طرح کے اور پتے درختوں پر لگ جاتے ہیں اور وہ درخت سرسبز ہو جاتے ہیں۔ یہ کروڑوں اور اربوں پتے کون پیدا کرتا ہے۔ فرمایا، یہ موت اور زندگی کا کھیل تو تمہارے سامنے ہے۔ بے شمار مخلوق فنا بھی ہو رہی ہے اور بے شمار مخلوق پیدا بھی ہو رہی ہے۔ اور ذرا اسی منظر کو دیکھ لو کہ پل بھر میں کس طرح سبزے کا فرش بچھ جاتا ہے، کس نے سبزہ اُگایا، کوئی گن سکتا ہے کہ کتنے تنکے ہیں یا کتنی گھاس ہے! تو وہی قادر میدانِ حشر میں اسی طرح ساری مخلوق کو کھڑا کر دے گا۔ آنِ واحد میں سب زندہ ہو جائیں گے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً فرمایا، ان چیزوں میں جو تمہارے گرد بکھری پڑی ہیں بہت دلائل ہیں لیکن لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝ یہ ان لوگوں کے لیے ہیں جو کسی کی تو سنتے ہیں۔ صرف اپنی بات پر اڑے رہنے سے ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ جنہیں اللہ نے یہ سعادت بخشی ہے کہ دلیل سن کر اس پر غور کرتے ہیں، اس کو قبول کرتے ہیں، وہی ہدایت پاتے ہیں۔ جس نے یہ طے کر لیا ہو کہ میں نے بات تو سننی ہی نہیں، اپنی ہی بات پر اڑے رہنا ہے تو اسے ہدایت کہاں نصیب ہو گی۔

سورۃ النحل رکوع 9 آیات 66 تا 70

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَاِنَّ لَكُمۡ فِى الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَةً ؕ نُسۡقِيۡكُمۡ مِّمَّا فِىۡ بُطُوۡنِهٖ مِنۡۢ بَيۡنِ فَرۡثٍ وَّدَمٍ
لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيۡنَ ﴿٦٦﴾ وَمِنۡ ثَمَرٰتِ النَّخِيۡلِ وَالۡاَعۡنَابِ
تَتَّخِذُوۡنَ مِنۡهُ سَكَرًا وَّرِزۡقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿٦٧﴾
وَاَوۡحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِىۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُيُوۡتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا
يَعۡرِشُوۡنَ ﴿٦٨﴾ ثُمَّ كُلِىۡ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسۡلُكِىۡ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخۡرُجُ
مِنۡۢ بُطُوۡنِهَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ فِيۡهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿٦٩﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ ثُمَّ يَتَوَفّٰٮكُمۡ ۛؕ وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرَدُّ اِلٰٓى
اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ لِكَىۡ لَا يَعۡلَمَ بَعۡدَ عِلۡمٍ شَيۡـئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ قَدِيۡرٌ ﴿٧٠﴾

اور بے شک تمہارے لیے (تمہارے) چوپایوں میں بھی عبرت (غور در کار)
ہے کہ ان کے پیٹوں میں جو گوبر اور لہو ہے اس کے درمیان سے تم کو خالص دودھ
پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے خوش گوار (آسانی سے حلق سے اترنے والا)
ہے ﴿٦٦﴾ اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم نشہ کی چیز (شراب) اور عمدہ
کھانے کی چیزیں بناتے ہو بے شک اس میں عقل مندوں کے لیے بڑی دلیل
ہے ﴿٦٧﴾ اور آپ کے پروردگار نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ
پہاڑوں میں اور درختوں میں اور اونچی اونچی عمارتیں جو لوگ بناتے ہیں ان میں
گھر بنا ﴿٦٨﴾ پھر ہر قسم کے پھلوں میں سے کھا (چوستی پھر) پھر اپنے پروردگار
کے مسخر (آسان) کیے ہوئے راستوں پہ چل۔ ان کے پیٹوں سے مختلف رنگوں

کی پینے کی چیز نکلتی ہے اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔ بے شک اس میں سوچنے والوں کے لیے بڑی دلیل ہے ﴿۶۹﴾ اور اللہ نے تم کو پیدا فرمایا پھر تم کو قبض فرمائے گا (موت دے گا) اور بعض تم میں سے ناکارہ عمر تک پہنچائے جاتے ہیں کہ بہت کچھ جاننے کے بعد ہر چیز سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ بے شک اللہ بڑے علم والے بڑی قدرت والے ہیں ﴿۷۰﴾

تفسیر و معارف

عظمتِ الٰہی کے دلائل:

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ فرمایا، یقیناً تمہارے لیے چار پایوں اور حیوانات میں بھی بہت عبرت کا سامان ہے اور عظمتِ الٰہی کے دلائل ہیں۔ آپ لوگ دیکھتے ہیں، کہ ان کے پیٹوں میں گوبر بھرا ہوتا ہے اور رگوں میں خون دوڑ رہا ہوتا ہے لیکن اسی جانور کے پیٹ میں انہی رگوں، انہی ریشوں سے اللہ کریم خالص دودھ پیدا فرما دیتے ہیں جو پینے والوں کے لیے بہت خوشگوار اور بہت مزیدار ہے۔ اللہ کی قدرت ہے کہ جانور ذبح کر لیں تو پاؤ دودھ نہیں نکلتا اور اسی جانور سے صبح شام کتنی مقدار میں دودھ حاصل کر لیتے ہیں تو کون ایسا کرتا ہے؟ دودھ اللہ کی ایک ایسی نعمت ہے جو پیاس بھی بجھاتا ہے اور خوراک کا کام بھی دیتا ہے۔ تو وہ کون ہے جس نے ایسا نظام بنا دیا کہ اسی گوبر اور خون میں سے الگ کر کے ایسی بہترین نعمت پیدا فرما دیتا ہے جو شب و روز تمہارے کام آتی ہے۔

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۚ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ اور بے شمار خوبصورت پھل پیدا فرمائے۔ کھجوریں، انگور اور اس طرح کے بے شمار پھل۔ اب یہ انسانی اختیار پر منحصر ہے کہ وہ انہی بہترین پھلوں یعنی انگور، کھجور سے شراب بنانے لگ جاتا ہے۔ کچھ اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں جو اسے خوبصورت انداز سے، پاکیزہ اور طیب طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ اللہ کریم نے جہاں پھلوں میں مختلف خصوصیات رکھ دی ہیں وہاں انسان کو عقل و شعور بھی بخشا ہے، طریقے اور سلیقے بھی سکھا دیے ہیں۔ اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ ان چیزوں کو کس طرح استعمال کرتا ہے۔ فرمایا، اور جو لوگ کچھ شعور رکھتے ہیں ان کے لیے اس میں عظمتِ الٰہی کے بڑے دلائل ہیں۔ جیسے کھجور بہترین غذا ہے اور طبی اعتبار سے بھی جسم کی

ساری ضرورتوں کو پورا کرتی ہے۔ میں نے بنگال میں دیکھا ہے وہ کھجور کے تنوں کو چیر لگا کر اس کے ساتھ برتن باندھ دیتے ہیں۔ اس برتن میں کھجور کا رس گرتا رہتا ہے پھر اسے گرم کر کے اس کا بہترین گڑ بناتے ہیں جو ڈھاکہ میں دکانوں پر ملا کرتا ہے۔ کھجور نہایت لذیذ پھل ہے، ایک بہترین غذا بھی ہے اور بہت سے امراض کی دوا بھی ہے۔ اسی طرح انگور بہترین غذا بھی ہے، دوا بھی ہے لیکن بدنصیب لوگ اس سے بھی شراب بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے پھل بھی ہیں۔ اب انسان جب استعمال کرنے پر آتا ہے تو اگر وہ قدرتِ باری پر غور کرے کہ کس طرح کا پھل اللہ نے اس ایک چھوٹی سی جھاڑی پر، بیل پر لگا دیا تو اسے اللہ کے حکم کے مطابق اور جائز طریقے سے استعمال کرے گا۔ جب عظمتِ الٰہی کو بھول جاتا ہے تو اسی پاک اور طیب پھل سے شراب بنانے لگ جاتا ہے اور اللہ کے منع کیے ہوئے طریقے سے اسے استعمال کرتا ہے۔

تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا فرمایا، تم اچھی غذا کو خراب کر کے استعمال کر لیتے ہو اور اللہ کے بندے اسے پاکیزہ، طیب، جائز اور حلال طریقے سے رِزْقًا حَسَنًا کے طور پر استعمال کرتے ہیں لیکن تم بھی اگر غور کرو تو قدرتِ باری کی عظمت دیکھ سکتے ہو۔ کھجور کا درخت ہرا بھی ہو تو ایسا لگتا ہے کہ کوئی خشک سا تنا کھڑا ہے، اس کے پتے دیکھیں تو عجیب وغریب سے ہیں لیکن جب اس پر پھل لگتا ہے تو اس پھل کی نرمی، اس کی شیرینی، اس کی لذت اور اس کے اثرات دیکھیں تو حیرت ہوتی ہے کہ ایسے سخت قسم کے تنے سے اور اتنے کرخت قسم کے پتوں سے اور ایسی جھاڑی سے ایسا خوبصورت پھل آ رہا ہے۔ تو کون ہے جو یہ سب کچھ پیدا فرماتا ہے؟ اللہ کے علاوہ کسی انسان میں یا بت میں کوئی جرأت ہے کہ ایسی چیز تخلیق کر سکے!

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿٦٨﴾ آپ کا پروردگار ایسا کریم ہے کہ اس نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی، اس کے دل میں یہ فن ڈال دیا، قدرتی طور پر اسے یہ فن سکھا دیا، اسے یہ سلیقہ سکھا دیا کہ تم پہاڑوں میں گھر بناؤ۔ اونچی اونچی عمارتوں میں گھر بناؤ، درختوں پر گھر بناؤ۔ ایسا سلیقہ اس کے دل میں، اس کے ذہن میں ڈال دیا کہ ایک ادنیٰ سی مکھی ہے اس کے رہن سہن کے نظام پر غور کریں تو پورا ایک ریاست کا نظام ہے۔ کچھ مکھیاں ہیں جو کارکن ہیں جو شہد بناتی ہیں کچھ ایسی ہیں جو گھر یعنی چھتا بناتی ہیں، ان کے پیٹ سے موم نکلتا ہے جس سے وہ شہد کا چھتا بناتی ہیں۔ اس چھتے میں لاکھوں ہزاروں گھر ہوتے ہیں لیکن ایسے سلیقے سے بناتی ہیں کہ ہر گھر ایک جیسا اور اس کے پہلو برابر ہوتے ہیں۔ اس کے سارے پہلوؤں کا سائز بھی برابر ہوتا ہے، اور ان کی خوبصورتی اور صفائی بھی ایک جیسی ہوتی ہے۔ ان مکھیوں میں سے کچھ محافظ ہیں، سپاہی ہیں جو صرف چھتے کی حفاظت کرتی ہیں۔ وہ کسی مکھی کو اس کے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیتیں، کسی دوسرے چھتے کی مکھی آ جائے تو اسے مار دیتی ہیں۔ اور نظم وضبط ایسا ہے

کہ اگر اسی چھتے کی مکھی بھی ہو لیکن وہ کہیں غلاظت پر بیٹھ جائے اور واپس چھتے پر آئے تو وہ محافظ مکھیاں اسے مار دیتی ہیں، اسے چھتے میں نہیں رہنے دیتیں۔ اب یہ اتنی چھوٹی چھوٹی باتیں انہیں کس نے سکھائیں، کس نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی، کس نے انہیں یہ شعور بخشا؟ ایک ملکہ ہوتی ہے سارا چھتا اس کے ماتحت ہے۔ سارے اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ وہ چھتا چھوڑ کر کہیں چل دیتی ہے تو ساری مکھیاں اس کے ساتھ پرواز کر جاتی ہیں، جہاں وہ بیٹھتی ہے تو وہاں نیا چھتا بنانا شروع کر دیتی ہیں۔ یہ ایک پورا نظام ہے کہ کچھ کارکن ہیں، کچھ محافظ ہیں اور کچھ بچے پیدا کرنے والی ہیں۔ یہ اللہ کا بنایا ہوا نظام ہے اور اس کے حکم کے مطابق ہمہ وقت جاری رہتا ہے۔ وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ اللہ کریم نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ صاف ستھری، گرد و غبار سے پاک جگہوں پر، اونچے اونچے گھر بناؤ۔ درختوں میں، اونچے اونچے مکانوں کے ساتھ، پہاڑوں میں بناؤ اور ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ۔۔۔ ہر قسم کے پھلوں سے رس حاصل کرو۔

فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اور اپنے پروردگار کے آسان کیے ہوئے راستوں پر چلو۔ آپ مشاہدہ کریں تو دیکھیں گے کہ شہد کی مکھی کبھی پھول سے اڑ کر سیدھی چھتے پر نہیں جاتی تا کہ دیکھنے والا اس سے چھتے کے مقام کا اندازہ نہ کر سکے۔ اللہ نے اسے ایسی تعلیم دی ہے۔ جانوروں کی عادات پر تحقیق کرنے والے لکھتے ہیں کہ شہد کی مکھی پھول سے رس چوس کر واپس چھتے تک آنے میں کم از کم 20 ہزار چکر لگاتی ہے۔ اوسطاً ایک مکھی 20 ہزار چکر لگا کر چھتے تک پہنچتی ہے۔ شہد کے متلاشی کسی برتن کو بلند جگہ پر رکھ کر اس پر تھوڑا سا شہد لگا دیتے ہیں۔ شہد کی مکھی آتی ہے شہد لیتی ہے اور جب وہ اڑتی ہے تو یہ اس کا پیچھا کر کے اس کے چھتے تک پہنچ جاتے ہیں۔ وہ مکھی بہت سے راستے بدلتی بدلتی چھتے تک پہنچ جاتی ہے۔ اس طرح بڑی کاوش اور بہت وقت لگا کر وہ شہد کے چھتے تک پہنچتے ہیں۔ اللہ کریم نے اسے ایسا بنایا ہے کہ وہ راستہ نہیں بھولتی، وہ بھول کر دوسرے چھتے پر نہیں جاتی۔ غاروں میں، پہاڑوں کی کھوؤں میں، مکانوں پر، درختوں پر چھتے لگاتی ہے اور کہیں کہیں تو بے شمار چھتے ایک ہی جگہ پر لگے ہوتے ہیں۔ کسی باغ میں، کسی جنگل میں، ہر دوسرے تیسرے درخت کے ساتھ چھتا لگا ہوتا ہے کوئی مکھی بھول کر کسی دوسرے چھتے میں نہیں جاتی۔ اپنے چھتے میں ہی جاتی ہے۔ فرمایا، اسی طرح ہدایت کا راستہ اللہ کریم نے تمہارے لیے آسان کر دیا ہے۔

پھر اس کے پیٹ سے جو مادہ نکلتا ہے وہ مختلف طرح کی پینے کی چیز ہے۔ اس کے رنگ بھی مختلف ہوتے ہیں اور اس میں مختلف بیماریوں کی شفاء بھی ہے۔ انہیں اللہ کریم نے اس ادنیٰ سی، حقیر سی مخلوق مکھی کو یہ

کمال بخشا ہے کہ وہ پھلوں سے، پھولوں سے رس لے کر ایسا خوبصورت شہد بناتی ہے جو غذا بھی ہے، دوا بھی ہے ہر مرض کا اس میں علاج ہے، شفا ہے۔ بے شمار امراض میں اسے استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی جگہ جل جائے تو اس پر شہد لگا دیں۔ دانت میں درد ہے تو کسی چیز پر شہد لگا کر اوپر رکھ دیں۔ آنکھ کا بھی بہترین علاج ہے۔ آنکھ میں زخم بھی ہو جائے تو تھوڑا سا شہد لگائیں ٹھیک ہو جاتا ہے۔ تو اللہ کریم نے اس میں بے شمار امراض کا علاج رکھا ہے۔ تاریخِ طب میں ملتا ہے کہ ایک طبیب نے انسانی امراض کو آٹھ حصوں پر تقسیم کیا۔ پھر اس نے آٹھ قسم کی جڑی بوٹیاں تلاش کیں اور ان کے باغیچے بنائے پھر ان میں مکھیوں کے چھتے لگائے یوں وہ آٹھ قسم کا شہد تیار کیا کرتا تھا۔ اور ہر مرض کا علاج انہیں آٹھ قسم کے شہد سے کرتا تھا۔ اب یہاں بھی کئی قسم کے شہد ملتے ہیں، کہیں بیری کا، کہیں پھلائی کا۔ ان میں سے ہر ایک کی خصوصیات مختلف ہیں جو مختلف امراض کیلئے مفید ہیں۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٦٩﴾ فرمایا، جو لوگ مظاہرِ قدرت میں کچھ تفکر کرتے ہیں، کچھ سوچتے ہیں، انہیں سمجھ آجاتی ہے کہ اس سب کا خالق اللہ ہے۔ وہی یہ کر سکتا ہے، کسی دوسرے میں سکت نہیں ہے۔ ادنیٰ سی مکھی ہے، کسی کو کاٹ لے تو کتنی تکلیف پہنچتی ہے۔ اس میں اتنا زہر ہے کہ اگر کسی کو اکٹھی پندرہ بیس کاٹ لیں تو بندہ مر بھی سکتا ہے۔ اللہ نے اسے ایسے طریقے سکھا دیے ہیں کہ وہ کس سلیقے سے رس نکال لیتی ہے۔ پھر قدرت نے اس کے پیٹ میں کس طرح کا کارخانہ لگایا ہے کہ وہی رس اس کی غذا بھی ہے، اسی رس میں سے انسانوں کی غذا اور دوا، شہد جیسی خوبصورت چیز پیدا ہوتی ہے جو بے شمار امراض کے لیے شفا ہے۔ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ۔۔۔۔۔ جس میں اللہ نے نسلِ انسانی کے لیے شفا رکھ دی ہے۔ اس میں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ انسان کو اللہ نے شعور بخشا ہے تو وہ صرف اسی فکر پہ رہ جائے کہ صبح شام کھائیں گے کیا اور اسے صرف پیٹ بھرنے، بچے پالنے اور گھر بنانے کی فکر ہی لاحق رہے تو یہ فکر انسانی نہیں ہے، یہ فکر تو ہر جاندار کو ہے۔ پرندہ گھونسلہ بناتا ہے، جنگل کے درندے بھی اپنی کھوہ بنا لیتے ہیں۔ ضرورت کے مطابق بچے بھی پال لیتے ہیں، اپنی خوراک کا اہتمام بھی کر لیتے ہیں۔ انسان کو اس سے آگے جانا چاہیے اور اللہ کی تخلیقات پر غور کر کے اپنے خالق کی عظمت سے آشنا ہونا چاہیے۔ اس میں دلائل تو بہت ہیں لیکن سوچنے والوں کے لیے۔ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٦٩﴾ جو کبھی یہ سوچتے بھی ہیں کہ یہ سب کچھ کیا ہے، یہ کیسے ہوا، اس چھوٹی سی مکھی کو یہ خصوصیت کیسے مل گئی۔ اس تنے کو یہ خصوصیت کیسے مل گئی کہ اس میں اتنا خوبصورت پھل آرہا ہے۔ اس چھوٹی سی بیل میں اتنا بہترین پھل لگا دیا۔ ایک عجیب درخت ہے۔ پتوں سے لپٹا ہوا جس کا تنا پتے ہیں اس کے ساتھ پھل لگا دیا یعنی کیلا، چھلکے میں بند،

بہت پُرلذّت پھل ہے، ایسے لگتا ہے جیسے کسی نے چھلکے میں حلوہ بند کر دیا ہو۔ کسی پودے پہ کیلے، کسی پر انار لگا دیے۔ ایک انار کو کھول لیں اور اس کے دانے نکال لیں تو پھر دنیا کا کوئی کاریگر انہیں اس طرح سے اس میں جمع نہیں کر سکتا جس طرح اللہ نے پروئے ہیں۔ ہر دانہ اپنے اپنے خانے میں ہے۔ ان کے درمیان چھوٹے چھوٹے پردے ہیں۔ وہ موتیوں اور ہیروں کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔ کون جوڑتا ہے اسے درخت کے ساتھ؟ جب کہ اس کا تنا بھی خشک سا ہوتا ہے۔ اس پر کیسے اتنا رس بھرا پھل لگا تا ہے جس میں کتنی عجیب قسم کی شیرینی بھر دیتا ہے لیکن یہ سب چیزیں سوچنے سے، غور کرنے سے، فکر کرنے سے سمجھ آتی ہیں اگر فکر انسانی ہو تو!

تم اپنے آپ کو ہی دیکھ لو! جس طرف نظر کرو گے تمہیں قدرت کے شاہکار نظر آئیں گے۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ وہ تمہیں کتنے عجیب طریقے سے پیدا فرماتا ہے۔ انسانی ذرّات کہاں کہاں بکھرے ہوتے ہیں اور اس مٹی کو اللہ کریم کتنے روپ عطا کرتے ہیں۔ اس سے درخت پیدا ہو کر پھل بنتے ہیں۔ اسی مٹی کے وہ ذرّات ہیں جو درختوں میں ہیں۔ ان کے رس میں بھی اور ان کے پھلوں کے دانوں میں بھی۔ پھر کون سا ذرّہ کس انسان کے وجود کا حصہ بنتا ہے یہ اسی کو پتا ہے۔ کہاں کہاں سے چیزیں چلتی ہیں۔ کہیں سے چاول آتا ہے، کہیں سے دال آتی ہے، کہیں سے غلہ، کہیں سے گوشت آتا ہے، کہیں سے دودھ۔ بے شمار لوگ کھاتے ہیں پتا نہیں کس کس مٹی کے کون کون سے سیل ذرّے، کس کس دانے میں ہیں اور اللہ نے انہیں کس کے وجود کا حصہ مقرر کیا ہے۔ اور وہ کس انسان تک پہنچ کر خلیات (Cell) بن کر اس کا وجود بناتے ہیں یہ اللہ کریم کا اپنا نظام ہے۔ آدمی سوچنے بیٹھے تو اس کا سر چکرا جاتا ہے۔ کب سے یہ معمورۂ عالم آباد ہے۔ کب سے لوگ غلہ، دالیں، دودھ، گھی، پھل کھا رہے ہیں، استعمال کر رہے ہیں لیکن کبھی یہ نہیں ہوتا کہ کسی بعد میں آنے والے کا حصہ کوئی پہلا کھا جائے اور اس کے بدن کا حصہ بن جائے۔ یہ بھی کبھی نہیں ہوتا کہ کسی پہلے آنے والے فرد کے ذرّات رہ جائیں اور وہ پھر بعد میں آنے والے انسانوں پہ تھوپے جائیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ ہر بندے کے وجود کے ذرّات اس تک ہی پہنچتے ہیں۔ جب کسی کے وجود کی تخلیق کی باری آتی ہے تو اس کے حصے کے ذرّات اس کے والد کی غذا بنتے ہیں، اس کے صلب میں محفوظ ہوتے ہیں۔ کون اس کی والدہ ہو گی یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے پھر اس کا جوڑا بناتا ہے، وہ باپ کے صلب سے ماں کے پیٹ میں منتقل ہوتے ہیں تو ماں جو غذا کھاتی اس میں جو بچے کے حصے کے ذرّات جاتے ہیں۔ وہ ماں کے وجود کا حصہ نہیں بنتے بچے کے وجود کا حصہ بنتے ہیں۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو غذا ماں کھاتی ہے اس کے سینے میں دودھ آتا ہے بچے کے حصے کے ذرّات دودھ بن کر بچے کے منہ میں جاتے ہیں اور بچے کے وجود کا حصہ بنتے ہیں۔ کتنا باریک نظام ہے اور کتنی باقاعدگی سے چل رہا ہے، اس میں کوئی خلل

واقع نہیں ہوا۔ کہیں کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ کہیں یہ نہیں ہوا کہ ایک بندے کا وجود دوسرے کو مل جائے۔ یا دوسرے کے ذرات اس کو مل جائیں، ہر بندے کا وجود الگ ہے، سوچنے سمجھنے کی استطاعت الگ ہے، نگاہ الگ ہے، قوت یا کمزوری الگ ہے حواسِ خمسہ اپنے اپنے ہیں۔ قد کاٹھ اپنا ہے۔ کھربوں لوگ گزر گئے لیکن ہر ایک کی شکل اپنی ہے۔ نیا جو آتا ہے وہ اپنی نئی شکل لے کے آتا ہے پھر یہ دیکھو کہ کسی کو بچپن میں موت آجاتی ہے، کسی کو لڑکپن میں، کسی کو جوانی میں کوئی پتا نہیں کس کا وقت کتنا ہے؟ یہ ضروری نہیں کہ ہر بندہ بوڑھا ہو کر، کمر دوہری ہو کر ہی فوت ہو۔ نہیں۔ بچے بھی فوت ہو جاتے ہیں، لڑکے بھی فوت ہو جاتے ہیں، جوان بھی فوت ہو جاتے ہیں اور کسی کو اللہ بڑھاپے میں لے جاتے ہیں۔

ارذلِ عمر:

وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ ۔ بڑھاپے کو اللہ نے اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ فرمایا ہے یعنی ناکارہ زندگی جس میں وہ کچھ کر نہیں سکتا۔ وہی بندہ جو بڑا طاقتور تھا، بڑا تنومند تھا، سارے کام کیا کرتا تھا، اب صرف بیٹھا زبانی تیر چلا رہا ہوتا ہے کہ یہ کر دو، وہ کر دو۔ خود کچھ کر نہیں سکتا اور چپ بیٹھتا بھی نہیں۔ دوسروں پر حکم چلا رہا ہوتا ہے۔ اپنی ناکارہ عمر میں زندہ ہے، غذا بھی کھا رہا ہے، نظر بھی آتا ہے، سنائی بھی دیتا ہے۔ لیکن اٹھ کر کام نہیں کر سکتا، بیٹھا تماشا دیکھ رہا ہے۔ لَا يَعۡلَمَ بَعۡدَ عِلۡمٍ شَيۡـًٔا حتیٰ کہ لڑکپن میں، جوانی میں جو سیکھا تھا، جن چیزوں کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں، جس شعبے میں کمال حاصل کیا تھا وہ بھی بھولنے لگ جاتا ہے۔ بہت سے باتیں، بہت سے فن، بہت سی چیزیں جو جوانی میں اس نے حاصل کی تھیں اور ان میں ماہر سمجھا جاتا تھا اب اسے بھولنا شروع ہو جاتی ہیں۔ اپنی اولاد کے نام تک بھول جاتا ہے، دوست احباب کو بھول جاتا ہے، اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔ بعض اوقات یہ بھی ہوش نہیں ہوتا کہ دوا کھائی بھی ہے یا نہیں۔ کھانے کا وقت تھا کھانا کھایا بھی ہے یا نہیں۔ ذہن اس قدر ناکارہ ہو جاتا ہے کہ یہ بھی بعض اوقات یاد نہیں رہتا۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ قَدِيۡرٌ۝ فرمایا، یقیناً اللہ بڑے علم والے ہیں، ہر چیز پر قادر ہیں۔ ہر ذرہ بدن کو پتا نہیں کیا کیا روپ دے کر کتنے مرحلے طے کروا کر اس انسانی وجود تک پہنچاتے ہیں۔ یقیناً وہ قادر ہیں، بڑی قدرت والے ہیں، جو چاہے کر سکتے ہیں۔

سورۃ النحل رکوع 10 آیات 71 تا 76

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّىْ
رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ
يَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ
اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ
وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ
رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ
الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا
مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَىْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ
سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾
وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَىْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى
مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِىْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ
بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾

اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت بخشی ہے سو جن لوگوں کو فضیلت عطا کی گئی ہے وہ اپنا مال اپنے غلاموں کو تو دے دینے والے نہیں کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں تو کیا وہ اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں ﴿۷۱﴾ اور اللہ نے تم ہی میں سے تمہارے لیے بیویاں بنائیں اور تمہاری ان بیویوں میں

سے تمہارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا فرمائے اور تم کو اچھی اچھی چیزیں کھانے (پینے) کو دیں۔ تو کیا یہ بے اصل چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کا (جان بوجھ کر) انکار کرتے ہیں ﴿۷۲﴾ اور اللہ کے سوا ایسوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ آسمان میں سے رزق پہنچانے کا کچھ بھی اختیار رکھتے ہیں اور نہ زمین میں سے اور نہ (کسی طرح کا) اختیار ہی رکھتے ہیں ﴿۷۳﴾ پس اللہ کے لیے مثالیں مت گھڑو بے شک اللہ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے ﴿۷۴﴾ اللہ ایک غلام کی مثال بیان فرماتے ہیں جو (مملوک) دوسرے کے اختیار میں ہے کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتا اور ایک شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے خوب روزی عطا فرمائی ہے پس وہ اس سے پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرتا ہے کیا یہ آپس میں برابر ہو سکتے ہیں؟ (ہرگز نہیں) سب خوبیاں اللہ کے لیے ہیں بلکہ ان میں اکثر لوگ تو جانتے ہی نہیں ﴿۷۵﴾ اور اللہ ایک اور مثال بیان فرماتے ہیں کہ دو آدمی ہیں ان میں سے ایک گونگا ہے کچھ کر نہیں سکتا (ناتواں بھی ہے) وہ اپنے مالک پر وبال ہے وہ اس کو جہاں بھیجتا ہے کوئی کام درست کر کے نہیں لاتا کیا وہ (گونگا بہرہ) اور وہ شخص برابر ہو سکتے ہیں جو (لوگوں کو) اچھی باتوں کی تعلیم کرتا ہو (انصاف کا حکم دیتا ہو) اور (خود بھی) سیدھے راستے پر چل رہا ہو؟ ﴿۷۶﴾

تفسیر و معارف

فرمایا، سارے لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں۔ انسان ہونے میں سب ایک جیسے ہیں لیکن اللہ کی قدرت اتنی وسیع تر ہے اس نے ہر فرد و بشر کو منفرد بنایا ہے۔ ارشادِ باری ہے: وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فرمایا، اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ ہر بندے کو الگ الگ رزق دیا ہے۔ ہر بندے کو دوسرے سے الگ اوصاف دیے ہیں، ہر ایک کی استعداد فرق رکھی ہے، قد کاٹھ، مختلف بنائے ہیں، سوچ و فکر کے زاویے مختلف ہیں، اسی طرح کارکردگی بھی الگ الگ ہے اور سب کی معیشت کا معیار بھی ایک نہیں ہے۔ انسان ہونے میں دونوں برابر ہیں لیکن کوئی مال دار ہے اور کوئی مفلس۔ کوئی حکمران ہے اور کوئی رعیت۔

ان کے معیارِ زندگی بھی فرق ہیں۔ ایک خادم ہے دوسرا اس سے خدمت لے رہا ہے۔ کوئی کھانا پکا رہا ہے اور دوسرا کھا رہا ہے۔ انسان ہونے میں دونوں برابر ہیں لیکن اللہ نے ان کے رزق میں فرق رکھا ہے۔ یہ اس کی اپنی تقسیم ہے کہ کس کو کیا دیا ہے۔

فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ۔۔۔۔ اللہ نے تم میں سے کسی کو زیادہ رزق دیا ہے کسی کو کم، کوئی بادشاہ ہے اور کوئی خدمت گار۔ ایک مالک ہے جسے بہت سارزق دیا ہے۔ دوسرے اس کے غلام ہیں وہ بہت سارزق غلاموں میں بانٹ بھی دے، وہ امیر بھی ہو جائیں تو بھی اس کے برابر نہیں ہو سکتے، مالک، مالک رہے گا، غلام، غلام رہے گا۔ اسی طرح انسانوں میں شعور کا بھی فرق ہے۔ دو انسان ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ ایک شخص بیمار ہے اور دوسرا صحت مند تو وہ ایک جیسے نہیں ہیں حالانکہ دونوں انسان ہیں۔

مخلوق کبھی خالق کے برابر نہیں ہوسکتی:

یہ ایک اصول ہے کہ بشر ہونے کی حیثیت میں تمام انسان برابر ہیں۔ سب آدمؑ کی اولاد ہیں لیکن رزق کے فرق کے باعث، صحت کے فرق، عقل وشعور کے فرق، کارکردگی کے فرق کے باعث ہر فرد و بشر الگ ہے۔ دونوں کی پہچان الگ ہے۔ اس اصول کے تحت غلام کبھی آقا کے برابر نہیں ہوسکتا، ماتحت کبھی حاکم کے برابر نہیں ہوسکتا۔ جب مخلوق میں یہ اصول تسلیم کرتے ہو تو خالق کی عظمت کو کیوں نہیں مانتے؟ خالق کو چھوڑ کر مخلوق کے در پہ جبہہ سائی کیوں کرتے ہو، مخلوق کے سامنے دستِ سوال کیوں دراز کرتے ہو، مخلوق میں خدائی صفات کیوں مانتے ہو؟ وہ خالق ہے مخلوق کبھی اس کے برابر نہیں ہوسکتی۔ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۝ مخلوق میں اللہ کی صفات ماننا ایسا ہے جیسا کوئی قدرتِ الٰہی کا جانتے بوجھتے انکار کردے۔ کفر جحود یہ ہے کہ بندے کا دل اندر سے جانتا ہو کہ یہ بات حق ہے لیکن وہ ضد میں آ کر یا اپنی رائے کو اہم سمجھ کر یا اپنی انا میں گرفتار ہو کر حق کا انکار کردے۔ جو انکار ضد میں آ کر کیا جائے وہ کفر جحودی کہلاتا ہے۔ فرمایا، اللہ کی قدرت کی نشانیاں تمہارے سامنے ہیں۔ تم ان سب کو دیکھ کر خالق اور مخلوق کی تمیز نہیں کر سکتے؟ کیا تمہیں سمجھ نہیں آتی کہ خالق بے مثل و بے مثال ہے، کوئی اس جیسا نہیں ہوسکتا۔

تمہاری ساری حاجات وہ اکیلا ہی پوری کرتا ہے۔ اور وہ ایسا کریم ہے کہ تم اپنی حاجات اس کے سامنے پیش کرتے ہو تو وہ اسے تمہاری عبادت قرار دیتا ہے۔ تمہاری ضرورتیں بھی پوری فرماتا ہے اور آخرت کا اجر مزید انعام عطا فرماتا ہے۔ اگر ہم صلوٰۃ ادا کرتے ہیں تو اللہ کو تو کچھ نہیں دیتے، اپنے لیے ہدایت مانگتے ہیں،

اپنوں کے لیے رحمت مانگتے ہیں۔ اس سے ہمیں بے شمار جسمانی اور روحانی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ہماری ذات کو ہی فائدہ پہنچتا ہے۔ اللہ تو بے نیاز وغنی ہے۔ اور اتنا کریم ہے کہ پھر ہماری عبادت پر ہمیں اجر عطا فرماتا ہے۔ اسی طرح دنیا کے کام ہم اپنی ضرورت کے لیے کرتے ہیں لیکن اگر اس میں ہم یہ لحاظ رکھیں کہ ہر کام اللہ کے بتائے ہوئے طریقے پر کریں تو وہ عبادت شمار ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ عالی کا مفہوم ہے کہ مومن اپنے بیوی بچوں کے جو اخراجات پورے کرتا ہے، ان کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے، ان کے لیے گھر بناتا ہے تو اپنی یہ ذِمہ داری نبھانا اس کے لیے اللہ کی راہ میں صدقہ شمار ہوتا ہے۔ عرض کی گئی کہ بیوی بچوں کے اخراجات پورا کرنا تو اس پر واجب تھا پھر صدقہ کیسے؟ فرمایا، واجباتِ الٰہی کو پورا کرنا ہی اللہ کی عبادت ہے۔ اللہ کی نعمتوں کا تو کوئی شمار نہیں اور اس کے کرم کی کوئی انتہا نہیں۔ ہر بندہ اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے تو پھر عظمتِ الٰہی کا انکار کرنے والے ضد میں آ کر ہی کر رہے ہیں۔

اللہ کی نعمتوں کے بیان کا تسلسل ہے۔ فرمایا: وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾ فرمایا، اللہ نے تم میں سے تمہارے لیے بیویاں بنائیں، تمہارے جوڑے بنائے۔ یعنی عورت کوئی کم تر مخلوق نہیں۔ جیسا مرد انسان ہے ویسی ہی عورت انسان ہے، جس طرح مرد کے حقوق ہیں اسی طرح عورت کے حقوق ہیں۔ جس طرح مرد کو زندہ رہنے کا، اپنی جان و مال کے تحفظ کا حق ہے اسی طرح خاتون کو بھی یہ حق اللہ کی طرف سے عطا ہوا ہے۔ جس طرح مرد پر عبادات فرض ہیں اسی طرح خاتون پر عبادات فرض ہیں۔ جس طرح مرد کا حساب ہوگا اسی طرح خاتون کا حساب ہوگا۔ جس طرح نجات پا کر مرد جنت میں جائیں گے اسی طرح عورتیں بھی جنت میں جائیں گی۔ جیسے گمراہ ہونے والے مرد کفر پر مر کر جہنم میں جائیں گے ویسے ہی کفر پر مرنے والی عورتیں بھی جہنم میں جائیں گی۔ عورتوں کا جہنم اور مردوں کا جہنم الگ نہیں۔ عورتوں کی جنت اور مردوں کی جنت الگ نہیں ہے۔ دونوں انسانیت کا حصہ ہیں۔ ہاں! مرد کے فرائض اپنے ہیں، عورت کے اپنے۔ دونوں کی جسمانی ساخت اپنے اپنے فرائض کے حساب سے بنائی گئی ہے۔ ہر ایک کو اپنے اپنے دائرہ کار میں رہ کر کام کرنا ہے۔

اہلِ مغرب نے مساوات کے نام پر ایک عجیب چال چلی اور عورت کو مرد کے شانہ بشانہ کھڑا کرنے کے لیے اسے گھر سے نکالا۔ مرد کے فرائض بھی عورت پر لاد دیے اور کہا مساوات ہوگئی۔ دونوں کو برابر ہونا چاہیے۔ یہ فریبِ نظر کے سوا کچھ نہیں۔ مرد و عورت انسانی عزت وتکریم میں برابر ہیں کہ دونوں انسانیت کا حصہ ہیں لیکن دونوں کے فرائض جداگانہ ہیں لہٰذا مردوں کے کام مرد کے ذِمہ ہیں اور گھریلو امور عورت کے ذِمہ

ہیں۔عورت کا کام تھا کہ گھر میں رہتی، گھر کو سنوارتی، بچوں کی تربیت کرتی، خاوند کے آرام وسکون کا اہتمام کرتی۔ وہ تھکا ہارا گھر میں آتا تو اسے پرسکون ماحول اور آرام دہ گھر نصیب ہوتا لیکن اہلِ مغرب نے عورت کو کمانے پر لگا دیا کہ عورت دفتری کام بھی کرے، گاڑیاں چلائے، ہوائی جہاز اڑائے، مرد کے ساتھ کھڑی ہو کر باہر کے کام بھی کرے۔مساوات تو پھر یہ ہوتی کہ جو عورت کی ذِمہ داریاں تھیں ان میں سے کچھ ذمہ داریاں مرد اٹھالیتا۔ کچھ بچے مرد کے پیٹ سے پیدا ہوتے۔ کچھ دن مرد کے روزے قضا ہوتے اور نمازیں معاف ہوتیں۔کچھ نسوانی صفات مرد میں آجاتیں اور مردانہ صفات عورتوں میں آجاتیں لیکن وہ ایسا تو نہیں کر سکتے تھے۔انہوں نے عورت کو گھر سے نکال کر اس کی نسوانیت چھین لی، اپنے حصے کے کاموں کا بوجھ بھی اس پر لاد دیا اور کہا اپنے حصے کے کام تو تمہیں خود ہی کرنے ہیں۔یہ برابری ہے یا ظلم؟

یہی وبا آج ہمارے معاشرے میں بھی عام ہوتی جارہی ہے۔اس لیے کہ ہم دین سے دور ہوتے جارہے ہیں۔اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنے کے بجائے کفار ومشرکین، یہودیوں اور عیسائیوں کے پیچھے چلنے میں فخر محسوس کرنے لگے ہیں لہٰذا ہمیں بھی وہ نتائج بھگتنے پڑیں گے جو وہ لوگ بھگت رہے ہیں۔یہ طے ہے کہ جس معاشرے میں بے حیائی اور بدکاری بڑھتی ہے وہاں قتلِ عام ہوتا ہے اور جہاں بددیانتی ہوتی ہے وہاں رزق تنگ ہوجاتا ہے۔ بھوک اور افلاس ڈیرے ڈال لیتے ہیں۔آج ہمارے کاروبار میں، معیشت میں سود داخل ہے۔ناپ تول میں کمی، بددیانتی، دھوکہ دہی عام ہے لہٰذا اس کا نتیجہ بھی نظر آرہا ہے۔ملک میں غلّہ ہے مگر عوام کی پہنچ سے دور ہے۔حد یہ ہے کہ پینے کا صاف پانی ملنا بھی دشوار ہو چکا ہے حالانکہ پانی ایک ایسی نعمت تھی جو اللہ نے پاک رکھی ہے۔ان تمام مصائب کا حل توبہ میں ہے۔ہم اجتماعی طور پر برائی سے باز آجائیں، نیکی اختیار کرلیں اور اللہ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کریں جو اللہ کریم محض اپنے کرم سے عطا فرمادیتے ہیں۔ جیسے اس آیت مبارکہ میں ان نعمتوں کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لیے تمہاری جنس سے جوڑا بنایا، اسے تمہاری نسل چلانے کا سبب بنایا۔ہم نے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے پیدا فرمائے اور تمہارے لیے سارے پاکیزہ رزق حلال کیے۔ہر نجس، ناپاک چیز کو کھانے سے تمہیں روک دیا لیکن بدبخت لوگ اللہ کی نعمتوں کا جان بوجھ کر انکار کرتے ہیں۔کفار جو جھوٹ اور باطل گھڑتے ہیں اسے پھیلادیتے ہیں اور اللہ کی بتائی ہوئی باتوں پر یقین نہیں کرتے۔اللہ کے احکام کا انکار کرتے ہیں، کافروں، بے دینوں کے گھڑے ہوئے رواجات کی طرف بھاگتے ہیں۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٧٣﴾ فرمایا، لوگ ایسے جاہل ہیں کہ اپنے جیسی مخلوق، عاجز انسان کی عبادت شروع کردیتے ہیں اور اللہ کریم، جس نے ساری نعمتیں پیدا فرمائی ہیں، جو ساری نعمتیں دے رہا ہے، اس کی اطاعت کو بھول

جاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ جس کی خوشامد کر رہے ہیں وہ خود مخلوق ہے۔فرمایا،جس معبودِ باطل کی یہ عبادت کر رہے ہیں کیا وہ ان کی روزی آسمانوں سے یا زمین سے برآمد کر سکتا ہے؟ اگر وہ عاجز انسان ہو کر یہ خدائی کام کر سکتا ہے تو پھر اس جیسے سارے انسان بھی ایسا کر سکتے ہیں! پھر تو جو خوشامد کر رہا ہے وہ خود کیوں نہیں کر لیتا، وہ اپنے جیسے انسان کا محتاج کیوں ہو رہا ہے؟ اللہ کے سوا نہ کوئی آسمانوں سے کسی کے حصے کا رزق لا سکتا ہے نہ زمینوں پر کسی کا اختیار ہے۔آسمانوں سے بارش کا برسنا اور زمین سے پیداوار ہونا یہ اللہ کے دستِ قدرت میں ہے، یہ انسان کے بس سے باہر ہے۔تو جو اللہ کو چھوڑ کر اپنے جیسی مخلوق سے مانگ رہا ہے وہ بھی بے اختیار ہے اور جس کی پوجا کر رہا ہے وہ بھی بے اختیار ہے تو پھر ایسے بے اختیار کی پوجا سے کیا حاصل؟ کوئی مخلوق از خود نہ زمین سے رزق نکال سکتی ہے نہ آسمان سے لا سکتی ہے۔ یہ مخلوق کا منصب ہی نہیں۔ یہ صرف مالکِ حقیقی کا کام ہے کہ انسان کے مقدر میں جو رزق اس نے مقدر کر دیا ہے اسے کہاں کہاں سے اکٹھا کرے، کتنے مراحل سے گزارے۔کہیں سے چاول، کہیں سے غلہ لائے۔سبزے سے چارہ بنائے۔چارہ جانور چرے، اس سے دودھ حاصل ہو پھر دودھ سے لسی، مکھن گھی بنے پھر جس کے حصے کی وہ غذا ہے اس تک پہنچے۔ یہ مخلوق کے بس کی بات نہیں۔مخلوق میں یہ استطاعت ہی نہیں۔

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝ اور انسانوں پر قیاس کر کے اللہ کے لیے مثالیں نہ دیا کرو۔کفار و مشرکین کہتے ہیں کہ بت خالق نہیں ہیں لیکن جیسے بادشاہوں کو وزیروں، امیروں اور سفیروں کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح یہ ہمارے بُت بھی اللہ کے نائب ہیں۔ یہ اللہ سے ہمارے کام کرا دیتے ہیں۔ یہی بات قرآن حکیم میں دوسری جگہ یوں ارشاد فرمائی، مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ (الزمر:3) یہ کہتے ہیں ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ اللہ سے ہمارے کام کروا دیتے ہیں اور یہ کہ ان کی بات سنی جاتی ہے اور ہماری نہیں سنی جاتی۔

فرمایا، اللہ کریم پر ایسی مثالیں نہ دو۔مخلوق، مخلوق ہے۔ خالق، خالق ہے۔اس کے ساتھ اس کی شان کے مطابق عقیدہ رکھو۔اللہ کریم سب کچھ جانتے ہیں اور تم حقائق نہیں جانتے اس لیے جو علم اللہ نے بذریعہ وحی عطا فرمایا ہے وہ قطعی ہے۔ جو راہنمائی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ یقینی ہے، قطعی ہے۔اور جو اندازے تم لگاتے ہو وہ غلط ہیں۔لہٰذا اللہ کی ذات وصفات کے مقابلے میں ایسی مثالیں پیش نہ کیا کرو۔

قرآنی مثال:

اللہ کریم مثال بیان فرماتے ہیں: ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ

وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ۔۔۔۔۔ کہ ایک شخص غلام ہے۔ اس کا کسی چیز پر اختیار نہیں۔ نہ وہ اپنی مرضی سے کہیں جا سکتا ہے، نہ اپنی مرضی سے خرچ کر سکتا ہے، نہ اپنی مرضی کا لباس پہن سکتا ہے حتیٰ کہ اپنی مرضی کا کھانا بھی نہیں کھا سکتا۔ دوسرا شخص آزاد ہے۔ اللہ نے اسے خوب رزق دیا ہے جیسا چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ پوشیدہ خرچ بھی کرتا ہے اور اعلانیہ بھی، جہاں چاہے آتا جاتا ہے، جو لباس چاہے پہنتا ہے تو کیا وہ غلام اور با اختیار شخص دونوں برابر ہیں؟ اگر دو انسان برابر نہیں ہو سکتے تو تم خالق کو مخلوق کے برابر کیسے ٹھہرا سکتے ہو؟ اللہ خالق ہے باقی سب مخلوق۔ تو مخلوق کیسے خالق کے برابر ہو سکتی ہے؟ مخلوق تو اپنے پیدا ہونے میں خالق کی محتاج ہے، زندہ رہنے میں اس کی محتاج ہے، کھاتے پینے میں اس کی محتاج ہے اور اللہ بے نیاز ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اللہ مختارِ کُل ہے، ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔ تو مخلوق کو اللہ کے برابر کیسے ٹھہرا سکتے ہو؟

اللہ کے سارے کمال ذاتی ہیں:

فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سب تعریفیں، تمام کمالات، تمام خوبیاں صرف اللہ کے لیے ہیں۔ کائنات میں، سورج، چاند ستاروں میں، آسمانوں زمینوں میں کہیں کوئی خوبی ہے تو وہ اللہ کی دی ہوئی ہے۔ ذاتی خوبی، ذاتی کمال کسی کا نہیں ہے۔ اللہ کے سارے کمال اس کے ذاتی کمال ہیں، کسی کے عطا کردہ نہیں ہیں۔ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ لیکن لوگوں کی اکثریت ان باتوں کو نہیں جانتی۔ لوگ دنیا میں اتنے محو ہو جاتے ہیں کہ ان حقائق کی طرف ان کی نظر ہی نہیں جاتی۔ ان کے پاس سوچنے کی فرصت ہی نہیں، کبھی اس پر غور ہی نہیں کرتے وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰي مَوْلٰىهُ۔۔۔۔۔ فرمایا، پہلی مثال تو ان دو اشخاص کی تھی جن میں سے ایک مالک اور دوسرا غلام تھا۔ لیکن اگر دونوں ہی غلام ہوں تو اگرچہ انسان ہونے میں دونوں برابر ہیں لیکن دونوں کے اوصاف میں فرق ہے۔ ایک غلام ایسا ہے جو بات نہیں کر سکتا یعنی گونگا ہے اور کمزور و ناتواں ہے، کچھ کام کرنے کے قابل نہیں، وہ اپنے مالک پر بھی ایک بوجھ ہے اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ کیا وہ اس غلام کے برابر ہو سکتا ہے جو بہترین کارکردگی دکھاتا ہو؟ وَهُوَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝ جو سیدھے راستے پر چلنے والا ہو، سچ بولنے والا، دیانت دار، محنتی، ہمت والا اور پورے خلوص سے صحیح کام کرنے والا ہو۔ کیا یہ دو غلام برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ جب دو افراد میں اوصاف کا تفاوت ہے تو تم خالق کو مخلوق کے برابر کیسے سمجھ لیتے ہو، جو صفات اللہ کی ہیں وہ مخلوق میں کیسے مان لیتے ہو، اللہ سے تمہیں کوئی امید نہیں اور مخلوق سے امیدیں وابستہ کیے ہوئے ہو۔

سورۃ النحل رکوع 11 آیات 77 تا 83

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ
اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ
اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ
وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ
السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾
وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ
بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا
وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا
خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ
تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ
عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾
يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور آسمانوں اور زمین کی تمام پوشیدہ باتیں اللہ کے ساتھ خاص ہیں اور قیامت کا آنا یوں ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا یا اس سے بھی قریب تر۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہیں ﴿۷۷﴾ اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے اور اس نے تم کو کان عطا فرمائے اور آنکھیں اور دل تا کہ تم

شکر کرو ﴿۷۸﴾ کیا لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کی فضا میں گھرے
ہوئے (اڑتے) ہیں اللہ کے سوا ان کو کون تھامتا ہے یقیناً اس میں ایمان والوں
کے لیے (بہت سی) نشانیاں ہیں ﴿۷۹﴾ اور اللہ نے تمہارے لیے تمہارے
گھروں میں رہنے کی جگہ بنائی اور تمہارے لیے جانوروں کی کھال کے گھر بنائے
جن کو تم اپنے کوچ کے دن اور مقام کے دن ہلکا پھلکا پاتے ہو اور ان کی اون اور ان
کی پشم اور ان کے بالوں سے اسباب اور برتنے کی چیزیں (جو) ایک مدت تک
(کام دیتی ہیں) ﴿۸۰﴾ اور اللہ نے تمہارے لیے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کے
سائے بنائے اور تمہارے لیے پہاڑوں میں پناہ کی جگہیں بنائیں اور تمہارے
لیے کُرتے بنائے جو تم کو گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے کُرتے بنائے (زرہ) جو
تمہاری لڑائی میں تمہاری حفاظت کرتے ہیں اسی طرح وہ اپنا احسان تم پر پورا
فرماتے ہیں تاکہ تم فرمانبردار رہو ﴿۸۱﴾ پھر اگر یہ منہ پھیریں تو بے شک آپ
کے ذمہ صاف صاف پہنچا دینا ہے ﴿۸۲﴾ یہ لوگ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر
اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں اکثر کافر ہیں ﴿۸۳﴾

تفسیر و معارف

ارشاد باری ہے: وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ فرمایا، زمینوں آسمانوں کے امورِ غیبیہ کو صرف اللہ جانتا ہے۔ تمام علم اسی کے پاس ہے۔ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ اس کے لیے کچھ بھی غیب نہیں، اس کا علم حضوری ہے۔ اس کے علم میں کوئی ماضی، مستقبل نہیں۔ اس کے حضور میں ماضی بھی حاضر ہے، مستقبل بھی دست بستہ کھڑا ہے، حال بھی اس کے سامنے ہے۔ زمینوں، آسمانوں کی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں اور قیامت کے آنے کا علم کسی کے پاس نہیں یعنی جن چیزوں کے لالچ میں اور جن موہوم امیدوں پر یہ اللہ کو فراموش کیے ہوئے ہیں یہ سب تو فانی ہیں۔ کیا یہ روزمرہ کا مشاہدہ نہیں کہ چیزیں پڑے پڑے ضائع ہو جاتی ہیں۔ کوئی بیٹھا بیٹھا مر جاتا ہے، اشیاء رکھے رکھے ضائع ہو جاتی ہیں، بیکار ہو جاتی ہیں؟ ایک دن آئے گا جب یہ سب چیزیں یک لخت تباہ ہو جائیں گی۔ قیامت کا آنا اس طرح

سے ہے جیسے پلک جھپکتے ہیں یا اس سے بھی قریب تر ہو۔ قیامت قائم ہوگی تو اس کے قائم ہونے میں کچھ بھی دیر نہ لگے گی۔ انسان کے پاس دنیا کی زندگی ایک عارضی وقت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنۡ مَاتَ فَقَدۡ قَامَتۡ قِيَامَتُهُ (حدیث مرفوع) اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جو مرتا ہے اس کی قیامت تو قائم ہو جاتی ہے کہ اس کا دارِ عمل کا قیام ختم ہو جاتا ہے۔ روزِ جزا شروع ہو جاتا ہے۔ اعمال کے اثرات برزخ سے ہی شروع ہو جاتے ہیں۔ اس پر تو ایک طرح سے قیامت قائم ہوگئی۔ اور موت کا تو کوئی پتا نہیں، کس لمحے کسی کی موت آجائے تو یہ ساری غیر اللہ سے توقعات اور انسانوں کی غلامی کس کام آئے گی، کیا یہ موت کو ٹال دے گی یا قیامت کو ٹال دے گی؟

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۷۷﴾ یہ نہ سوچو کہ پل بھر میں سارا جہان کیسے تباہ ہو جائے گا۔ کیسے آسمان ٹوٹ پھوٹ جائیں گے، سورج، چاند جھڑ جائیں گے، زمینیں تباہ ہو جائیں گی؟ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ کسی حادثے کی بڑائی نہ دیکھو، اس مالک کی عظمت کو دیکھو، وہ جو چاہے، جب چاہے کر سکتا ہے۔ آج تم اللہ کے مقابلے میں اپنی دانش بگھارتے ہو۔ خود کو دانا تر ثابت کرتے ہو اور احکامِ الٰہی کے بارے کہتے ہو کہ یہ درست ہے اور یہ درست نہیں ہے۔ اللہ کے مقابلے میں اپنی رائے کو بہتر سمجھتے ہو۔

تم اپنی حیثیت کو بھول جاتے، تم ہو کون؟ وَاللّٰهُ اَخۡرَجَكُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَيۡـًٔا ۔۔۔۔ تمہیں اللہ نے ماؤں کے پیٹوں سے اس طرح پیدا کیا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے۔ تب کائنات کو کون سنبھالے ہوئے تھا؟ تمہیں تو اپنے بھلے برے کی تمیز نہیں تھی، کھانے پینے، پہننے، اوڑھنے سے تم بے خبر تھے۔ تم تو اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکتے تھے۔ تمہیں تمہاری والدہ یا دوسرے لوگ سنبھالتے تھے۔ تم تو کچھ نہیں جانتے تھے کہ کیا کرنا ہے۔ تمہیں کسی بات کی خبر ہی نہ تھی کہ اپنے بھلے برے کو جان سکتے یا اپنی ضروریات بتا سکتے اور آج تم احکامِ الٰہی کے مقابلے میں مشورے دیتے ہو۔

حصولِ علم کے ذرائع:

پھر اس نے اپنے کرم سے تمہارے لیے علم کے ذرائع بنائے۔ تمہیں قوتِ سماعت، قوتِ بصارت دی اور قلب عطا فرمایا۔ اللہ کریم نے یہاں علم حاصل کرنے کے تین بنیادی ذرائع ارشاد فرمائے ہیں۔ سمع، بصر اور اَفۡـِٕدَةَ ۔ سماعت اور بصارت مادی ہیں اور اَفۡـِٕدَةَ کا تعلق اس لطیفۂ ربانی سے ہے جو عالمِ امر سے ہے۔ اس لیے لکھنا پڑھنا ایک علیحدہ صفت ہے اور علم اور صفت ہے۔ انسان زندگی بھر جو کچھ سیکھتا ہے وہ یا سن کر سیکھتا ہے یا

دیکھ کر سیکھتا ہے۔ لکھ، پڑھ کر علم حاصل کرتا ہے، علومِ دنیوی سے واقف ہوتا ہے اور ان علوم کو آگے منتقل کرنے کا ذریعہ بھی لکھنا اور پڑھنا ہے۔ لکھنا پڑھنا فی نفسہٖ علم نہیں ہے بلکہ حصولِ علم اور ترسیلِ علم کا ایک ذریعہ ہے۔ مادّی علوم کے حصول کے ذرائع سمع و بصارت ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جو بچہ جہاں پیدا ہوتا ہے وہاں کی زبان بغیر سکھائے سیکھ جاتا ہے۔ ان ہی ذرائع کی بدولت ساری زندگی نئی سے نئی باتیں سیکھتا رہتا ہے۔ ان دونوں ذرائع کے استعمال سے مادّی علوم میں تحقیق کرتا ہے اور ترقی کرتا جاتا ہے۔ دنیا بھر کے مادّی علوم ان دو ذرائع کے ذریعے حاصل کیے جاتے ہیں۔

اَفْئِدَہ کیا ہے؟

اَفْئِدَہ قلب کی گہرائی میں، ایک لطیفہ ربانی ہے جو عالم امر سے ہے، یہ علومِ الٰہیات حاصل کرتا ہے۔ اللہ کی ذات، اس کی صفات، اس کا نظام، اس کی قدرتِ کاملہ، دنیا اور اس کا انجام، افعال و اعمال، کردار کے اثرات و نتائج جاننا، آخرت کو سمجھنا، عظمتِ الٰہی کو پانا اَفْئِدَہ کا کام ہے۔ یہ لطیفہ ربّانی صرف انسان کو عطا ہوا ہے۔

باقی تمام مخلوقات کو اللہ نے سمع و بصارت سے نوازا ہے۔ ہر مخلوق کو اس کی اپنی حیثیت کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے جس استعداد کی ضرورت ہے اللہ کریم نے اسی استعداد کے مطابق اسے سمیع و بصیر بنایا ہے۔ اپنی ضروریات کے پورا کرنے کے لیے ہر مخلوق ان دو ذرائع کو اپنی حیثیت کے مطابق استعمال کرتی ہے۔ اسی لیے تمام جانوروں، پرندوں، آبی مخلوق کو اللہ نے سمع و بصر عطا کیا ہے۔ اسی کے ذریعے ہر جاندار زندگی بسر کرنے کا طریقہ سیکھ لیتا ہے لیکن قلب میں جو لطیفہ ربّانی ہے، وہ صرف انسان کو ودیعت ہوا ہے اور عظمتِ الٰہی، معرفتِ الٰہی کو پانے کے لیے عطا ہوا ہے۔ اس دنیا سے آگے جو حقیقی دنیا ہے اسے پانے کے لیے عطا ہوا ہے۔

اَفْئِدَہ صرف انبیاء علیہم السلام سے علوم حاصل کرتا ہے کیونکہ اللہ کی معرفت کے علوم کے امین انبیاءؑ ہیں۔ اَفْئِدَہ میں اتنی گہرائی ہے کہ برکاتِ نبوت کے حاملین میں سے جتنی کوئی عظیم ہستی ہو وہ اتنے ہی فیوضات و برکات حاصل کر لیتا ہے۔ اسی لیے جو خوش نصیب انبیاءؑ پر اور اپنے نبیؑ پر ایمان لے آئے اور نبیؑ کی صحبت عالی پالی تو وہ ایک نگاہ میں شرفِ صحابیت پر فائز ہو گئے۔

مقامِ نبوت عظیم تر مقام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ عالی نے صحابہؓ بنا دیے۔ اسی طرح صحابہؓ کی صحبت پانے والا تابعیؒ بن گیا۔ تابعینؒ کی صحبت پانے والا تبع تابعیؒ بن گیا۔ ان تین طبقوں کی خصوصیت

تھی کہ ان کی ایک نگاہ یہ سارا کام کر دیتی تھی۔ اس کے بعد ان لوگوں کی باری آئی جنہوں نے ان سے برکات حاصل کیں۔ انہیں یہ برکات محنت ومجاہدہ سے حاصل کرنا پڑیں۔ جس طرح سن کر علم حاصل کرنا پڑتا ہے، پڑھ کر علم حاصل کرنا پڑتا ہے اسی طرح لطیفہ ربانی پر محنت کر کے برکاتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حصہ پایا جاتا ہے۔ جس طرح پڑھنے کے لیے کوئی تحریر چاہیے جسے پڑھ سکیں، سننے کے لیے کوئی آواز چاہیے کہ اسے سن کر علم حاصل کر سکیں، اسی طرح لطیفہ قلب کے لیے بھی ایک ایسی ہستی چاہیے جو اسے روشن کرے، جو اسے علومِ الٰہیات عطا کرے اور معرفتِ الٰہی سے آشنا کرے۔ یہ ایک ایسی عجیب نعمت ہے اور اللہ کریم کا اتنا بڑا انعام ہے کہ دنیا و مافیہا اس کے مقابلے میں ہیچ ہے۔

علم دل میں یا دماغ میں؟

مستشرقین اور دورِ حاضر کے محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ علم دماغ میں ہوتا ہے جبکہ قرآن حکیم میں ہے کہ علم دل میں ہوتا ہے، دماغ میں نہیں۔ بلاشبہ دماغ ایک بہت بڑا کمپیوٹر ہے، معلومات جمع کرنے کا بہت بڑا خزانہ ہے۔ دماغی معلومات پر ہی دنیا کے سب کام کیے جاتے ہیں۔ سائنس کے سارے کرشمے اسی کی قوت پر ظہور پذیر ہوتے ہیں لیکن جو کچھ دماغ میں محفوظ ہوتا ہے، وہ خبر کہلاتا ہے۔ دماغ میں خبریں جمع ہو جاتی ہیں، یہ معلومات ہیں۔ معلومات یا خبر کا اثر انسانی مزاج پر نہیں ہوتا اسی لیے دیکھا جا سکتا ہے کہ ماہر سے ماہر مادہ پرست ڈاکٹر کو بھی مریض کی زندگی عزیز نہیں ہوتی، وہ اپنی دماغی قابلیت کو دنیا کے چند ٹکوں کے عوض بیچ دیتا ہے۔

جو علوم دل میں اترتے ہیں وہ انسان کا حال بن جاتے ہیں پھر وہ بکتے نہیں۔ ایسے علم کی بنیاد ایمان ہے۔ اللہ پر ایمان، آخرت پر ایمان، رسالت پر ایمان۔ ایسا شخص اللہ کی خوشنودی کے لیے لوگوں کی خدمت کو شعار بناتا ہے۔ اگر وہ ڈاکٹر ہوگا تو ہمدردی سے لوگوں کا علاج کرے گا، غریب سے کم فیس لے گا۔ نہیں بھی ملے گی تو بھی مریض کی جان بچانے کی کوشش کرے گا کہ اس کا مقصد انسانی جان بچانا ہوگا۔

حقیقی علم وہی ہے جو دل میں ہوتا ہے جو بندے کا حال بن جاتا ہے۔ دماغ تو محض بے شمار خبریں جمع کرتا ہے۔ علم اور چیز ہے، خبر اور شئے ہے۔ خبریں اور معلومات بیچی جاتی ہیں، علم بکتا نہیں ہے۔ علم اللہ کی عطا ہے، وہبی چیز ہے، یہ خریدا اور بیچا نہیں جاتا، یہ بندے کا حال ہوتا ہے۔ علم جب دل میں اترتا ہے تو حال بنتا ہے اور دماغ تک رہے تو خبر ہوتی ہے۔

معرفتِ الٰہی علم ہے، ایمان بالرسالت علم ہے، قرآن پر ایمان علم ہے، قرآن کو پڑھنا، سمجھنا علم

ہے۔ جب علم دل میں گھر کرتا ہے تو کردار بدل جاتا ہے۔ بندہ کام دنیا کے کرتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں کرتا ہے اور آخرت کما لیتا ہے۔ اگر علم دل میں گھر نہ کرے تو بندہ قرآن بھی پڑھائے تو اس کی قیمت وصول کرتا ہے، اللہ کے لیے نہیں پڑھاتا۔ وہ اسے معلومات کے درجے میں رکھتا ہے، خبر کے درجے میں رکھتا ہے اور دماغی کمالات پیچھے جاتے ہیں کہ دماغ مادی ہے اور مادی دولت، مادی دنیا کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے لہٰذا یہاں فرمایا، اللہ نے تمہیں سماعت دی کہ تم سن کر سیکھو، بصارت دی کہ دیکھ کر سیکھو اور قلب دیا کہ وہ علم کا گھر ہے۔ اس میں معرفتِ حق ہو، دنیا کے علوم ہوں، اس میں آخرت کے علوم ہوں تا کہ تم اللہ کے شکر گزار بنو۔

دنیا کے تمام علوم کے لیے اللہ نے دماغ دیا ہے۔ یہ مادی حالات کو جاننے کے لیے ہے، مادی نعمتوں کے حصول کے لیے اور مادی وجود کی مادی ضروریات پورا کرنے کے لیے اہم ہے۔ لیکن کیا انسانی زندگی صرف بدن کی راحتوں کے حصول میں گزار دی جائے، کیا انسان کی زندگی صرف وجود کو پالنے، اولاد پالنے اور گھر بنانے تک محدود ہے؟ نہیں۔ اس پر اس کی اخروی زندگی کا مدار ہے۔ اس کے مطابق اس سے سلوک کیا جائے گا اور اس کا حساب ہوگا کہ دنیوی زندگی کس انداز سے گزاری؟ اور اخروی زندگی کی اگر خبر ہی نہ ہو، اسے جان ہی نہ پائے تو اس کے لیے تیاری کیا کرے گا؟ ساری اصلاح کا مدار اسی لطیفہ ربانی پر ہے۔ جتنا یہ مضبوط ہوگا، جتنی اس میں قوت ہوگی اسی قدر یہ حقائق کو جانے گا اور اسی قدر دنیوی زندگی بہتر ہوتی چلی جائے گی۔ دنیوی زندگی کی مہلت بہت بڑی نعمت ہے۔ بندہ دنیا میں جو کچھ کرتا ہے، دیکھتا ہے، سنتا ہے اور جو کردار اپناتا ہے یہ اس کی کھیتی ہے۔ اس کھیتی کا پھل وہ آخرت میں کاٹے گا۔ لیکن لوگوں کی اکثریت ساری زندگی محض ان دو مادی ذرائع کو ہی استعمال کر کے مادی زندگی بسر کر کے رخصت ہو جاتی ہے کیونکہ کفر ایسی مصیبت ہے کہ جب تک بندہ ایمان نہ لائے یہ لطیفہ ربانی زندہ نہیں ہوتا۔

انسان، حقیقی علم کے حصول کا مکلّف ہے:

انسانیت کو حقیقی علم انبیاء کی وساطت سے ملا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک آنے والی انسانیت کو اس حقیقی علم سے روشناس کروانے کا واحد سبب ہیں۔ حقیقی علم کو پانے کا ذریعہ قلب ہے۔ ایمان لانے کی استعداد ہر قلب میں موجود ہوتی ہے اور انسان اس بات کا مکلف بنایا گیا ہے کہ اپنی سمع و بصارت سے دیکھ کر، سن کر فیصلہ کرے اور اللہ کے نبیؐ پر ایمان لائے۔ نورِ ایمان ہی اس لطیفہ قلب کو حیات بخشتا ہے لیکن حیات کے بھی درجے ہیں۔ جس طرح ایک نوزائیدہ بچے میں بھی حیات ہے اور ایک بھرپور جوان میں بھی حیات ہے لیکن

دونوں میں حیات کے درجے مختلف ہیں کہ حیات پانے کے بعد ہر کوئی پہلے سے زیادہ طاقتور ہوتا چلا جاتا ہے۔ ماحول سے سیکھتا چلا جاتا ہے۔ مختلف اشیاء سے واقف ہوتا ہے، ان کے نفع اور ضرر سے آگاہ ہوتا ہے۔ اسی طرح جب لطیفہ قلب زندہ ہو جائے تو پھر اسے مزید تعلیم و تربیت کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ یہ معرفتِ الٰہی کو پا سکے۔ دنیا کی زندگی اتباعِ رسالت میں گزار سکے تا کہ آخرت میں اسے اللہ کی بخشش نصیب ہو۔ اللہ کی اطاعت کے لیے اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جاننا شرط ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ نیکی کیا ہے، اس پر عمل کیسے ہو اور برائی کیا ہے جس سے بچا جائے؟ اس لیے انسان اس بات کا مکلف ہے کہ اس تیسرے ذریعہ علم الْاَفْئِدَہ کو استعمال کرے اور حقیقی علم حاصل کرے۔

سمع، بصر، فواد:

سماعت، بصارت اور فواد سب ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہیں۔ انسان لطیفہ قلب پر محنت نہ کرے صرف سمع و بصر پر قناعت کر جائے تو مادی خواہشات اس پر غالب آ جاتی ہیں اور وہ ان کے ہاتھوں بے بس ہو جاتا ہے اور اگر اسے استعمال کرے اس پر محنت کرے، اللہ کے قرب کی کیفیات پائے تو پھر یہ سمع و بصارت پر غالب آ جاتا ہے۔ پھر وہ نیکی اور بھلائی دیکھ کر خوش ہوتا ہے، اسے سکون ملتا ہے اور بری باتیں سننے کو دل نہیں کرتا۔ ان تینوں ذرائع علم کا آپس کا یہ رشتہ ہے کہ جو جتنا طاقتور ہوگا اتنا وہ دوسرے پر اثر انداز ہوگا۔

اندازہ کیجیے کہ اس بھری دنیا میں کتنے لوگ ہوں گے جو اس لطیفہ ربانی کو جانتے ہیں یا سمجھتے ہیں یا اس پر محنت کرتے ہیں اور اس کے ذریعے علوم آخرت، حقیقی علم تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بہت کم خوش نصیب ایسے ہیں جبکہ حقیقی زندگی یہی ہے کہ اس ذریعہ علم کو ایمان سے منور کیا جائے، اس پر محنت کر کے استفادہ کیا جائے، اپنے کردار کو اس کے مطابق ڈھالا جائے اور اللہ کا شکر ادا کرنے کا انداز بھی یہی ہے۔

جو اس نعمت کو استعمال نہیں کرتے محض دنیوی زندگی کو ہی مقصدِ حیات بنا لیتے ہیں، ان کی یہ استعداد رفتہ رفتہ ختم ہو جاتی ہے۔ جیسے آنکھ پر پٹی باندھ دی جائے اور برسوں بندھی رہے تو آنکھ میں بینائی نہیں رہے گی۔ یا کان بند کر دیے جائیں اور برسوں بند رکھے جائیں تو اس کی قوتِ سماعت نہیں رہے گی۔ ایک بازو کو گلے سے باندھ دیں کچھ عرصہ بندھا رہنے دیں تو وہ بے کار ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص زندگی بھر اس لطیفہ ربانی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، نہ اسے زندہ کرتا ہے نہ ہی اس پر محنت کرتا ہے تو وہ بھی رفتہ رفتہ مر جاتا ہے۔

اسی حالت کا ذکر قرآن حکیم میں دوسری جگہ یوں ہے فرمایا: يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا

يُبْصِرُوْنَ o (الاعراف: 198) وجودِ عالی تو انہیں نظر آتا تھا لیکن سمجھتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے ایک قریشی بھائی ہیں جو حضرت عبداللہ کے فرزند ہیں لیکن انہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر نہیں آتے تھے۔ اسی طرح قرآن حکیم میں ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن نہیں پاتے کہ ان کے کانوں پر پردے پڑ چکے ہیں۔ مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک تو سنتے تھے لیکن اعتراض کرتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مفاہیم کو پانے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے کہ انہوں اَفْئِدَہ کی قوت کو بے کار کر دیا تھا۔ اس میں یہ استعداد ہی نہ رہی تھی۔ مسلسل غفلت سے یہ صلاحیت ختم ہو جاتی ہے اور یہ اللہ کریم کی طرف سے بڑی سخت سزا ہے۔ اور اللہ کی بہت بڑی ناشکری ہے۔ اللہ کریم اپنی نعمتوں کا ذکر فرما کر ارشاد فرماتے ہیں لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝ تا کہ تم اللہ کا شکر ادا کر سکو۔

اللہ کا شکر کیسے ادا ہو؟

بڑے بڑے مفسرین کے علاوہ بڑے بڑے صاحبِ حال لوگوں اور اہل اللہ نے بھی اس کی تشریحات کی ہیں۔ جو قول سب سے زیادہ معتبر سمجھا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جب یہ اندازہ ہو جائے کہ میں اللہ کا شکر ادا ہی نہیں کر سکتا تو یہی ادائے شکر ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی توجیہات کی گئی ہیں لیکن قرآن کریم میں ارشاد باری ہے کہ ہم نے تمہیں سماعت و بصارت دی اور قلب دیا تا کہ ان ذرائع سے علم حاصل کرو اور اللہ کی اطاعت کرو۔ یعنی اللہ کا شکر یہ ہے کہ جو نعمتیں اللہ نے تمہیں دی ہیں وہ تم اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرو۔ اللہ کے حکم کے مطابق دنیا کے کام کرو تو تمہارا ہر عمل نیکی اور بھلائی کے زمرے میں شمار ہوگا لیکن یہ صرف اس وقت ہوتا ہے جب علم دل میں اترتا ہے۔ جب علم دل میں گھر کر لیتا ہے تو پھر اسے اللہ کا شکر گزار بندہ بنا دیتا ہے۔ وہ دنیا کے کام کرتا ہے اور اس پر اس کی آخرت سنورتی جاتی ہے۔ چونکہ دل کی حیات نورِ ایمان سے ہے اس لیے یہ ساری نعمتیں صرف مومن کا حصہ ہیں۔ کافر کو ان سے حصہ نہیں ملتا۔

ایک ضمنی بات:

کہا جاتا ہے کہ کافر بھی اچھے اور بھلائی کے کام کرتے ہیں تو انہیں آخرت میں اس کا کیا انعام ملے گا؟ حقیقت یہ ہے کہ کافر اچھا کام بھی دنیوی شہرت کے لیے کرتا ہے، دنیوی مسائل و مصائب کے حل کے لیے کرتا ہے۔ بھلائی کا کام کرنے سے اس کا مقصد کوئی نہ کوئی دنیوی مفاد ہوتا ہے۔ چونکہ آخرت پر تو اس کا ایمان ہی نہیں تو وہ اللہ کے لیے یا آخرت سنوارنے کے لیے کیوں کرے گا؟

اللہ کریم نے فرمایا، میں نے تمہیں اپنی نعمتیں دے کر اس قابل کیا کہ تم اللہ کا شکر ادا کر سکو۔ تم اپنی حقیقت پر غور کرو۔ ماؤں کے بطن سے تم اس طرح پیدا ہوئے کہ کچھ نہیں جانتے تھے۔ تمہاری حیات اور بقاء کا سامان اللہ نے پیدا کیا اور درجہ بدرجہ تمہیں کمال کی طرف پہنچایا۔ تمہیں جاننے کے لیے ذرائع عطا فرمائے، جن کے استعمال سے تم دنیا میں اپنی ضروریات کو بہ احسن پورا کر سکو۔ دنیوی نعمتیں پا سکو۔ اگر یہ سمع و بصارت نہ ہوتی تو تم کاروبارِ حیات کے لیے کیسے بھاگ دوڑ کر سکتے۔ سمع و بصر نے تمہارے لیے سیکھنا آسان کیا۔ تمہیں بہت اعلیٰ اور بہت قیمتی شئے لطیفۂ قلب عطا کیا جو علومِ الٰہیات حاصل کرتا ہے، معرفتِ الٰہی، عظمتِ الٰہی کو پاتا ہے۔ قربِ الٰہی کی تمنا اس میں جاگتی ہے اور وہ اللہ کا شکر ادا کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ جس قدر دل کی گہرائی سے اطاعت کی جائے گی اتنا ہی شکر ادا ہوگا۔ ادائے شکر کا طریقہ بھی یہی ہے کہ پورے خلوص سے اور دل کی گہرائی سے اطاعت کی جائے۔ اطاعت شکر ہے اور عدم اطاعت ناشکری ہے۔ اسی لیے ناشکری کو کفر کہا گیا ہے۔

اہل اللہ کے نزدیک اَفۡـِٕدَہ کی اہمیت:

الحمد للہ! دنیا میں بے شمار لوگ ہیں جنہیں اللہ نے نورِ ایمان سے سرفراز فرمایا۔ کافر کی تو اس میں بحث ہی نہیں کہ کافر کو تو آخرت سے سروکار ہی نہیں۔ اسے لطیفۂ قلب کا کیا پتا۔ اس نے تو سمع و بصر اور ان کے ذریعے مادّی چیزوں کے حصول پر ہی قناعت کر لی۔ وہ تو دارِ دنیا کی عارضی نعمتوں پر ریجھ گیا، انہی پر قانع ہو گیا۔ اس سے زیادہ کی تو اسے جستجو ہی نہ رہی۔ جنہیں نورِ ایمان نصیب ہوا اُن میں بڑے بڑے عالم و فاضل ہیں۔ اس کے باوجود کتنے لوگ ہیں جنہوں نے اَفۡـِٕدَہ کو استعمال کیا۔ کم از کم میں نے جتنا کچھ دیکھا ہے۔ جتنی اللہ کریم نے توفیق عطا فرمائی ہے۔ تفاسیر، احادیث کی شرح، اسلامی علوم کی جتنی کتابیں میری نظر سے گزری ہیں میں نے کسی میں اَفۡـِٕدَہ کی بحث نہیں پڑھی۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ مسلمان ہو کر بھی ان ہی دو ذرائع پر قناعت کر جائیں۔ علماء نے سمع و بصر پر تو بہت بحث کی ہے کہ اچھائی دیکھی جائے، برائی کی طرف توجہ نہ کی جائے۔ بھلائی کی بات سنی جائے اور برائی سننے سے اجتناب کیا جائے لیکن تیسرا اور حقیقی ذریعہ علم جس نے حقیقی زندگی کو متاثر کرنا ہے اس پر بحث نہیں ملتی۔ ہاں صوفیاء نے اس پر بحث کی ہے۔ اس کی اہمیت بیان کی ہے۔ اہل اللہ کی کتابیں دیکھیں تو انہوں نے بنیادی بحث ہی اس پر کی ہے اور سمع و بصر کی بات وہ ضمناً کرتے ہیں۔ یہی طریقہ درست ہے کیونکہ قرآن حکیم اس کو اہم ترین ذریعہ علم شمار کرتا ہے اور اگر اس کو اہم نہ سمجھیں تو بات نہیں بنتی۔ قرآن نے اس ترتیب سے ان نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْـِٕدَةَ۔۔۔۔ پہلے

سماعت پھر بصارت پھر فواد کم از کم ان کو برابر کی توجہ بھی دی جائے تو پتا چلتا ہے کہ تینوں میں سے ایک بھی کم ہوا تو بات مکمل نہیں ہوگی۔ اگر قوت سماعت نہ ہو تو آدھا ذریعہء علم ختم ہو گیا۔ آنکھیں نہ رہیں تو بڑا ذریعہء علم ختم ہو گیا اور اگر لطیفہء قلب نہ رہے تو پھر اہم ترین علم، علمِ حقیقی، عظمتِ الٰہی، معرفتِ الٰہی پانے سے نابلد رہیں گے۔ یہ وہ استعداد ہے جس کے باعث انسان اشرف المخلوقات ہے۔ قلب، دل یا فواد کا کیا مقام ہے اندازہ کیجیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی ہستی ہیں کہ اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری مخلوق میں بے مثل و بے مثال پیدا فرمایا ہے۔ حسنِ ظاہر ہو یا سمع و بصر، دماغِ عالی ہو، ذہنِ عالی ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ اقدس کی ہر صفت بے مثل و بے مثال ہے۔ کائنات میں سب سے اعلیٰ، سب سے افضل سمع و بصارت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ سب سے اعلیٰ دماغِ عالی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے لیکن جب قرآن نازل ہوا تو ارشادِ باری ہے کہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پہ نازل ہوا۔ یعنی کلامِ الٰہی کو وصول کرنے کا آلہ نہ کان ہیں نہ آنکھیں، یہ ذرائع مادّی علوم کے لیے ہیں۔ وحی ءالٰہی کے نزول کا مقام قلبِ اطہر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دماغ عالی بھی افضل ترین ہے۔

اَفۡـِٕدَۃ کی اہمیت دیکھیے کہ کلام الٰہی سے مستفید ہونے کے لیے بھی یہی لطیفہء ربانی چاہیے۔ جن کا لطیفہء قلب مردہ ہو چکا تھا وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین حق سن کر غیض و غضب میں آجاتے تھے، انہیں محبت کے بجائے نفرت ہوتی تھی، ان پر الٹا اثر ہوتا تھا۔ اس لیے کہ انہوں نے اپنی اس استعداد کو مسلسل نافرمانیوں سے تباہ کر لیا تھا۔ جس طرح سماعت سے محروم شخص کے سامنے خوبصورت باتیں کرتے رہیں اسے کیا فرق پڑتا ہے۔ جس کے پاس بینائی نہیں اس کے سامنے دنیا بھر کے خوبصورت نظارے بکھیر دیں اسے کیا فرق پڑتا ہے۔ اسی طرح جب قلب مردہ ہو جاتا ہے، لطیفہء ربانی جب اپنی استعداد کھو دیتا ہے تو اس کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور اللہ کا کلام بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا، حالانکہ کلام الٰہی سے زیادہ شیریں اور لذت آفریں اور کوئی کلام نہیں۔ ان کی سمع و بصارت کو اس سے کچھ لذت نہیں ملتی۔ اس کی لذتیں لطیفہء قلب کو نصیب ہوتی ہیں، یہ زندہ ہو تو اس کے بغیر چین نہیں آتا۔ ذاکرین کو تلاوت قرآن سے وہ لذت ملتی ہے کہ وہ اکثر اوقات اس کی تلاوت کرتے نظر آتے ہیں۔

لوگوں کی اکثریت نے اسے سجا کر ادب سے طاق میں رکھا ہوا ہے۔ وہ اسے کیوں نہیں کھولتے، اس کی تلاوت سے مستفید کیوں نہیں ہوتے؟ اس لیے کہ انہوں نے دل کو روشن ہی نہیں کیا۔ سننے اور دیکھنے کے

لیے تو مواد ہر جگہ مل جاتا ہے، قلب کو روشن کرنے اور اس کے ذریعہ علم حاصل کرنے کے لیے اللہ کے خاص بندوں کی خدمت میں جانا پڑتا ہے جنہوں نے عمریں بسر کر کے اپنے مشائخ سے یہ نعمت حاصل کی ہوتی ہے اور جو اسے آگے بانٹ سکتے ہیں۔

انسان اس کا مکلف ہے کہ وہ اللہ کے بتائے ہوئے تینوں ذرائع علم کو استعمال کرے اور جس ذریعہ کو اللہ نے جو درجہ دیا ہے اس کے مطابق استعمال کرے۔ سمع و بصر کی طرح قلب کے لیے غذا اور دوا عام نہیں ہے کہ ہر چیز کو دیکھ کر قلب زندہ ہو جائے بلکہ سمع اور بصارت کے ذریعے حاصل ہونے والے علوم تو اس پر مزید گرد ڈالتے ہیں، اس کی قوت کو کمزور کرتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ لطیفہ قلب زیادہ مضبوط ہو، زیادہ قوی ہو جائے تاکہ دیکھنے اور سننے کے ذریعے اس پر گرد نہ پڑ سکے بلکہ یہ اپنی روشنی سے ان کو بھی روشن کر دے۔ آنکھوں کو بھلی چیزیں دیکھنے اور کانوں کو بھلی بات سننے کا شوق ہو جائے۔ ان قوتوں کا باہم مقابلہ رہتا ہے لیکن انسان اس بات کا مکلف ہے کہ وہ کس نعمت کا کتنا صحیح استعمال کرتا ہے۔

ایمان لانے سے دل کو حیات ملتی ہے، برکاتِ نبوت سے یہ روشن ہوتا ہے، اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ رسالت اور خلوص سے یہ سینچا جاتا ہے تاکہ اللہ اسے اتنا قوی کر دے کہ یہ سمع و بصر پر غالب آ جائے۔ جو چیز اس کے لیے مفید ہو وہی چیز آنکھیں دیکھیں۔ کان بھی وہی سنیں جو اس کے لیے مفید ہو۔ اور کردار اسی سانچے میں ڈھل جائے لیکن بڑے دکھ کی بات ہے کہ اَفْئِدَہ کے ذریعے اصلاحِ احوال تو دور کی بات ہے اس پر بحث بھی نہیں سنی، کہیں لکھا بھی نہیں دیکھا۔ ہاں صوفیاء ہمیشہ سے اس پر لکھتے آئے ہیں، بیان بھی کرتے ہیں اور علماء ظواہر اس کی تردید کرتے نظر آتے ہیں۔

اللہ کریم کا یہ احسان ہے کہ کسی ایسی جگہ پہنچا دے جہاں اس پر بات بھی ہو، اس پر کام ہو، اس کی زندگی کے اسباب پر بات ہو اور عملی طور پر اس کو حیات دینے کا کام کیا جائے۔ یہ نعمت اگر اس دنیا میں نصیب ہو جائے تو یہ بے مثال نعمت ہے۔ دنیا کی ساری لذتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ کسی کو دنیا بھر کی حکومت بھی مل جائے تو وہ بات نہیں بنتی جو ایک دلِ زندہ سے نصیب ہوتی ہے۔

میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے کئی بار سنا، آپؒ فرماتے تھے کہ اگر کوئی مجھے یہ کہے کہ ساری دنیا کی حکومت لے لو اور یہ ذکرِ الٰہی اور صفائے قلب کا کام چھوڑ دو تو دنیا کی سلطنت میری ٹھوکر پر ہوگی۔ یہ اتنا قیمتی کام ہے کہ پوری دنیا کے عوض بھی یہ چھوڑا نہیں جا سکتا۔ جتنا یہ قیمتی ہے اتنا ہی ضروری بھی ہے کیونکہ آخرت کا مدار

انسان کے عقیدے اور عمل پر ہے۔ عقیدہ اور عمل کی اصلاح کے لیے دلِ زندہ چاہیے ورنہ سب کچھ محض رسم رہ جاتا ہے۔ الحمدللہ! اللہ کی اطاعت نصیب ہو جائے لیکن اس اطاعت میں جان اور رُوح اسی لطیفہء قلب سے پیدا ہوتی ہے ورنہ ہم اطاعت بھی رسم و رواج کی طرح کرتے رہتے ہیں۔ اس میں رُوح نہیں ہوتی، خلوص نہیں ہوتا، خشوع و خضوع نہیں ہوتا۔ اور یہ تمام چیزیں اس ذریعہء علم سے متعلق ہیں۔

اللہ کریم یہ نعمت نصیب فرمائیں تو اس پر ایسی محنت کی جائے جو اس کا حق ہے۔ زندگی کے ہر کام میں اسے اوّلیت دی جائے۔ کھانے پینے، لباس حلیے، بول چال ہر بات میں یہ احتیاط کی جائے کہ کوئی ایسا کام نہ کیا جائے، ایسا لفظ نہ بولا جائے، ایسی بات نہ سنی جائے جس سے اس لطیفہء قلب کو نقصان ہو۔ ہر قدم ایسے اٹھایا جائے جو اس کی ترقی کا سبب بنے، اس کی کیفیات کے بڑھنے کا سبب بنے، جس طرح کان سنتے ہیں، آنکھیں دیکھتی ہیں اور کردار متاثر ہوتا ہے اسی طرح لطیفہء ربانی کیفیاتِ ایمانی کو جذب کر کے علومِ الٰہیات کی طرف بڑھتا ہے اور حقیقی زندگی سے آشنا کرتا ہے۔ اللہ اسے حیات دے دے تو پھر صرف یہ دنیوی زندگی ہی نظر نہیں آتی، دنیا و آخرت دونوں سامنے آجاتے ہیں۔ آدمی آخرت کو پسند کر کے چلتا رہتا ہے۔

یہ کیفیات اَفۡـِٕدَۃَ کی حیات سے نصیب ہوتی ہیں۔ اللہ کریم نے اگر یہ انعام فرمایا ہے کہ ہمیں اس ذریعہء علم سے جاننے اور سیکھنے کا موقع ملا ہے تو مہربانی فرمائے۔ ہمیشہ اس پر قائم رکھے اس میں ترقی عطا فرمائے اسی پر خاتمہ نصیب فرمائے۔

دعوتِ فکر:

اللہ کی قدرت کے مظاہر بیان فرما کر غور و فکر کی دعوت دی جارہی ہے تا کہ انسان عقل و شعور سے کام لے کر اِلٰہ واحد کو مان لے۔ فرمایا: اَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیۡ جَوِّ السَّمَآءِ۔۔۔۔۔ کیا تم پرندوں کو نہیں دیکھتے جو آسمان کی فضاؤں میں اڑتے پھرتے ہیں مَا یُمۡسِکُہُنَّ اِلَّا اللّٰہُ۔۔۔۔۔ انہیں اللہ کے سوا کون تھامے ہوئے ہے، کون ان کے وجودوں کو اڑائے رکھتا ہے۔ کون ہے جس نے انہیں اٹھا رکھا ہے!

اللہ کریم نے ہر پرندے کا جسم ایسا بنایا ہے کہ وہ ہوا میں تیرتا ہے۔ چھوٹے سے چھوٹے پرندے سے لے کر بڑے سے بڑے وزنی پرندے تک اس کی جسمانی ساخت ایسی بنائی ہے کہ وہ بآسانی ہوا میں تیر سکتا ہے۔ ہر پرندے کو اس کے قد، وزن اور حجم کے مطابق بازو اور پَر دیے ہیں۔ ایک چھوٹی سی چڑیا

(Humming bird) جو کسی پھول کے پاس ہوا میں معلق رہ کر اس کا رس چوستی ہے اس دوران وہ اپنے پَر مسلسل ہلاتی رہتی ہے۔ محققین کے مطابق وہ ایک سیکنڈ میں سات سو بار پَر ہلاتی ہے۔ اللہ نے اس کے پروں کی ساخت اس کے وجود کے مطابق بنائی ہے۔ اسی چڑیا کے چار پَر نوچ لیے جائیں تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ نہیں سکے گی۔ تو وہ کون ہے جس نے اسے اس کے جسم کے مطابق پَر دیے!

ہوا کو کس نے توفیق دی کہ وہ ایک خاص رفتار پر چلے اور پرندوں کی پرواز میں توازن قائم رکھے۔ ہمارے ہوائی جہاز بھی اسی کلیے کے مطابق اڑتے ہیں کہ ہوا کو پیچھے دھکیلتے ہیں۔ ان کے پروں کا محیط (Span) اتنا ہوتا ہے کہ جہاز کو اس کی جسامت کے وزن اور سفر کرنے والوں کے وزن کو اٹھائے رکھے۔ چھوٹے، بڑے جہازوں کے پروں کا سائز ان کی جسامت کے مطابق ہوتا ہے۔ پرواز میں ہوا کے رخ کو بڑا دخل ہے۔ جہازوں کا اڑنا ہوا کے رخ پر موقوف ہے۔ اسی لیے ایئرپورٹ پر نشان لگے ہوتے ہیں کہ ہوا کس رخ سے آرہی ہے، کس رخ کو جارہی ہے۔ ہوا کو یہ قوت کس نے دی کہ وہ اتنے عظیم الجثہ جہاز کو اٹھا کر چل دے؟ کون ہے جس نے پرندوں کی بے شمار اقسام پیدا کیں جو ہوا میں نہ صرف تیرتے رہتے ہیں بلکہ اپنی خوراک بھی تلاش کرتے ہیں۔ دنیا میں ایسے پرندے بھی ہیں جو دو سو میل فی گھنٹہ کی رفتار پر اڑتے ہیں اور زمین پر موجود چیزوں کو بھی دیکھ سکتے ہیں۔ کس قدر تیزی سے گزرتے جاتے ہیں اور زمین پر موجود ذرا، ذرا سی چیز دیکھتے چلے جاتے ہیں۔ گدھ کے بارے جانوروں پر تحقیق کرنے والے بتاتے ہیں کہ فضاء میں بہت بلندی تک اڑتے ہوئے وہ پچاس کلومیٹر پر محیط ایک دائرہ فوکس (Focus) کر لیتا ہے۔ اللہ نے اس کی آنکھ میں ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ اڑتے ہوئے وہ نیچے زمین پر پچاس کلومیٹر تک ایسے دیکھ سکتا ہے کہ ایک انچ کی چیز دیکھنا چاہے تو وہیں سے (Focus) فوکس کر کے دیکھ لیتا ہے۔ اس کی آنکھیں بالکل دوربین کی طرح کام کرتی ہیں۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ کہیں کوئی مردار چیز ہو اور پچاس کلومیٹر کے (Circle) دائرے میں کوئی ایک گدھ اڑ رہا ہو تو اسے دیکھ کر باقی گدھ بھی آجاتے ہیں۔ فرمایا، اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۝ جن لوگوں کو نورِ ایمان نصیب ہے ان کے لیے اس میں بڑے دلائل ہیں۔ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُیُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُیُوْتًا ۔۔۔۔۔ اس نے تمہیں سمجھ دی، شعور عطا کیا کہ تم گھر بنا سکو۔ وہ گھر تمہارے لیے آرام کا سبب بنیں۔ اور اس نے تمہیں یہ شعور بھی دیا کہ تم جانوروں کی کھالوں سے گھر بنا لیتے ہو تَسْتَخِفُّوْنَهَا یَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَیَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۔۔۔۔۔ یعنی خیمے تیار کر لیتے ہو۔ وہ اتنے ہلکے پھلکے ہوتے ہیں کہ سفر میں جہاں

چاہتے ہو خیمے گاڑ کر اپنے آرام کی جگہ بنا لیتے ہو اور جب چاہو انہیں اکھیڑ کر چل دیتے ہو۔ پھر جہاں ضرورت پڑتی ہے وہاں یہ عارضی گھر بنا لیتے ہو۔

دباغت کے احکام ومسائل:

تمام جانوروں کی کھال دباغت کے بعد پاک ہو جاتی ہے۔ کتا، شیر، گیدڑ، بھیڑیا کوئی بھی ہو سب کی کھال دباغت کے بعد استعمال کرنے کی اجازت ہے سوائے خنزیر کے، خنزیر کی اصل میں حرمت ہے۔ اس کی کوئی چیز، کسی صورت اور کسی حال میں پاک نہیں ہوتی۔

جو جانور حلال ہیں لیکن بغیر ذبح کے مر جائیں ان کی کھال استعمال کرنے کی اجازت ہے، ان کی کھال بھی دباغت کے بعد پاک ہو جاتی ہے۔ یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ اس نے جانوروں کی کھال سے اشیاء بنانے کو جائز کر دیا ہے۔ تم اللہ کی توفیق سے ان ہلکے پھلکے خیموں کے ساتھ سفر میں بھی آرام سے رہتے ہو۔ ان کا لگانا بھی آسان اور اٹھانا بھی آسان ہے۔ یہ سفر میں بھی تمہاری سہولت اور آرام کا سبب بنتے ہیں۔

فرمایا: وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾ ان کے پشم اور ان کے بالوں سے کمبل، بستر، لباس اور استعمال کی چیزیں بناتے ہو جو تمہارا سرمایہ بھی ہیں اور مدتوں تمہارے کام بھی آتی ہیں۔ جہاں تک جانوروں کے پشم اور بالوں کا تعلق ہے یہ بھی ہر جانور کے پاک ہوتے ہیں اور ان کا استعمال جائز ہے سوائے خنزیر کے کہ اس کی ہر چیز حرام ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ اللہ نے اپنی بنائی ہوئی چیزوں سے تمہارے لیے سائبان بنا دیے۔ قدرتی طور پر پناہ گاہیں بنا دیں۔ ضرورت پڑنے پر انسان کبھی پہاڑ کی کھوہ میں پناہ لے لیتا ہے، کبھی کسی درخت کے نیچے سردیوں میں پہاڑوں کے اندر آرام کرتے ہو اور گرمیوں میں درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں گزر بسر کر لیتے ہو۔ اور تمہیں ایسا شعور دیا کہ تم ایسے لباس بنا لیتے ہو جو تمہیں موسمی اثرات سے محفوظ رکھتے ہیں۔ اور تم ایسے لباس بناتے ہو جو لڑائی میں تمہاری حفاظت کرتے ہیں۔ انہی چیزوں سے کبھی اپنی حفاظت کے لیے ڈھالیں بنا لیتے ہو، کبھی زرہیں اور خود بنا لیتے ہو۔ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اس طرح اس نے تم پر اپنی بے حساب نعمتیں نچھاور کر دیں جو تم گن نہیں سکتے لہٰذا تم اس کی اطاعت کرتے رہو، اس کے نافرمان نہ بنو۔ اطاعت

گزار بن کر اللہ کا شکر ادا کرو۔

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ۞ فرمایا، اے میرے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر یہ لوگ ارشاداتِ باری کو سننے کے بعد، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بہترین تبلیغ کے بعد، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشادات اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کردارِ عالی کو دیکھ کر بھی اس طرف توجہ نہیں کرتے، پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں، پروا نہیں کرتے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذِمہ اللہ کی بات اس کے بندوں تک پہنچانا فرض ہے، ان سے منوانا آپ کی ذِمہ داری نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ کریمانہ ایسی ذات ہے کہ وہ کفار کے انجام پر بھی دکھ محسوس فرماتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ ہوتا تھا کہ اللہ کی اتنی رحمت کے باوجود، میری محنت شاقہ کے باوجود، اللہ کے کلام، اس کے احکام جو میں لوگوں کو پہنچا رہا ہوں ان سب کے باوجود بھی یہ سننے، سمجھنے کو تیار نہیں اور پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں، اس کے نتیجے میں یہ جہنم جائیں گے۔

اللہ کریم نے فرمایا، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا غم نہ کریں۔ اللہ نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جو پیغام دیا تھا وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے من وعن پہنچا دیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب یہ نہیں مانتے تو ان کی مرضی، یہ اپنے انجام کو پالیں گے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کام پیغام پہنچانا تھا، منوانا نہیں۔

فرمایا: يَعۡرِفُوۡنَ نِعۡمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنۡكِرُوۡنَهَا وَاَكۡثَرُهُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ۞ ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو انکار کیے بیٹھے ہیں جو اللہ کی عظمت کو نہیں مانتے۔ اللہ کو خالق و مالک نہیں مانتے اور اپنی امیدیں غیر اللہ سے وابستہ کیے ہوئے ہیں حالانکہ یہ اللہ کی نعمتوں کو جانتے ہیں، استعمال کرتے ہیں، مختلف چیزوں کو مختلف اندازوں سے ملا کر نئی نئی چیزیں بناتے ہیں لیکن اللہ کی عظمت کو نہیں مانتے اس لیے کہ کفر پر جم جانا اللہ کی بارگاہ سے دور کر دیتا ہے۔

سورۃ النحل رکوع 12 آیات 84 تا 89

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ
يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ
يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا
الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾
وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا
يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ
وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ
شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾

اور جس دن ہم ہر امت میں سے گواہ (پیغمبر) کھڑا کریں گے پھر ان کافروں کو (بولنے کی) اجازت نہ دی جائے گی اور نہ ان کے عذر قبول فرمائے جائیں گے ﴿۸۴﴾ اور جب ظلم کرنے والے لوگ عذاب دیکھ لیں گے تو نہ ان کے عذاب میں کمی کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت ہی دی جائے گی ﴿۸۵﴾ اور جب مشرک اپنے بنائے ہوئے شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے اے ہمارے پروردگار! یہ ہمارے وہی شریک ہیں جن کو ہم آپ کے سوا پکارتے تھے تو وہ ان کے کلام کو ٹھکرا دیں گے (اور کہیں گے) بے شک تم جھوٹے ہو ﴿۸۶﴾ اور اس دن اللہ کے سامنے

سرنگوں ہو جائیں گے اور جو طوفان وہ باندھا کرتے تھے وہ سب ان سے جاتا رہے گا ﴿۸۷﴾ جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا ہم ان کے لیے عذاب پر عذاب زیادہ کریں گے اس لیے کہ فساد کیا کرتے تھے ﴿۸۸﴾ اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ جو ان ہی میں سے ہوگا ان پر کھڑا کریں گے اور ان لوگوں کے مقابلہ میں آپ کو گواہ لائیں گے اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل فرمائی ہے کہ اس میں ہر چیز کا تفصیل سے بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت اور (بڑی) خوش خبری ہے ﴿۸۹﴾

تفسیر و معارف

ہر امت کی طرف نبیؑ بھیجے گئے:

فرمایا: وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا جس روز ہم ہر امت میں سے گواہ کھڑے کریں گے۔ آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی امت ایسی نہیں رہی جس میں اللہ کا نبیؑ مبعوث نہ ہوا ہو۔ یہ آیہء مبارکہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہے کہ تمام امتیں کسی نہ کسی نبیؑ سے منسوب تھیں اور اپنے نبیؑ کا اتباع ان کے لیے ضروری تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اپنی بعثتِ عالی سے لے کر قیامت تک کی ساری انسانیت کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبیؑ تھے، نبیؑ ہیں اور نبیؑ رہیں گے۔

انبیاءؑ کی گواہی:

چنانچہ قیامت میں جب محاسبہ ہوگا تو اللہ کریم انبیاء کو امت کے روبرو پیش فرمائیں گے اور انبیاء گواہی دیں گے کہ یا اللہ! ہم نے تیرا پیغام حرف بہ حرف ان تک پہنچایا، انہیں سمجھایا اور اس کام میں بھرپور کوشش اور مجاہدہ کیا۔ ان کی اصلاح کے لیے ان پر محنت کرتے رہے۔ جتنا وقت، جتنی مہلت تو نے ہمیں دی ہم انہیں تیرا پیغام پہنچاتے رہے، سمجھاتے رہے۔ اب اگر انہوں نے نافرمانی کی ہے تو جان بوجھ کر کی ہے، اس لیے نہیں کی کہ انہیں کسی نے بتایا نہیں تھا۔ کفار اللہ کے روبرو انکار کر دیں گے کہ یا اللہ! ہمیں تو کسی نے تیری ذات اور صفات کے بارے میں بتایا ہی نہیں تھا نہ ہی سمجھایا تھا اس لیے ہم تو اپنے باپ دادا کی رسومات پر چلتے رہے تو

انبیاءؑ علیہم السلام گواہی دینے کے لیے بلائے جائیں گے۔ اور وہ گواہی دیں گے کہ ہم نے تیرا پیغام انہیں پورا پورا پہنچا دیا۔

اتمامِ حجت:

جب انبیاءؑ علیہم السلام گواہی دیں گے تو کفار کو ان پر اعتراض کی اجازت نہیں دی جائے گی ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٨٤﴾ کہاں نبیؐ کی عظمت و عصمت اور صداقت، اور کہاں کفار کا جھوٹ! اور نہ ہی کفار کا نبیؐ کے مقابلے میں کوئی عذر قبول کیا جائے گا۔ اللہ کے نبیؐ جب پیغام پہنچاتے ہیں تو بنی آدم پر اتمامِ حجت ہو جاتا ہے اور کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔ کسی بھی انسان کے پاس اللہ کے نبیؐ کی نافرمانی کرنے کا کوئی عذر، کوئی دلیل نہیں ہے۔ دین یہ ہے کہ جو بات ثابت ہو جائے کہ یہ اللہ کے نبیؐ نے فرمائی ہے اس پر پورے خلوص دل سے بلا چون و چرا عمل کیا جائے حتیٰ کہ دل میں بھی کوئی ناگواری نہ آئے۔

جب انبیاءؑ گواہی دیں گے پھر کفار کو انبیاء پر اعتراض کی، بہانے بنانے یا معذرت کرنے کی یا پھر سے فرصتِ عمل مانگنے کی اجازت نہ ہوگی۔ ہرگز ایسی کوئی بات ان کی قبول نہیں کی جائے گی۔ اور جب ایسے ظالموں کے سامنے عذاب آ جائے گا، جہنم آ جائے گی وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٨٥﴾ پھر نہ تو کبھی ان کے عذاب میں کمی ہوگی نہ ہی ان کو مہلت دی جائے گی۔

جنت اور دوزخ کا معاملہ بھی عجیب ہے کہ جنت کی نعمتیں ہر لحہ زیادہ ہوتی ہیں اور دوزخ کی مصیبتیں ہر لحہ بڑھتی ہیں۔ دونوں طرف کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اُدھر نعمتوں میں کمی نہیں ہوگی، اِدھر عذاب میں کمی نہیں ہوگی بلکہ عذاب میں تسلسل ہوگا، تعطل نہیں ہوگا، نہ کوئی چھٹی ہوگی نہ ہی درمیان میں کوئی مہلت دی جائے گی۔

میدانِ حشر:

جب میدانِ حشر میں سب لوگ حاضر ہوں گے تو مشرکین جن ہستیوں کو دنیا میں اللہ کا شریک مانتے تھے وہ بھی وہاں موجود ہوں گی۔ فرمایا: وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِن دُونِكَ ۖ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٨٦﴾ مشرکین پکار اٹھیں گے کہ یا اللہ! سارا قصور ہمارا نہیں ہے یہی تو وہ لوگ ہیں، یہی وہ بت ہیں، یہی تو وہ نام ہیں جنہیں ہم آپ کے علاوہ پکارتے تھے۔ اس کے جواب میں وہ ہستیاں جن کی وہ عبادت کرتے تھے کہیں گی کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ اگر پتھر ہے تو پتھر نے کس کو دعوت دی ہے کہ اس کی عبادت کرے۔ اور اگر کوئی فرشتوں کو پوجتا ہے تو

فرشتوں نے کب دعوت دی ہے کہ ہماری پوجا کرو! کوئی انبیاء یا اللہ کے نیک بندوں کو پوجتا ہے تو انہوں نے کب دعوت دی ہے کہ ہماری پوجا کرو بلکہ وہ تو دعوتِ الی اللہ دیتے رہے۔ سو، مشرک جن کی پوجا کرتے تھے یا جنہیں اللہ کی ذات یا صفات میں شریک مانتے تھے، وہ پوجا کرنے والوں کو ہی گمراہی کا ذمہ دار ٹھہرائیں گے اور کہیں گے کہ تم جھوٹ بولتے ہو، ہم نے تمہیں کب کہا تھا کہ ایسا کرو۔

ماننے کی فرصت آج ہے:

فرمایا: فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ اس دن تو مشرکین اور کفار سب ہی اللہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں گے اور اطاعت اور فرمانبرداری کا اقرار کریں گے۔ وَأَلْقَوْا إِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ دنیا میں انبیاء کے مقابلے میں جتنے دلائل دیتے تھے، جھوٹ کے طومار باندھتے تھے اور دین کے خلاف جتنی بحث کرتے تھے، وہ ساری کج بحثیاں ختم ہو جائیں گی۔ سب کہہ اٹھیں گے کہ اللہ! تیرا کوئی ثانی نہیں کوئی شریک نہیں، ہم تیرے فرمانبردار بندے ہیں۔ لیکن اس دن ماننے سے کیا حاصل؟ کیونکہ دارِ عمل تو موت سے ختم ہو گیا، اور قیامِ قیامت سے تو مطلق ختم ہو گیا آگے دارالجزا ہے۔ وہاں ماننے نہ ماننے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ جب دوزخ بھی سامنے ہو گی، جنت بھی سامنے ہو گی، فرشتے بھی سامنے ہوں گے پھر تو ماننا ہی پڑے گا پھر کون انکار کرے گا!

فساد کی سزا:

فرمایا: اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ جن لوگوں نے اللہ کا انکار کیا، عظمتِ الٰہی کو قبول نہیں کیا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو قبول نہیں کیا، اللہ کی کتابوں کو نہیں مانا، ارشاداتِ باری کا انکار کیا ان کے لیے عذاب پر عذاب بڑھتا جائے گا، زیادہ کیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ کہ انہوں نے بہت فساد پیدا کیا ہے۔ دنیا میں کوئی شخص ایک راہ نکالتا ہے تو بہت سے لوگ اسے دیکھ کر وہ راہ اپنا لیتے ہیں۔ اگر کوئی مسلسل نیکی کرتا ہے تو کچھ نہ کچھ لوگ اس کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں، نیک ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی کفر کی راہ اپناتا ہے، شرک کرتا ہے تو کچھ نہ کچھ افراد اس کے ساتھ بھی شامل ہو جاتے ہیں اور اس کی وجہ سے وہ بھی کفر اور شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کفر متعدی ہے یعنی دوسروں کو بھی متاثر کرنے والا ہے، اس کا اثر دوسروں تک بھی پہنچتا ہے۔ تو جہاں جہاں کسی نے کوئی برائی ایجاد کی، یا کفر ایجاد کیا، یا شرک میں مبتلا ہوا، اسے دیکھ کر دوسرے اس میں مبتلا

ہوئے۔ انہیں دیکھ کر مزید لوگ مبتلا ہوئے۔ ان کے دنیا سے جانے کے بعد اگر وہ رسم پیچھے چلتی گئی تو جب تک لوگ آگے گمراہ ہوتے گئے اسی نسبت سے ایجاد کرنے والے کا عذاب بھی بڑھتا جائے گا۔ ان سب کی ذمہ داری بھی اس پر آئے گی۔ اپنا اپنا عذاب وہ سب بھی بھگتیں گے لیکن شروع کرنے والے پر سب کو گمراہ کرنے کی ذمہ داری ہوگی۔ اس لیے اس معاملے میں بڑی احتیاط چاہیے اور اہتمام کیا جائے کہ ظاہری اور باطنی زندگی کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے مطابق ڈھالا جائے، اسے دیکھ کر اگر کوئی سدھرتا ہے تو اس کا ثواب ملے گا لیکن کوئی اگر گمراہی کی کوئی قسم ایجاد کرتا ہے اور اسے دیکھ کر لوگ گمراہ ہوتے چلے جاتے ہیں تو ان سب کی گمراہی کا عذاب بھی اس کے سر آئے گا۔ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ مزید عذاب بڑھتے چلے جائیں گے، اس لیے کہ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ﴿۸۸﴾ انہوں نے فساد پیدا کیا تھا۔ کفر اور برائی کو پھیلانے کا سبب بنے تھے تو جتنا آگے پھیلتا جائے گا، اتنا ان پر بوجھ بڑھتا چلا جائے گا۔

انبیاء کے حق میں گواہ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

فرمایا: وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۔۔۔۔۔۔ اور اس دن ہم ہر امت میں ایک گواہ کھڑا کریں گے جو ان ہی میں سے ہوگا۔ اللہ کے نبیؐ جو ان کی طرف مبعوث ہوئے تھے وہ ان پر گواہی دیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کی صداقت پر گواہ لائیں گے یعنی کفر ایسی مصیبت ہے کہ انبیاء کی صداقت کا انکار اور انہیں جھٹلانے کا سبب بنے گا۔ انبیاء کھڑے ہو کر اپنی اپنی امت پر گواہی دیں گے کہ اے اللہ! ہم نے تیرے احکام جو تو نے ہمیں ارشاد فرمائے، عقائد و اعمال کے بارے میں تیرے کامل ارشادات سب کے سب ان تک پہنچا دیے۔ کسی نے مانا لیکن ان پر عمل نہیں کیا۔ کسی نے ماننے سے ہی انکار کر دیا۔ بعض خوش نصیب ایسے بھی تھے کہ انہوں نے قبول بھی کیا اور عمل بھی کیا، سب تیرے سامنے ہیں۔ اور جہاں تک بات پہنچانے کا تعلق ہے ہم نے حق ادا کر دیا۔ اس پر کفار چلائیں گے کہ ہم تک تو کسی نے بات پہنچائی ہی نہیں، یہ تو آج کہہ رہے ہیں، ہمیں تو بتایا ہی نہیں گیا تھا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء کی صداقت پر گواہ لائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیں گے۔ اس پر کفار کہیں گے کہ ہم نے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا نہیں، یہ ہمارے سامنے تو نہیں تھے تو یہ ہماری بات پر کس طرح شہادت دے رہے ہیں؟ فرمایا: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۔۔۔۔۔۔ اس لیے کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی کتاب نازل فرمائی ہے جس نے تمام حقائق بیان

کر دیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی بارگاہ سے، بذریعہ وحی، قرآنِ کریم نازل کیا گیا جس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام امتوں کے حالات، انبیاءؑ کی صداقت، انبیاءؑ کا کردار، کفار و مشرکین کا کردار بیان ہو گیا تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ جس میں وہ ساری تفصیل موجود ہے کہ انبیاءؑ علیہم السلام کا کردار کیا تھا اور کفار و مشرکین کا رویہ کیا تھا، ان کے اعتراضات کیا تھے اور کس طرح کی باتیں بنایا کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے گواہی دیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ کی طرف سے ان تمام امور کی تفصیلات آ گئیں۔

کتابِ ہدایت:

قرآن کریم ایسی کتاب ہے کہ اس میں صرف گزشتہ امتوں کے حالات وواقعات ہی صحیح صحیح بیان نہیں فرمائے گئے بلکہ آئندہ قیامت تک ہر کام کو کرنے کے صحیح انداز کی رہنمائی بھی دے دی گئی ہے۔ گویا قرآن کریم صرف گزشتہ پر بحث نہیں کرتا، تاریخ انسانی پر ہی بحث نہیں کرتا بلکہ انسان کی تخلیق سے لے کر آج تک آخرت تک کی بات کرتا ہے۔ ہر کام کو کس انداز سے کرنا ہے، اس کے کرنے کا صحیح طریقہ اور سلیقہ کیا ہے، اللہ کریم کو کون سا انداز پسند ہے اور کس بات سے اللہ کریم ناراض ہوں گے، یہ سب کچھ قرآن بیان کر دیتا ہے۔ جو کتابِ ہدیٰ ہے۔

وَبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿٨٩﴾ قرآن کریم خوشخبری دینے والا ہے ان لوگوں کو جو اس کی بات مانتے ہیں۔ مسلم کون ہے، اسلام کیا ہے، مسلمانی کیا ہے؟

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے۔

اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق سرِ تسلیم خم کر دینا اور اپنی بساط بھر اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنا ہی اسلام ہے۔ قرآنِ کریم زندگی گزارنے کا طریقہ وسلیقہ سکھاتا ہے، رحمت الٰہی کا منبع ہے اور خوشخبری دیتا ہے ان لوگوں کو جنہوں نے اسے مانا اور اس پر عمل کیا۔

سورۃ النحل رکوع 13 آیات 90 تا 100

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ
وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾ وَأَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا
عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ
كَفِيْلًا ۚ إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا
مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا ۚ تَتَّخِذُوْنَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُوْنَ أُمَّةٌ هِيَ
أَرْبٰى مِنْ أُمَّةٍ ۚ إِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا
كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ
مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَا
تَتَّخِذُوْٓا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ
بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ
اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۚ إِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ مَا
عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۚ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا أَجْرَهُمْ
بِأَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٩٩﴾ اِنَّمَا
سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿١٠٠﴾

بے شک اللہ انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (حسب توفیق) دینے کا حکم فرماتے ہیں اور بے حیائی اور برائی اور سرکشی سے منع فرماتے ہیں وہ تمہیں اس لیے نصیحت فرماتے ہیں تا کہ تم نصیحت قبول کرو ﴿۹۰﴾ اور جب اللہ سے عہد کرلو تو اس کو پورا کرو اور جب پکی قسمیں کھاؤ تو ان کو مت توڑو اور یقیناً تم اللہ کو اپنا ضامن مقرر کر چکے ہو جو کچھ تم کرتے ہو بے شک اللہ اس کو جانتے ہیں ﴿۹۱﴾ اور اس عورت کی طرح نہ ہونا جس نے محنت سے اپنا سوت کاتا پھر اس کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تم اپنی قسموں کو آپس میں اس بات کا ذریعہ بنانے لگو کہ ایک گروہ دوسرے گروہ پر غالب رہے بے شک اس سے اللہ تمہاری آزمائش کرتے ہیں اور جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے ہو قیامت کے دن ضرور ان سب کو تمہارے سامنے ظاہر فرما دیں گے ﴿۹۲﴾ اور اگر اللہ چاہتے تو تم سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتے و لیکن وہ جسے چاہتے ہیں گمراہ کرتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں راہ پر ڈال دیتے ہیں اور جو عمل تم کرتے ہو ان کے بارے تم سے ضرور پوچھا جائے گا ﴿۹۳﴾ اور اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ نہ بناؤ کہ (لوگوں کے) قدم جم چکنے کے بعد لڑکھڑا جائیں اور اس وجہ سے کہ تم نے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا تھا تمہیں تکلیف بھگتنا پڑے اور تم کو بڑا سخت عذاب ملے ﴿۹۴﴾ اور اللہ سے جو تم نے عہد کیا ہے اس کو تھوڑی سی قیمت (مال ومنال دنیا) پر مت بیچو بے شک جو (صلہ) اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو تو ﴿۹۵﴾ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ سب ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ہمیشہ رہے گا اور جن لوگوں نے صبر کیا ہم ضرور ان کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دیں گے ﴿۹۶﴾ جو شخص نیک کام کرے وہ خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ صاحب ایمان ہو تو ہم ضرور

اس کو (دنیا میں) پاک (اور آرام کی) زندگی عطا فرمائیں گے اور (آخرت میں)
ان کے اعمال کا بہت اچھا صلہ عطا فرمائیں گے ﴿۹۷﴾ پس جب آپ قرآن
پڑھنا چاہیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں ﴿۹۸﴾ یقیناً اس کا زور
ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے
ہیں ﴿۹۹﴾ بے شک اس کا قابو تو ان لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے تعلق رکھتے ہیں اور
جو اُس (اللہ) کے ساتھ شرک کرتے ہیں ﴿۱۰۰﴾

تفسیر و معارف

زندگی کا لائحہ عمل:

فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۹۰ اس آیہ کریمہ میں اللہ کریم نے پوری زندگی کے لائحہ عمل کو سمو دیا ہے۔ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا، اس میں ارشاد فرما دیا ہے۔ سب سے پہلے عدل کا ذکر فرمایا۔

عدل:

فرمایا، اللہ تعالیٰ عدل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ عدل کے معنی برابری ہے، یعنی ہر معاملے میں انصاف کرنا۔ مسلمان معاشرے کے لیے عدل بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ مومن کی پوری زندگی عدل کی آئینہ دار ہونی چاہیے کہ جائز اور حلال ذرائع سے کمائیں، دوسروں کا حق نہ چھینیں، ناجائز ذرائع سے دولت جمع نہ کریں۔ ناجائز ذرائع استعمال کرنا عدل کے خلاف ہوگا۔ یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ہم دن کس طرح بسر کرتے ہیں، کیا کرتے ہیں، کیا نہیں کرتے۔ اگر دن اللہ کی اطاعت میں بسر ہوگا اور ہمارے امور شریعت کے مطابق ہوں گے تو یہ عدل ہوگا۔

عدل کے مقابلے میں ظلم ہے۔ اگر ہماری دن بھر کی مصروفیات، ہمارا کاروبارِ زندگی خلافِ شریعت ہوگا تو یہ ظلم ہوگا۔

اسی طرح ہر سطح پر، خانگی زندگی سے لے کر ملکی و بین الاقوامی سطح تک، ہر جگہ بندے کا کردار عدل ثابت کرے گا۔ اور عدل ہوگا اللہ اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق عمل کرنا۔ اس کے

خلاف کرے تو ظلم ہوگا۔ چونکہ پوری زندگی کو عدل میں لانا ضروری ہے اس لیے ہر کام میں عدل لازم ہے، انصاف لازم ہے اور انصاف کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ویسے کیا جائے جیسا اللہ کریم نے ارشاد فرمایا ہے۔ اپنے نفس کے ساتھ بھی عدل کیا جائے۔ اسے غذا بھی دی جائے، دوا بھی اور آرام بھی دیا جائے۔ ذکر و عبادات کے ذریعے صفاتِ ملکوتی پیدا کی جائیں، اللہ کا قرب تلاش کیا جائے۔ جہاں عزیز و اقارب کے ساتھ عدل کیا جائے وہاں گھر میں بھی عدل کیا جائے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ نکاح ہوا اور میاں بیوی کا مقابلہ شروع ہو گیا۔ یہ ادھر کھینچ رہی ہے، وہ اُدھر کھینچ رہا ہے۔ اگر مقابلہ ہی کرنا تھا تو شادی کیوں کی، اللہ کے نام پر ایک دوسرے پر حلال کیوں ہوئے؟ جب اللہ کے نام پر حلال ہو گئے تو پھر اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ بنیادی طور پر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ کوئی انسان بھی سو فیصد صحیح نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی تو دوسرے کو محسوس نہیں ہوتا۔ ہر لحاظ سے بے عیب اور پاک ہونا اللہ کی صفت ہے اور معصوم عن الخطا ہونا اللہ کے انبیاء کی صفت ہے، اس کے علاوہ کوئی انسان بے عیب یا معصوم نہیں ہوتا کہ وہ سو فیصد فرشتہ ہو۔ انسان ہے، اس میں خوبیاں بھی ہوتی ہیں خامیاں بھی ہوتی ہیں۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ہم اپنی خامیاں بھول جاتے ہیں، اور بعض اوقات دوسرے کی خوبی کو بھی خامی سمجھ لیتے ہیں، یا دوسرے کی چھوٹی سی خامی کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ فرمایا، کسی سے، خواہ وہ بیوی ہو، اولاد ہو، والدین ہوں یا ساس، سسر ہوں، سلوک کا یہ معیار نہیں ہے۔ لہٰذا اپنے ساتھ عدل کرو، گھر میں عدل کرو، برادری کے لوگوں اور رشتہ داروں کے ساتھ عدل کرو۔ عدل یہ نہیں ہے کہ وہ تم سے اچھائی کریں تو تم اُن سے اچھائی کرو۔ یہ تو برابری ہوئی۔ عدل یہ ہے کہ اگر وہ برائی بھی کرتے ہیں تو تم برائی کا جواب برائی سے نہ دو، تم اچھائی کرو۔ تمہاری نیکی اللہ کریم ضائع نہیں فرمائے گا۔ تمہاری نیت اللہ جانتے ہیں، تم ان کا نقصان نہ کرو۔ اگر وہ زیادتی بھی کرتے ہیں تو برداشت کرو۔ اسی طرح قومی معاملات میں، بین الاقوامی معاملات میں، زندگی کے ہر لمحے میں عدل کرو۔

بچیوں کے لیے نصیحت:

پچھلے دنوں ایک بی بی کی E-MAIL وصول ہوئی۔ لکھتی ہیں کہ میرے میاں کی والدہ سے میرے اختلافات ہو گئے ہیں۔ میاں نے مجھ سے بول چال بند کر دی ہے اور میکے چھوڑ گئے ہیں۔ میں نے اسے لکھا کہ مجھے تو یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ جب اللہ کے نام پر تم ایک دوسرے پر حلال ہوئے اور تم دو سے ایک جان ہو گئے تو اس کی والدہ الگ اور تمہاری والدہ الگ کیسے ہوئی؟ کیا دونوں والدائیں تم دونوں کی والدائیں نہیں ہیں؟ کیا تم دونوں کے والد، تم دونوں کے لیے والد کی حیثیت نہیں رکھتے؟ پھر یہ تقسیم درمیان میں کیسے آگئی؟ میاں کی والدہ

الگ نہیں ہے، وہ تمہاری بھی والدہ ہے تو والدہ سے کونسا اختلاف ہے تمہارا؟ اللہ کا خوف کرو''اُس کی'' والدہ سمجھ کر میاں سے اختلاف نہ کرو بلکہ اپنی والدہ سمجھ کر ان سے بات کرو۔ معاملے کو اس پہلو سے دیکھ کر خود فیصلہ کرو کہ غلطی تمہاری ہے یا ان کی ہے؟

ایک گھر اجڑ رہا تھا اتنی معمولی سی بات پر کہ''اُس کی امی نے یہ کہا''۔ ارے وہ تمہاری بھی امی ہے اگر کچھ کہہ بھی دیا ہے تم کہو، امی! یہ تو آپ نے میرے ساتھ زیادتی کی، میں بھی تو آپ کی بیٹی ہوں، آپ میرے حق میں ایسا نہ کہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ میری بات سمجھ گئی اور اس نے والدہ سے معافی مانگ لی اور ان کی صلح ہوگئی۔

احسان:

زندگی کے ہر کام میں عدل کرو اور عدل دکھاوے کے لیے نہ ہو، لوگوں کو دکھانے، اپنی پارسائی جتانے کے لیے نہ ہو اور کسی مجبوری کے تحت نہ ہو بلکہ: وَالْاِحْسَانِ ۔۔۔۔۔ خلوصِ دل سے کیا جائے۔ احسان یہ ہے کہ ہر کام کو قلبی خلوص کے ساتھ اور خشوع اور خضوع کے ساتھ اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالی میں ہے فرمایا: اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ احسان یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت اور عبادت اس طرح کرو گویا تم اللہ کو روبرو دیکھ رہے ہو، اور اگر یہ ہمت نہیں ہے تو پھر کم از کم یہ یقین رکھو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے، تم اس کے روبرو کھڑے ہو۔ یعنی عدل کرو اور پورے خلوص کے ساتھ کرو۔

عزیز و اقارب کے حقوق:

حسبِ توفیق اپنے عزیز و اقارب کا خیال رکھو، مستحقین کے حقوق ادا کرو اور اپنے حقوق حاصل کرو۔ ہر انسان کو اپنے حقوق بھی حاصل کرنے چاہئیں البتہ اگر اپنے حقوق معاف کرنا چاہے تو اسے یہ اختیار حاصل ہے لیکن دوسروں کے جو حقوق اس کے ذمے ہیں وہ اسے ہر حال میں ادا کرنا ہیں، اس سے فرار نہیں ہے۔ لہٰذا متعلقین کے حقوق کی نگہداشت کرو۔ والدین کے حقوق ادا کرو، بیوی بچوں، رشتہ داروں کے حقوق ادا کرو۔

اسی آیۂ مبارکہ میں چند کاموں سے بچنے کی ہدایت کی گئی ہے اور ان کاموں سے منع فرما دیا گیا ہے فرمایا: وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ اللہ کریم نے ان تین کاموں سے منع فرما دیا۔

بے حیائی:

بے حیائی کیا ہے؟ ہر وہ فعلِ ناروا جس کی برائی پر سارا معاشرہ متفق ہو، مومن و کافر سب کو برا لگے

اور بین الاقوامی سطح پر پوری دنیا اس پر متفق ہو، وہ فحشاء یعنی بے حیائی کہلائے گا۔ مثلاً جھوٹ، کہ خود جھوٹ بولنے والے بھی جھوٹ کو برا کہتے ہیں، چوری بھی ایسا فعل ہے کہ خود چوری کرنے والے بھی چوری کو برا کہتے ہیں۔

منکرات:

فرمایا: وَالْمُنْكَرِ جب باہمی معاملات میں اللہ کے دیے ہوئے ضابطے اور قانون کی خلاف ورزی کی جائے اور وہ سلوک نہ کیا جائے جو اللہ کا حکم ہے تو یہ منکر یا برائی ہے۔ برائی سے دوسرے کا نقصان ہوتا ہے، دوسرے کی ذات متاثر ہوتی ہے اور یہ اثر فرد کی ذات پر ہی نہیں آتا بلکہ اس کی زد میں ہر وہ شخص آتا ہے جو اس سے تعلق رکھتا ہے اور پھر وہ جو اس سے تعلق رکھتا ہے، یوں آگے ہی آگے اس کا اثر پہنچتا چلا جاتا ہے۔ جس سے اپنی ذات متاثر ہو وہ بھی برائی ہے مثلاً اگر عقیدے میں خلل آ گیا تو یہ بھی برائی ہے۔
الغرض جہاں جہاں اطاعتِ الٰہی کا دامن چھوٹا، وہاں منکر آ گیا۔

سرکشی:

فرمایا: وَالْبَغْيِ۔۔۔۔۔ سرکشی اور بغاوت کا اثر متعدی ہوتا ہے جو آگے پھیلتا چلا جاتا ہے اور بہت سے انسانوں کو متاثر کرتا ہے۔ بے شمار لوگوں کے نظریات تباہ ہوتے ہیں۔ مال و دولت برباد ہوتا ہے۔ یہ اللہ سے سرکشی ہے کہ اللہ کی مخلوق کو گمراہ کیا جائے یا ان کے حقوق مارے جائیں۔
تو اللہ کریم نے تین کام کرنے سے روک دیا۔ بے حیائی نہ کرو، برائی نہ کرو اور بغاوت نہ کرو۔
فرمایا: يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿٩٠﴾ اللہ کریم تمہیں یہ نصیحت فرماتے ہیں تا کہ تم سدھر جاؤ اور تمہارا معاملہ درست ہو جائے۔

وعدہ، قَسم:

فرمایا: وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٩١﴾ جب اللہ سے وعدہ کرو تو اسے پورا کرو۔ کلمہ طیبہ پڑھنا اللہ سے عہد کرنا ہے۔ جب ہم نے اقرار کیا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ہمارا اللہ سے ایک عہد ہو گیا کہ اے اللہ! ہم آپ کے سوا کسی کو معبود نہیں مانتے، یعنی ہم آپ ہی کی کامل اطاعت اور فرمانبرداری کریں گے۔ اور یہ اطاعت ہم کیسے کریں گے؟ جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں گے۔

ہر کام کا جو طریقہ اور سلیقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں گے، ویسے کریں گے۔ جس کام سے روک دیں گے، وہ نہیں کریں گے۔

تو جو وعدہ تم نے اللہ سے کیا ہے، اور پھر صبح شام اسے دہراتے ہو، پھر اس وعدے کو پورا کیوں نہیں کرتے؟ وہ عہد نبھاؤ! اور یاد رکھو کہ جو اللہ سے کیا ہوا وعدہ وفا نہیں کرتا وہ معاشرے میں کسی دوسرے سے کیا ہوا عہد کیسے پورا کرے گا؟ لہٰذا اللہ سے کیا ہوا عہد نبھاؤ اور جب کسی سے عہد کرو تو اسے بھی نبھاؤ۔ اللہ کی قسمیں پکی کرنے کے بعد انہیں مت توڑو یعنی جب لوگوں کو یہ ضمانت دیتے ہو کہ اللہ اس بات پر گواہ ہیں کہ میں یہ کروں گا، اللہ کی قسم! میں یہ کروں گا، تو پھر وہ وعدہ پورا کرو اور اپنی قسموں کو مت توڑو اس لیے کہ تم نے اللہ کو ان پر گواہ بنایا۔

جو قسم کسی خلافِ شرعی عمل پر کھائی جائے اس سے توبہ کرنا واجب ہے اور ایسی قسم منعقد ہی نہیں ہوتی۔ ایک شخص ناجائز کام کے لیے کسی سے وعدہ کرے اور قسم کھائے کہ اللہ کی قسم میں آپ کے لیے کروں گا تو یہ ناجائز ہے۔ اسے اس سے توبہ کرنی چاہیے اور یہ قسم منعقد نہیں ہوتی۔ تو پہلے اللہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کرو۔ اتنی حیا تو کرو کہ میں نے اللہ سے وعدہ کیا ہے، اب میں اس پر قائم رہوں۔ ہر کام کرتے وقت یہ بات سامنے رکھو کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور میں کیا کر رہا ہوں۔ اور پھر اللہ کو گواہ بنا کر جن لوگوں سے وعدے کرتے ہو ان معاہدوں کو نبھاؤ۔ سوچ سمجھ کر معاہدہ کرو، سوچ سمجھ کر عہد کرو، اور یاد رکھو خلافِ شریعت کوئی عہد منعقد ہی نہیں ہوتا لہٰذا مت کرو۔ اور شریعت کے مطابق جو وعدہ کر لو، اسے پورا کرو۔

ہمارے معاشرے میں تو آج یہ عالم ہے کہ ایک سے وعدہ کیا پھر سمجھا کہ دوسری طرف دنیوی مفاد ہے تو ادھر چلے گئے، اور اس جھوٹ اور دھوکا دہی کو سیاست کا نام دے دیتے ہیں۔ یہ سیاست نہیں ہے یہ منافقت ہے، یہ ظلم ہے۔ یہ بات یاد رکھو اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ کہ تمہارے ہر عمل سے اللہ کریم واقف ہیں۔ تم خود کو بہت ہوشیار سمجھتے ہو، لیکن یاد رکھو تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ کے روبرو کر رہے ہو۔ تمہارے پاس تھوڑی سی مہلت ہے، کل اسی بارگاہ میں حاضر ہو کر تمہیں جواب دینا ہے اور وہ خود تمہارے ہر عمل پر گواہ ہے۔

وعدہ خلافی کرنے والے کی مثال:

اگر وعدہ خلافی کرو گے، قسمیں توڑو گے تو تمہاری مثال ایسی ہوگی وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ۔۔۔۔۔۔ جیسے کوئی خاتون سارا دن سوت کاتتی رہے اور شام تک جتنا سوت کات کر اکٹھا کیا ہو، اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ وہ ساری روئی جس کو کات کر سوت بنایا تھا، نہ وہ روئی رہی اور

جو سوت بنا وہ اس نے توڑ دیا، تو نہ ہی وہ سوت رہا۔ اور جو دن بھر کی محنت تھی وہ بھی گئی اور شام کو اس خاتون کے پاس کچھ بھی نہ رہا۔ وہ بالکل تہی دامن رہ گئی۔ ایسا نہ ہو کہ تم اس طرح جھوٹ بول بول کر اپنی عمر بھر کی محنت کی کمائی ضائع کر دو، اور یہ بھی نہ کرنا کہ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ۔۔۔۔۔ تم قسموں کو دوسروں پر خود کو مسلط کرنے کا ذریعہ بنالو کہ دوسروں کا مال چھیننے یا ان کو کمزور کرنے کے لیے، خود کو اُن پر غالب کرنے کے لیے قسمیں اٹھاؤ۔ جھوٹ کو اپنے وقار کا ذریعہ مت بناؤ، اپنے مقاصد کے حصول کا ذریعہ مت بناؤ۔

فرمایا: اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۔۔۔۔۔ یقیناً اس معاملے میں اللہ کریم تمہاری آزمائش کریں گے۔ دنیا میں بار ہا ایسے مواقع آئیں گے جہاں تمہاری مادّی عقل تمہیں یہ مشورہ دے گی کہ جھوٹ بولنے سے یہ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ فرمایا، یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے اور سچ پر ثابت قدم رہنا ہی اللہ کو منظور ہے۔ جھوٹ کا سہارا لے کر، اسے سیاست کا نام دے کر اگر کوئی اقتدار حاصل کر بھی لے تو کیا ہوا، جھوٹ بول کر اگر کوئی دولت جمع کر بھی لے تو کیا ہوا، کیا حکمرانوں کو موت نہیں آئے گی، کیا حکمران مٹی میں دفن نہیں ہوگا؟ کیا امراء خاک میں ملائے نہیں جاتے؟ ایسے شہنشاہ بھی گزرے ہیں جنہوں نے دنیا کو ہلا کر رکھ دیا، مگر آج اُن کی قبروں کا نشان بھی مٹ چکا ہے۔ تو بالآخر انجام یہی ہے۔ لہٰذا جھوٹ کا سہارا لے کر کامیابیاں نہ سمیٹو، یہ منافقت ہے۔ اور یہ اللہ کریم کو قطعی ناپسند ہے۔ یاد رکھو! یہ دنیا کی زندگی تو گزر جائے گی لیکن یہ سب ہیرا پھیریاں جو تم کرتے ہو وہ قیامت کے دن تم سے پوچھی جائیں گی، تمہیں بتائی جائیں گی۔

وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾ دنیا میں اگر تم نے جھوٹ بول کر چالاکی سے وقتی طور پر دنیوی مفاد حاصل کر بھی لیا تو بھی ایک دن سب کچھ چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔ اور قیامت کے دن اللہ کریم تمہیں تمہارا ایک ایک عمل بتائیں گے۔ وہ تم سے پوچھنے کے محتاج نہیں ہیں۔ بلکہ بہت سے ایسے جرائم ہوں گے جو خود تم بھول چکے ہو گے۔ تمہارے ذہن سے محو ہو چکے ہوں گے، لیکن اللہ تمہیں بتائیں گے کہ تم نے دنیا میں کیا کیا تھا۔ لہٰذا اس وقت پر نگاہ رکھو۔ دنیا میں اپنے مفاد کے لیے جو اختلافات کرتے تھے اور گروہ بندیاں کرتے تھے، وہ سارے اختلافات سامنے آجائیں گے اور اللہ کریم حق واضح کر دیں گے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہیں۔

ہدایت یا گمراہی مسلط نہیں کی جاتی:

فرمایا: وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۔۔۔۔۔ اگر اللہ کریم چاہتے تو سب لوگوں کو

ایک ہی اُمت بنا دیتے، ایک ہی جماعت بنا دیتے۔ سب کا مذہب ایک ہوتا، سب نیک اور صالح ہوتے۔ اگر اللہ کریم چاہتے تو ایسا بھی کر سکتے تھے لیکن اللہ کریم نے انسان کو نیکی اور بدی کے راستے بتا کر فیصلہ کرنے کا اختیار اس کو سونپ کر اسے آزمائش میں ڈال دیا۔ انسان کو اس کی پسند پر چھوڑ دیا کہ جدھر چلنا چاہے، چل سکتا ہے فرمایا: وَّلٰكِنۡ يُّضِلُّ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ۔۔۔۔۔۔وہ جسے چاہتے ہیں، گمراہ کر دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں، ہدایت دے دیتے ہیں۔ اس آیہء کریمہ کی وضاحت کے لیے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں سوال عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم جب اللہ ہی کسی کو گمراہ کر دیں تو پھر اس میں اُس کا کیا قصور ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کریم بلاوجہ کسی کو گمراہ نہیں فرماتے۔ اللہ کریم نے نیکی اور بدی کے راستے واضح کر کے فیصلے کا اختیار انسان کو دیا ہے کہ وہ کس راہ پر چلنا پسند کرتا ہے۔ ارشادِ باری ہے: اِنَّا هَدَيۡنٰهُ السَّبِيۡلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوۡرًا (سورۃ الدھر:3) دونوں راستے اس کے سامنے ہیں۔ اب یہ انسان کا فیصلہ ہے کہ وہ اللہ کریم کا شکر گزار بندہ بننے کا فیصلہ کرتا ہے یا کفر کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انسان جب برائی کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر توبہ کرتا ہے، اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ سیاہی دھل جاتی ہے۔ لیکن اگر مسلسل برائی کرتا ہے تو سیاہی بڑھتی رہتی ہے حتیٰ کہ پورا قلب سیاہ ہو جاتا ہے اور اللہ کریم کی طرف سے قلب پر مہر کر دی جاتی ہے کہ تم برائی کے راستے پر اتنے دور نکل گئے ہو کہ اب اللہ کریم تمہاری واپسی اپنی بارگاہ میں پسند نہیں کرتے۔ اب اسی راستے پر چلتے جاؤ لہٰذا ایسے لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں اور انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔

وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ۔۔۔۔۔۔ اور جسے چاہتے ہیں ہدایت دے دیتے ہیں، اپنے قرب سے نوازتے ہیں۔ فرمایا: وَيَهۡدِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ يُّنِيۡبُ (13 سورۃ الشوریٰ) جو لوگ خلوصِ دل سے یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ انہیں اللہ کی رضا چاہیے تو اللہ ان کے لیے اس کے حصول کے وسائل مہیا فرما دیتے ہیں اور انہیں ہدایت پر پہنچا دیتے ہیں۔ گمراہی یا ہدایت انسان پر مسلط نہیں کی جاتی۔

اعمال کا حساب ہوگا:

فرمایا: وَلَـتُسۡـئَـلُنَّ عَمَّا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴿۹۳﴾ یہ بات یاد رکھو کہ تم سے تمہارے ہر عمل کا حساب لیا جائے گا۔ یہ یقین کر لو کہ ایسا ضرور ہوگا۔

جھوٹ فساد کا بیج ہے:

فرمایا: وَلَا تَتَّخِذُوۡۤا اَيۡمَانَكُمۡ دَخَلًاۢ بَيۡنَكُمۡ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعۡدَ ثُبُوۡتِهَا وَتَذُوۡقُوا

السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾ اپنی قسموں اور وعدوں کو فساد ڈالنے کا ذریعہ نہ بناؤ۔ یعنی لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے قسمیں مت کھاؤ۔ اپنی قسموں کو، اپنی صداقت و دیانتداری کو فساد ڈالنے کا ذریعہ نہ بناؤ کہ بظاہر تو بہت دیانتدار نظر آؤ اور اندر جھوٹ بول کر لوگوں کو جھوٹ پر یقین دلاتے رہو، کہو کچھ اور کرو کچھ۔ جھوٹ تو فساد کا بیج ہے اس سے فساد شروع ہو جائے گا۔

آج کل تو یہ اتنا رواج پا گیا ہے کہ ایک دکاندار معمولی چیز بیچنے کے لیے بھی قسمیں کھاتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ چیز ویسی نہیں ہے مگر جھوٹ پر قسمیں کھاتا رہتا ہے۔ ایسی قسم کا انجام یہ ہوتا ہے کہ جب خریدار پر اس چیز کی حقیقت کھلتی ہے تو اس سے دشمنی، مخالفت اور رنجشیں پیدا ہوتی ہیں، برائی اور فساد پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ اپنی قسموں کو آپس میں فساد کا ذریعہ نہ بناؤ۔ اس حقیقت کا مشاہدہ روزمرہ کی زندگی میں چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہوتا رہتا ہے۔ ایک دفعہ کسی کے گھر فاتحہ خوانی پر جانے کا اتفاق ہوا، وہاں ہمارے ایک عزیز جن کا تعلق تبلیغی جماعت سے تھا اور تبلیغی مرکز اور دوروں سے بہت شغف رکھتے تھے، موجود تھے۔ ساتھ ہی ایک اور عزیز تشریف فرما تھے جن کا تعلق سیاست سے تھا، اور یہ صاحب زمانہء طالب علمی میں اوّل الذکر عزیز کے شاگرد بھی رہ چکے تھے۔ جب تبلیغی جماعت والے عزیز رخصت ہونے لگے تو میں اور سیاست دان عزیز انہیں رخصت کرنے کے لیے گاڑی تک ان کے ساتھ آئے۔ تو وہ اپنے شاگرد سے کہنے لگے کہ تبلیغی اجتماع ہو رہا ہے اور مجھے وہاں جانا ہے۔ تم میرے شاگرد ہو اور کبھی اس طرف نہیں آئے، اب تم میرے ساتھ کم از کم تین دن کے لیے چلو۔ تو وہ شاگرد کہنے لگے کہ جی بالکل چلیں گے اور تین دن رہیں گے بلکہ آپ کو بھی لے جائیں گے۔ میں یہ بات سن کر بہت حیران ہوا۔

میں سوچ رہا تھا یہ شخص کہاں اور تبلیغی اجتماع کہاں؟ اور یہ وہاں جانے کا وعدہ کر رہا ہے۔ لیکن میں خاموش رہا۔ وہ جب گاڑی میں بیٹھ کر چلے گئے۔ مجھے اور اس سیاستدان کو اکٹھے واپس جانا تھا لہٰذا راستے میں اس سے پوچھا کہ ''تم اپنے استاد سے بڑا پکا وعدہ کر رہے تھے تبلیغی اجتماع میں جانے کا، تو کیا تم تین دن کے لیے جا رہے ہو؟'' وہ ہنس کر کہنے لگا ''میرا وہاں کیا کام ہے، بھلا میں کیوں جاؤں گا''؟ میں نے اس سے کہا کہ تم نے اتنا پکا وعدہ کیا ہے۔ کہنے لگا ''جی اسی کو سیاست کہتے ہیں''۔ کمال ہے! یہ میرا ذاتی تجربہ ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جب تم کسی کو یقین دلا کر، قسمیں کھا کر دھوکا دیتے ہو تو یہی عمل فساد کی بنیاد بن جاتا ہے۔ اور پھر وہ فساد پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

ہمارے ملک کے حکمران اور ذمہ دار لوگ دہشت گردی ختم کرنا تو چاہتے ہیں لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ اس کی بنیاد تو وہ خود رکھتے ہیں۔ ہر انتخابی جلسے میں جھوٹ بولتے ہیں، ہر تقریر میں جھوٹ بولتے ہیں، ہر Meeting میں جھوٹ بولتے ہیں اور لوگوں کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں، اور یہی فساد کا بیج ہے۔ تو حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ ایک شخص دن رات ایک خاردار جھاڑی کا بیج بوتا جائے اور نعرے لگاتا جائے کہ اس جھاڑی کو ہم ختم کردیں گے، یہ کیسے ختم ہوگا جبکہ اس کا بیج وہ دن رات بو رہا ہے۔

قرآن کریم کی کوئی بات کبھی معمولی نہیں ہوتی بلکہ ان میں بہت بڑے بڑے راز ہوتے ہیں اور یہی سارا بیج ہے جو اللہ کریم نے فرمایا ہے۔ اللہ کریم نے جھوٹ اور جھوٹ کی بنیاد پر دھوکا دہی کو فساد کی بنیاد قرار دیا ہے اور یہ فساد دوسروں کو گمراہ کرنے کا سبب بھی بن جائے گا۔ فرمایا: فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا اور جو لوگ اللہ کی راہ پر ثابت قدمی سے کھڑے ہیں ان کے قدم بھی اکھڑ جائیں گے اور یوں گمراہی پھیلے گی۔

اگر وطنِ عزیز میں حالات کا جائزہ لیں تو واضح ہے کہ ہماری ملکی سیاست صرف جھوٹ پر چل رہی ہے۔ جو زیادہ جھوٹ بول کر عوام کو زیادہ دھوکا دے لے، اسے ہم زیادہ کامیاب سیاستدان کہتے ہیں۔ اللہ کریم نے اسی جھوٹ کو تو فساد کا بیج قرار دیا ہے۔ نتیجتاً کیا ہر گھر میں فساد نہیں ہے؟ ہر گھر، ہر محلے میں فساد ہے۔ ہر جگہ لوگ قتل ہو رہے ہیں۔ مساجد میں قتل ہو رہے ہیں، گھروں میں قتل ہو رہے ہیں۔ بازاروں میں مارے جارہے ہیں اور حال یہ ہے کہ مزید جھوٹ پر جھوٹ بولا جارہا ہے، اس سے باز نہیں آتے۔ فرمایا، اگر تم اسی طرح جھوٹ بولتے رہے تو جو لوگ قدم جما چکے ہیں ان کے قدم بھی ڈگمگا جائیں گے۔ یہ جو تم جھوٹ پہ جھوٹ بول کر لوگوں کو آپس میں لڑا رہے ہو اور برائی کا بیج بو رہے ہو، اس کا محاسبہ ہوگا اور تمہیں اس کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ اس کا انجام بہت برا ہوگا اور وہ تمہیں بھگتنا پڑے گا اس لیے کہ تم برائی پھیلا کر، جھوٹ بول کر، منافقت پھیلا کر لوگوں کو گمراہ کررہے ہو، انہیں اللہ کی راہ سے روک رہے ہو، نیکی کی راہ سے روک رہے ہو۔ یادرکھو وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾ اس کا عذاب بہت بڑا ہوگا۔ علمائے حق فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں جب بھی عذابِ عظیم کی وعید آتی ہے، اس سے مراد ہوتی ہے کہ وہ بہت بڑا عذاب ہوگا۔ اور صرف یہ نہیں کہ محض بڑا ہوگا بلکہ اس میں لحظہ بہ لحظہ زیادتی ہوتی رہے گی۔ اسے اس لیے عظیم کہا گیا ہے کہ وہ بڑھتا ہی جائے گا، کہیں رکے گا نہیں۔ تو فرمایا کہ جھوٹی قسمیں کھا کر، جھوٹے وعدے کرکے تم دنیوی شہرت تو حاصل کرسکتے ہو، دولت کما سکتے ہو، اقتدار لے سکتے ہو لیکن یہ تمہیں لے ڈوبیں گی تمہارے جھوٹ سے لوگ گمراہ ہوں گے تو اس کا وبال تم پر آئے گا اور تمہارے لیے وہ عذاب ہوگا جو ہر لحظہ بڑھتا جائے گا۔ اس میں کوئی مقام ایسا نہیں آئے گا کہ وہ پورا ہوگیا۔

دین کے بدلے دنیا بہت ہی تھوڑی قیمت ہے:

فرمایا: وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۔۔۔۔۔ اللہ کے دین کو، اللہ کے نام کو اللہ کے عہد کو چند ٹکوں کے عوض مت بیچو۔ دنیوی مفادات حاصل کرنے کے لیے جھوٹ مت بولو۔ جھوٹی قسمیں مت کھاؤ۔ اللہ سے جو عہد کیا ہے اسے دنیا کے عوض مت بیچو۔ اس ثَمَنًا قَلِيْلًا یعنی تھوڑی سی قیمت، سے یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ اگر زیادہ قیمت ملے تو ایمان بیچ دیا جائے بلکہ اس سے مراد ہے کہ اگر ساری دنیا بھی آخرت کے بدلے ملے تو وہ بہت قلیل ہے۔ آخرت کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہے اس لیے کہ دنیا فانی ہے جبکہ آخرت ابدی ہے۔ تم نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ میں تجھے واحد و لاشریک مانتا ہوں، میں تیری عبادت کرتا ہوں اور تیرے سوا کسی کو معبود نہیں مانتا۔ تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان و یقین رکھتا ہوں اور میں تیری اطاعت کروں گا تو اب دنیا کی خاطر اسے مت توڑو۔ اگر پوری دنیا کی حکومت بھی تمہیں مل جائے اور تم رات کو ہی یا دس دن یا سال بعد مر جاؤ تو حکومت کہاں رہے گی۔ اس دنیا کی کوئی حیثیت نہیں ہے، یہ ختم ہو جائے گی۔

آخرت کا اجر ابدی ہے:

فرمایا: اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴿۹۵﴾ جو کچھ اللہ کی طرف سے تمہارے لیے ہے وہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔ اللہ کی طرف سے جو حلال اور جائز مفادات ہیں، ضرور حاصل کرو۔ سچ بولو اور اپنے لیے جائز وسائل سے رزق حاصل کرو۔ اچھا کھاؤ، اچھا پہنو اللہ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ مگر دوسروں سے چھین کر نہیں، جھوٹ یا فریب سے نہیں بلکہ سچی بات کر کے عزت حاصل کرو، وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اگر تم علم رکھتے ہو تو پھر اللہ کی نعمتوں کے حصول کے جائز ذرائع اختیار کرو اور ان پر قناعت کرو کہ وہ اللہ کا انعام ہے اور یاد رکھو: مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ تم جو کچھ بھی کر لو وہ سب تباہ ہو جائے گا اور جو اللہ کی طرف سے ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمہیں راحت اور آرام دے گا اور یہ یاد رکھو: وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۹۶﴾ کہ جن لوگوں نے صبر کیا ان کے لیے اللہ کی طرف سے بہترین صلہ ہے۔

صبر کی حقیقت:

صبر کا لغوی معنی ہے خود کو کسی کام سے اس طرح روک لینا جیسے گھوڑے کی باگ کھینچ کر اسے روکا جاتا ہے، اس کام کے قریب بھی نہ جانا تو وہ صبر کرنے والے لوگ جو اطاعت الٰہی پر جم گئے اور انہوں نے اللہ کے

احکامات کی خلاف ورزی نہیں کی، اللہ کی نافرمانی نہیں کی، اللہ ان کے اعمال کا بہترین پھل عطا فرمائیں گے۔ ان لوگوں کے سامنے بہت سے مواقع تھے کہ اگر جھوٹ بولتے تو دنیوی فوائد حاصل کر سکتے تھے، مال و اقتدار حاصل کر سکتے تھے لیکن انہوں نے جھوٹ کا سہارا نہیں لیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہم جھوٹ نہیں بولیں گے۔ اللہ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ حلال وسائل سے جو حاصل ہوگا اس پر گزارا کریں گے۔ اللہ جب ان کے صبر اور اطاعت کا بدلہ عطا فرمائیں گے تو اپنی شان کے مطابق عطا فرمائیں گے اور اس دن یہ سمجھ آئے گی کہ وہ کیسا خوبصورت بدلہ ہوگا۔

ایمان دنیا میں پاکیزہ زندگی کی ضمانت ہے:

فرمایا: مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً

اللہ کریم نے ایک قانون ارشاد فرمادیا ہے کہ جس کسی نے نیک عمل کیا وہ مرد ہو یا عورت، یعنی انسان کی کوئی صنف ہو، مرد ہو، بچہ ہو، جوان ہو یا بوڑھا ہو۔ عورت ہو، بچی ہو، جوان ہو یا عمر رسیدہ ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ ۔۔۔۔ وہ ایمان دار ہو، مومن ہو اور اس نے اللہ کی اطاعت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں وہ نیک عمل کیا ہو، اللہ کی رضا کے لیے کیا ہو تو اللہ کریم کا وعدہ ہے فَلَنُحۡيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۔۔۔۔ ہم اس کی زندگی پاکیزہ کر دیں گے، پُرلطف کر دیں گے۔ پاکیزہ زندگی کے لیے ایمان شرط ہے ورنہ تو دنیا میں بعض اچھے اعمال غیر مسلم بھی کرتے ہیں۔ رفاہِ عامہ کاموں میں حصہ لیتے ہیں۔ راستے بنا دیتے ہیں، پل بنا دیتے ہیں، کنویں اور ہسپتال بنا دیتے ہیں۔ لاہور میں ابھی تک ہندوؤں کے بنائے ہوئے ہسپتال انہی کے ناموں سے موسوم، موجود ہیں۔ لیکن جس کا اللہ پر، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر، آخرت پر ایمان ہی نہیں ہے وہ آخرت کے لیے یا اللہ کی رضا کے لیے تو کام نہیں کرے گا۔ وہ اگر کرے گا تو منافع یا شہرت کے لیے کرے گا لہٰذا اسے دنیا کی شہرت مل جائے گی اور اس کا بدلہ پورا ہو جائے گا۔

''حیاتِ طیبہ'' سے کیا مراد ہے؟

حیاتِ طیبہ سے مراد ہے پاکیزہ زندگی۔ اس سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ نیک آدمی کو کبھی بیماری، مفلسی یا دکھ نہیں ستائے گا۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ مومن جس حال میں بھی ہوگا وہ مطمئن ہوگا، اس کا دل دکھی نہیں ہوگا اور ہر حال میں اللہ کا شکر گزار بندہ ہوگا۔ اللہ کریم کا اپنا ایک نظام ہے، جس میں صحت و بیماری، تنگی و فراخی، مشکل اور آسانی آتی جاتی ہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ جس کے پاس دولت ہے یا جو صاحبِ اقتدار ہے وہ بہت

سکھی ہے۔لیکن دولت کی فراوانی سے کتنا سکھ مل سکتا ہے، اس کی مثال مغربی معاشرہ ہے کہ وہاں کم وبیش ہر شخص دکھی ہے، پریشان ہے اور ایک انجانے خوف میں مبتلا ہے۔ یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ مغرب میں ہر بندہ کسی نہ کسی خوف کا اسیر ہے اور اہلِ مغرب نے اس مرض کا نام ہی FEAR OF THE UNKNOWN رکھ دیا ہے۔ بندے کو پتا ہی نہیں کہ وہ کس بات سے ڈرتا ہے، نیند نہیں آتی، خوفزدہ رہتا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ مجھے ایک امریکی نوجوان کے خطوط موصول ہوتے تھے۔ وہ کسی تکلیف میں مبتلا تھا اور بیماری کا علاج چاہتا تھا۔ وہ سویڈن میں ملازمت کرتا تھا۔ ہم جب امریکہ گئے تو وہ سویڈن سے چھٹی لے کر امریکہ ملنے آ گیا۔ الحمدللہ! اس کو کلمہ پڑھایا اور اللہ اللہ کرنے کا طریقہ بتایا کہ ایسے کرو۔ جب ہم کسی کام سے باہر نکلے تو اسے وہاں چھوڑ دیا جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے۔ تھوڑا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ احساس ہوا کہ کوئی چیز گھر بھول آئے ہیں۔ لہٰذا واپس گئے تو دیکھا کہ وہ شخص بیگ اٹھا کر سڑک پر بھاگا جا رہا ہے۔ ہم نے اس کو پکڑ لیا اور پوچھا کہ تمہیں کیا ہوا ہے؟ کہنے لگا مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ پوچھا کہ کس بات کا ڈر ہے؟ کہنے لگا پتا نہیں کس بات کا ہے۔ یعنی وہاں کسی کی زندگی مطمئن نہیں۔ بظاہر بڑے بڑے محلات نظر آتے ہیں۔ ان میں سے گاڑی نکلتی ہے جس کے آگے پیچھے ملازموں اور محافظوں کی ستر ستر گاڑیاں ہوں گی۔ لیکن جو شخص اس گاڑی میں بیٹھا ہے اس کے دل کا حال پوچھ کر دیکھو۔ تو ان گاڑیوں کا کیا فائدہ اگر دل میں سکون نہ ہو، دل مطمئن نہ ہو۔ حیاتِ طیبہ کی بنیاد اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اور نیکی ہے۔ اور اللہ کریم نے اس کا وعدہ فرماتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ انہیں حکومت دوں گا، دولت دوں گا، ان پر دکھ نہیں آئیں گے، بلکہ فرمایا کہ ان کی زندگی پاکیزہ کر دوں گا۔ یعنی وہ ہر حال میں اللہ کے شکر گزار رہیں گے اور ان کے دل مطمئن رہیں گے، پریشان نہیں ہوں گے۔

آج ہمارا حال کیا ہے!

انسان دنیا میں الجھ کر کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے، اور حیرت ہوتی کہ یہ کیا سوچتا ہے۔ نعت بھی کہیں تو اس میں عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں کہتے، اپنے ہی دکھڑے ہوتے ہیں۔ ایک ایسی ہی نعت نظر سے گزری جس کے تمام اشعار کا خلاصہ یہ تھا کہ مدینہ منورہ میں، بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری دی اور اپنے دل کے زخم دکھا کر، دکھڑے سنا کر چل دیے! آپ دیکھیں گے کہ اکثر نعتوں کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہم بڑے دکھی ہیں۔ ہم پر بہت زیادتیاں ہو رہی ہیں اور ہم پریشانیاں پیش کرنے اور دکھ سنانے آئے ہیں۔

اللہ کریم نے تو قانون ارشاد فرما دیا ہے کہ مومن مرد ہو یا عورت جو بھی عملِ صالح کرے گا اسے

پاکیزہ زندگی عطا ہوگی۔اب ہم اپنے دکھ یاد کرتے رہتے ہیں۔ہمیں چاہیے کہ ہم ان کا سبب تلاش کریں۔ اللہ کریم سے معافی مانگیں اور خطاؤں سے توبہ کریں۔اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کریں۔اللہ معاف فرما دیں اور آئندہ خطاؤں سے بچنے کی توفیق بھی دیں۔ہم نیکی اپنا لیں تو دنیا کی زندگی بھی سدھر جائے گی اور آخرت بھی سدھر جائے گی۔اس لیے کہ اللہ کریم نے وعدہ فرمایا ہے کہ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً۔۔۔۔ مومنین کی زندگی پاکیزہ اور پُرلطف کر دیں گے اور وہ ہر حال میں مطمئن اور شکر گزار رہیں گے۔یہ بدلہ تو دنیا میں ملے گا جبکہ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۹۷﴾ آخرت میں انہیں ان کے اعمال کا بہت زیادہ اور بہتر بدلہ عطا کیا جائے گا۔

یہ اللہ کریم کا بہت بڑا احسان ہے کہ خطا کار کو اتنی ہی سزا ملتی ہے جتنا اس کا گناہ ہو، اس کی سزا بڑھائی نہیں جاتی لیکن معمولی سی نیکی کرنے والے کو بھی کروڑوں گنا بڑھا کر اجر دیا جائے گا۔

ہر گناہ اللہ کریم کی نافرمانی ہے اور اصل جرم ہی یہ ہے کہ کس ہستی کی نافرمانی کی جا رہی ہے، لہٰذا ہر گناہ ہی بڑا گناہ بن جاتا ہے اور اس کی سزا بھی بڑی ہو سکتی ہے لیکن گناہ گار کو اتنی ہی سزا دی جائے گی جتنا اس کا گناہ تھا۔اس کی سزا بڑھائی نہیں جائے گی۔

اللہ کی پناہ طلب کیجیے:

شیطان ہمہ وقت اپنے کام میں لگا ہوا ہے، انسانوں کے قلوب میں وساوس ڈالنے میں مصروف ہے لہٰذا شیطان سے بچنے کے لیے ہر کام کرنے سے پہلے اللہ کی پناہ طلب کی جائے۔حتیٰ کہ سب سے اعلیٰ کام یعنی تلاوتِ قرآن بھی کرنا چاہیں تو شیطان کے حیلوں سے اور اس کی فسوں کاری سے اللہ کی پناہ طلب کریں۔ فرمایا: فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴿۹۸﴾ آپ قرآن پڑھنے سے پہلے اللہ کریم کی پناہ مانگیں شیطان مردود کی چالوں سے بچنے کے لیے یعنی کوئی کام بھی کرنا چاہیں تو اللہ کی طرف رجوع کریں اور اللہ کی مدد چاہیں بالخصوص اللہ کی پناہ مانگیں کہ اے اللہ! مجھے شیطان کی چالوں سے اپنی پناہ میں، اپنی حفاظت میں رکھ۔اور ہر کام اللہ کے نام سے شروع کریں۔چونکہ شیطان ہر کام میں وسوسے ڈالتا ہے، مداخلت کرتا ہے اور ہر وقت دشمنی پر کمربستہ رہتا ہے اس لیے اللہ کی پناہ میں آنا ہی اس کا علاج ہے۔کوئی نیکی کرنا چاہے تو وہ اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اس سے تمہاری شہرت ہوگی۔لوگ تمہیں بہت پارسا سمجھیں گے۔کوئی برائی کرے تو اسے مزید برائی میں لے جانے پر لگا رہتا ہے۔کہیں پیچھا چھوڑتا ہی نہیں، کبھی فارغ نہیں بیٹھتا تو اس کی چالوں سے اللہ ہی کی پناہ بچا سکتی ہے۔

تلاوت سے پہلے تعوّذ پڑھنا سنت ہے:

تلاوتِ قرآن سے پہلے تعوّذ پڑھنا سنت ہے۔ علماء نے بالاتفاق اسے سنت کہا ہے ورنہ تو یہ نصِ قرآنی ہے اور اسے فرض ہونا چاہیے تھا لیکن فرض نہیں ہے کیونکہ تعوّذ کے بغیر بھی پڑھنا ثابت ہے۔

فرمایا، شیطان کے حیلوں سے اللہ کی پناہ مانگی جائے لیکن یہ بات بھی طے ہے کہ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۝۹۹ جن لوگوں کا عقیدہ درست ہے، ایمان صحیح ہے اور وہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں، شیطان ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں، آخرت پر، اللہ کی کتاب پر، ضروریاتِ دین پر ایمان رکھتے اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں، ان پر شیطان کا کوئی زور نہیں چلتا۔

توکّل کیا ہے؟

اللہ پر بھروسہ رکھنے سے مراد یہ ہے کہ آدمی کام کرنے کے لیے جائز وسائل اختیار کرے اور اللہ پر بھروسہ کرے۔ کبھی ناجائز وسائل اختیار نہ کرے کہ ان سے کام ہو جائے گا۔ وسائل اختیار کرنا، اسباب اختیار کرنا تو سنت اللہ ہے اور جائز حد تک اسباب اختیار کرنا ضروری ہے اور عبادت ہے لیکن ناجائز اسباب مثلاً رشوت، چوری یا سفارش اختیار کر کے ناجائز کام کروانا توکّل کے خلاف ہے۔ جائز اسباب اختیار کر کے بھروسہ اللہ کی ذات پر رکھنا ہی توکّل ہے۔

شیطان سے دوستی کا فیصلہ انسان خود کرتا ہے:

فرمایا: اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ شیطان کا بس ان لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو لوگ شیطان سے رشتہ بنا لیتے ہیں ان سے ہی شیطان اپنی باتیں منوا سکتا ہے، اور وہی اس کی باتیں مانتے ہیں۔ اس کی باتوں پر عمل کرتے ہیں۔ تَوَلّٰو دوستی کو، ولایت کو کہتے ہیں۔ تو جو لوگ شیطان سے دوستی کا فیصلہ کرتے ہیں، ان پر ہی اس کا زور چل سکتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ۝۱۰۰ شیطان اپنی دوستی کی ابتدا ہی اس کام سے کرتا ہے کہ بندے کی امیدیں غیر اللہ سے وابستہ کر دیتا ہے لہٰذا بندہ اللہ کے بجائے بندوں سے امیدیں باندھ لیتا ہے کہ یہ کام فلاں کر دے گا، یہ چیز فلاں سے مل جائے گی اور یوں وہ شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جو کام اللہ نے کرنے ہیں، شیطان ان کی امید مخلوق سے وابستہ کروا دیتا ہے اور یوں انہیں شرک میں مبتلا کروا دیتا ہے۔

سورۃ النحل رکوع 14 آیات 101 تا 110

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ
مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ
بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ
نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ
اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ
لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ
بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ
بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا
يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِى
الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا
فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾

اور جب ہم کوئی آیت کسی آیت کی جگہ بدل دیتے ہیں اور اللہ جو حکم بھیجتے ہیں اس کو
وہی خوب جانتے ہیں تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ (یونہی اپنی طرف سے) بنا لاتے

ہیں بلکہ ان میں اکثر لوگ جاہل ہیں ﴿۱۰۱﴾ فرمادیجیے کہ اس کو روح القدس (جبرائیل امین) آپ کے پروردگار کی طرف سے سچائی کے ساتھ لائے ہیں تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور خوش خبری بن جائے ﴿۱۰۲﴾ اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان کو تو کوئی آدمی سکھاتا ہے جس شخص کی طرف اس کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی (غیر عربی) ہے اور یہ (قرآن) صاف عربی زبان ہے ﴿۱۰۳﴾ بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اللہ ان کو کبھی راہ پر نہیں لائیں گے اور ان کے لیے دردناک سزا ہوگی ﴿۱۰۴﴾ بے شک جھوٹ جوڑنے والے تو یہ لوگ ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے اور یہی لوگ جھوٹے ہیں ﴿۱۰۵﴾ جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ سے کفر کرے سوائے اس شخص کے جس پر زبردستی کی جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو ولیکن (ہاں) جو جی کھول کر کفر کرے تو ایسوں پر اللہ کا غضب ہوگا اور ان کو بہت بڑی سزا ہوگی ﴿۱۰۶﴾ یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی اور یہ کہ اللہ ایسے کافروں کو ہدایت نہیں فرماتے ﴿۱۰۷﴾ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور یہی لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ﴿۱۰۸﴾ بے شک یہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والے ہوں گے ﴿۱۰۹﴾ پھر بے شک آپ کا رب ایسے لوگوں کے لیے جنہوں نے تکلیفیں اٹھانے کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کیا اور قائم رہے بے شک آپ کا پروردگار ان (تکلیفوں) کے بعد بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ﴿۱۱۰﴾

تفسیر ومعارف

فرمایا، کفار اور غیر مومن کو تو اعتراض ہی سوجھتے رہتے ہیں۔ اس کی وجہ شیطان کی دوستی اور ولایت ہے۔ وہ ان کے دل میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے جو ان کی زبان پر آتے رہتے ہیں۔ جن باتوں سے اہلِ ایمان

کے ایمان مضبوط ہوتے ہیں، اِن سے اُن گمراہ لوگوں کے دلوں میں اعتراض پیدا ہوتے ہیں وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً
مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝۱۰۱
قرآن حکیم میں اللہ نے کوئی آیت منسوخ کر دی، اس کی جگہ نئی آیت آ گئی۔ کوئی حکم منسوخ ہوا، نیا حکم آ گیا تو شیطان کے پیروکاروں نے کہا کہ یہ کیا بات ہوئی پہلے ایک حکم دیا بعد میں اسے منسوخ کر کے دوسرا حکم دے دیا۔ کیا اللہ کو پہلے معلوم نہیں تھا کہ یہ ہونا چاہیے۔

مومن اور کافر کی فہم کا فرق:

یہ انسانی سمجھ میں فتور کی بات ہے۔ مومن اللہ کی عظمت سے آشنا ہوتا ہے وہ اللہ کے ہر حکم کی تعمیل کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ اس کے ایمان میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور شیطان کے پیروکاروں کو اللہ کے ہر حکم پر اعتراض اور وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔

احکام الٰہی کا منسوخ ہونا، نئے احکام کا نازل ہونا اللہ کا کرم اور اس کا احسان کا مظہر ہے۔ اللہ نے انسانوں کے حالات کے مطابق احکام دیے۔ جتنا وہ کر سکتے تھے اس کا حکم دیا جب ان کا فہم بہتر ہوا، سوچ سمجھ اور قوت کار میں بہتری آ گئی تو پہلے کو منسوخ کر کے دوسرا حکم دے دیا۔ یہ تو اللہ کا احسان تھا۔ احکام میں تبدیلی کوئی عجیب بات نہیں، عقیدے میں تبدیلی ہو تو اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ پہلے یہ عقیدہ بنایا بعد میں اسے بدل دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک عقیدہ ایک ہی ہے:

عقیدے کو اصطلاحاً خبر کہتے ہیں۔ یہ خبر ہے کہ اللہ واحد و لاشریک ہے۔ تمام انبیاء اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں جو اپنے اپنے زمانے میں لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبیؐ ہیں۔ فرشتے اللہ کی مخلوق ہیں۔ قیامت قائم ہوگی۔ مرنے کے بعد حساب کتاب ہوگا۔ میدان حشر میں سب حاضر ہوں گے۔ جنت و دوزخ ہیں۔ حساب کتاب کے بعد وہاں داخلہ ہوگا۔ یہ عقیدہ، یہ خبر ہمیشہ سے ایک ہی رہی ہے۔ خبر تبدیل ہو تو اعتراض ہوتا ہے کہ پہلی خبر ٹھیک تھی یا بعد کی ٹھیک تھی۔ الحمدللہ! حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آقائے نامدار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء نے ایک ہی عقیدہ پیش کیا۔ البتہ ہر نبیؐ کی شریعت میں اللہ کریم اپنے کرم سے احکام تبدیل فرماتے رہے۔ جو کام انسانوں کی استعداد سے باہر تھا وہ کرنے کا حکم نہیں دیا۔ جب ان کی قوت کار میں بہتری آئی۔ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ وہ مزید بہتر کرنے کے قابل ہوئے تو ان کے لیے احکام تبدیل کر دیے گئے۔ یہ تو عظمت الٰہی کا اظہار تھا۔ انہوں نے اسے الٹا سمجھ لیا کہ کیا اللہ کو پہلے پتا

نہیں تھا کہ یہ لوگ کیا کر سکتے ہیں اور کیا نہیں۔ پہلے اور حکم دے دیا، بعد میں بدل کر دوسرا حکم دے دیا۔ یہ لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر الزام دھرنے لگے اِنَّمَآ اَنۡتَ مُفۡتَرٍ۔۔۔۔۔۔ کہ آپ خود اپنی طرف سے احکام بنا لیتے ہیں۔ اگر یہ اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں تبدیلی کیوں ہوتی! اللہ کریم نے فرمایا: بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ﴿۱۰۱﴾ ان کی اکثریت جاہل ہے۔

جہالت کیا؟

اس وقت کافروں میں بھی اپنے وقت کے بڑے پڑھے لکھے لوگ تھے۔ آج بھی کفار میں بڑی بڑی یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل لوگ ہیں۔ کئی کئی مضامین میں اعلیٰ ترین ڈگریاں رکھنے والے اور دنیا کے مانے ہوئے ماہرینِ فن ہیں لیکن جو اللہ کی عظمت کا قائل نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا، آخرت کا قائل نہیں اللہ کے نزدیک وہ جاہل ہے۔ یعنی ہر وہ بندہ جو عظمتِ الٰہی سے ناآشنا ہے وہ جاہل ہے خواہ اس نے کتنے ہی مادی علوم حاصل کیے ہوں۔ علوم کا ماحصل تو یہ تھا کہ وہ اللہ کی عظمت کو پالیتا۔ مثلاً اگر اس نے (Botany) میں تحقیق کی، اسے پڑھا، سمجھا، جانچا، اللہ کریم کے پیدا کیے گئے پودوں، درختوں، جھاڑیوں، پتوں، جڑی بوٹیوں پر تحقیقات کیں اور اس سب کے بعد اگر وہ یہ نہیں جان سکا کہ ان کو بنانے، قائم رکھنے، ان میں خصوصیات پیدا کرنے والا کون ہے تو پھر وہ جاہل کا جاہل ہی ہے، اسے اس تحقیق کا کیا حاصل ہوا؟

ایک میڈیکل ڈاکٹر جب فارغ التحصیل ہوتا ہے تو وہ انسانی وجود کے ذرّے ذرّے سے واقف ہوتا ہے۔ وہ انسانی اعضاء کے افعال سے آگاہ ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے اس شاہکار کو جسے بدنِ انسانی کہتے ہیں اس کے نظام کو جانتا ہے کہ کس باریکی سے اللہ نے دماغ کا نظام رکھا، خون کا رواں رہنا، معدے کا کام، آنکھوں کی بینائی، معدے اور جگر کے افعال، وجودِ انسانی کی تعمیر و تخریب کس طرح ایک نظام میں پروئی ہوئی ہے۔ اس سب سے آگاہ ہونے کے باوجود اگر وہ یہ بات نہ سمجھ سکا کہ یہ سارا نظام کس نے بنایا ہے، اسے کون قائم رکھے ہوئے ہے، کون چلا رہا ہے، کون جب چاہتا ہے اسے روک دیتا ہے تو اللہ کے نزدیک وہ بھی جاہل ہے۔ علم وہی ہے جو حقیقت سے آشنا کر دے۔ علم کے بارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اَلۡعِلۡمُ عِلۡمَانِ علم کے دو حصے ہیں عِلۡمُ الۡاَدۡيَانِ وَ عِلۡمُ الۡاَبۡدَانِ پہلا اور ضروری حصہ دین کا علم ہے۔ عقیدہ درست ہو، ضروری احکام و مسائل سے آگاہ ہو، اور دوسرا ضروری حصہ یہ ہے کہ مادّی اشیاء اور ان کے خواص کے بارے جانتا ہو۔ جب دین کا علم اور اشیاء کا علم اکٹھا ہو جائے تو پورا علم کہلاتا ہے۔ جو صرف دینی علوم جانتا ہو اور مادّی و ظاہری علوم سے بے بہرہ ہو تو اس کے پاس آدھا علم ہے لیکن یہ آدھا علم بہتر ہے اور لازمی ہے۔ جو صرف دنیوی و مادّی علم

رکھتا ہے اور دین سے واقف نہیں تو وہ کسی کام کا بھی نہیں۔ اس لیے کہ علم کا مقصد حقیقت کو جاننا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ہر شئے کا خالق اللہ ہے اور ہر شئے میں خصوصیات بھی اس نے رکھی ہیں۔

اللہ کی کائنات اس کی قدرت کے مظاہر سے پُر ہے۔ جدا جدا نسلوں، رنگوں کے انسان مختلف علاقوں میں موجود ہیں۔ چھوٹے چھوٹے حیوان اور درخت ہیں تو بڑے بڑے عظیم الجثہ حیوان اور درخت بھی ہیں۔ چھوٹے بڑے مختلف خصوصیات کے حامل پرندے ہوا میں اڑتے ہیں۔ کتنی اقسام کی مچھلیاں اور دیگر آبی مخلوق پانی میں رہ رہی ہے۔ اپنی بے شمار مخلوقات کو چھوٹے چھوٹے ذرات سے جوڑ کر مکمل مخلوق بناتا ہے۔ پھر انہی ذرّات کو اپنی قدرتِ کاملہ سے ختم کر دیتا ہے۔ ان کی جگہ دوسرے ذرّات کو جزوِ بدن بنا دیتا ہے۔ کون یہ کارخانہء قدرت چلا رہا ہے، کون ایک ایک انسانی وجود میں ایک جہان آباد کیے ہوئے ہے جس میں ہر لمحہ خُلیات مر رہے ہیں اور دوسرے پیدا ہو رہے ہیں۔

اگر ان سب تحقیقات کے بعد بھی کوئی یہ نہ جان سکا کہ ایک ایک وجود کا ہر ذرّہ خالق کائنات، اللہ کے دستِ قدرت سے نمو پا رہا ہے اور ختم ہو رہا ہے تو پھر وہ جاہل ہے۔ اور پڑھ لکھ کر بھی جاہل ہی رہا۔ یہی فرمایا گیا کہ منکرین کی اکثریت جاہل ہے۔

قرآن حکیم کی خصوصیت:

فرمایا: قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ فرما دیجیے کہ یہ قرآن اللہ کا مقدس فرشتہ جبرئیلؑ امین، ربّ العالمین کی بارگاہ سے سچائی کے ساتھ لے کر آئے۔ اور قرآن حکیم اس لیے نازل فرمایا گیا کہ ایمان والوں کو استقامت نصیب ہو، یہ دین پر ثابت قدم ہو جائیں، جم جائیں۔ یعنی قرآن حکیم کی پہلی اور بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے ثباتِ قدم نصیب ہوتا ہے، بندہ ایمان پر جم جاتا ہے، اللہ پر بھروسہ نصیب ہوتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر کمربستہ رہتا ہے، اس پر اس طرح جم جاتا ہے کہ اس کے قدم لڑکھڑاتے نہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ جس کا عقیدہ وایمان درست ہوا سے ثباتِ قدم نصیب ہوتا ہے۔ اگر عقیدے میں تزلزل اور لڑکھڑاہٹ ہے۔ کبھی کسی پہ بھروسہ کرتا ہے، کبھی کسی کی طرف دوڑتا ہے، کبھی کسی کو پکارتا ہے، کبھی کسی در پہ سجدہ کرتا ہے۔ اس کا اللہ پر یقین نہیں ٹھہرتا تو پھر اسے ثابت قدمی کیسے نصیب ہوگی۔ یعنی عقیدہ ایک کیفیت ہے جو ایمانی کیفیات کی قبولیت کی استعداد پیدا کرتا ہے۔ جس طرح ایک سنگلاخ چٹان پر غلّے کے

دانے بکھیر دیں، اسے پانی دیں، دھوپ ملے تو بھی وہاں کچھ نہیں اُگے گا کیونکہ اس چٹان میں نمو کی استعداد ہی نہیں۔ ایمان اور عقیدہ بنیاد ہے اور یہی وہ چیز ہے جو احکامِ الٰہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو قبول کرنے کی استعداد عطا کرتا ہے۔ جن کا عقیدہ درست ہوتا ہے ان کو قرآن حکیم سے ثابت قدم رہنے کی قوت ملتی ہے۔

اس آیۂ مبارکہ میں قرآن حکیم کی دوسری خصوصیت یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ قرآن حکیم دنیا کے ہر کام کرنے کا صحیح طریقہ سکھاتا ہے۔ انسانی ضروریات، ان کے پورا کرنے کے جائز طریقے، تمام اصول وضوابط کو اللہ کریم نے قرآن حکیم میں جامع طور پر محفوظ فرمادیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر جائز کام کے جائز طریقے کو اپنی سنتِ مطہرہ سے واضح فرمادیا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوشِ کفِ پا کو حرزِ جاں بنا کر اُمت کے لیے مثال قائم کردی ہے۔ اس کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ کو ماننے والوں، اللہ کی اطاعت کرنے والوں کو نیک انجام کی خوشخبری دیتا ہے۔

منکرین کی بدبختی:

فرمایا، ان منکرین کی بدبختی کا یہ عالم ہے کہ یہ تو یہ بھی کہتے ہیں: وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۔۔۔۔۔ کہ کوئی شخص ان (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کو جملے بنا بنا کر دیتا ہے اور یہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے، یہ قرآن کی آیات ہیں۔ مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ ایک لوہار تھا جو کہیں باہر سے آکر وہاں مقیم ہوگیا، اسے گزشتہ آسمانی کتابوں سے شغف تھا، ان میں دلچسپی رکھتا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنتا تو کہتا یہ باتیں بھی اسی طرح کی ہیں جو پہلی کتابوں میں ہیں تو کفار کہنے لگے کہ یہ لوہار آپ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کو سکھاتا ہے۔ اللہ کریم نے فرمایا: لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ ۔۔۔۔۔ جس کے بارے تم یہ کہتے ہو اس کی تو اپنی زبان ہے، یہ تو غیر عرب ہے، یہ عربی نہیں جانتا، بس اتنی جانتا ہے کہ گزارہ کرلے اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝١٠٣ اور قرآن حکیم تو نہایت اعلیٰ پائے کی عربی ہے۔ کوئی عرب اس کی مثل نہیں بنا سکتا۔ اللہ نے تو اعلان کر رکھا ہے کہ قرآن کے جیسی کوئی ایک آیت بنا کر دکھاؤ اور کوئی اس کے مقابلے میں نہیں آسکا۔ جس کو خود عربی نہیں آتی وہ اتنی اعلیٰ عربی کیسے سکھا سکتا ہے!

گمراہی کا نتیجہ، عذاب الیم:

فرمایا، یہ یاد رکھ لو! اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ جو لوگ اللہ کی آیات پر یقین نہیں رکھتے لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ اللہ انہیں ہدایت نصیب نہیں فرماتے۔ قرآن حکیم، آیات مبارکہ ہی ہدایت کا سبب ہیں تو جب کسی کو ان پر یقین ہی نہیں تو پھر اسے ہدایت کہاں سے نصیب ہوگی۔ ایسے لوگوں کو اللہ کریم ہدایت نہیں دیتے۔ ہدایت نصیب نہ ہونا کوئی معمولی بات نہیں۔ جو گمراہی میں مرے گا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ اس کے لیے بڑی دردناک سزائیں ہیں۔ سزا تو بہت تکلیف دہ چیز ہے اور جسے اللہ کریم دردناک قرار دے وہ کس قدر تکلیف دہ ہوگی۔

اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وہی لوگ جھوٹ گھڑتے ہیں، جھوٹ کے پلندے جوڑتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ یہ لوگ تو ہیں ہی جھوٹے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف، اللہ کے کلام کے خلاف باتیں گھڑتے ہیں۔ ان کے پاس نہ عقلی دلیل ہے نہ نقلی دلیل ہے، یہ محض جھوٹ گھڑتے ہیں۔

گمراہی کا خطرہ:

یہ خطرہ ایمان لانے کے بعد بھی رہتا ہے کہ دنیا میں دل لبھانے والی چیزیں خطرہ بنتی ہیں۔ مال و دولت، حکومت و اقتدار، ذاتی انا، شہرت جیسے خطرات اردگرد منڈلاتے رہتے ہیں۔ شیطان بہکانے کے لیے ہمہ وقت مستعد رہتا ہے۔ فرمایا: مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ۔۔۔۔ بعض لوگ ایمان لانے کے بعد دنیا کو آخرت پر ترجیح دے دیتے ہیں اور ایمان سے مرتد ہو کر پھر کافروں میں شامل ہو جاتے ہیں تو وہ بہت بڑی گمراہی میں چلے جاتے ہیں، بہت بڑا جرم کرتے ہیں۔

اللہ نے ہر انسان کو اختیار دیا ہے کہ چاہے تو ایمان لائے اور نہ چاہے تو نہ لائے۔ جو لوگ ایمان نہیں لاتے اور کفر کرتے ہیں وہ کافر کہلاتے ہیں، یہ الگ بات ہے۔ اور جو اپنی پسند سے، اپنی مرضی سے ایمان لاتے ہیں پھر ایمان لانے کے بعد آخرت کو چھوڑ کر دنیا کے لالچ میں پڑ کر دین چھوڑ دیتے ہیں، دین کے منکر ہو جاتے ہیں یہ ارتداد ہے اور شریعت نے اس کی سزا قتل مقرر کی ہے۔ اگر اسلامی حکومت قائم ہو تو حاکم پر واجب ہے کہ مرتد کو قتل کرنے کا حکم دے۔ عوام الناس کو اجازت نہیں کہ وہ جسے چاہے مرتد قرار دے کر قتل کر دے۔ یہ

اسلامی حکومت کے ادارے کی ذمہ داری ہے کہ شریعت نے مرتد کی جو سزا رکھی ہے اسے نافذ کرے۔

عذرِ شرعی:

فرمایا: اِلَّا مَنۡ اُکۡرِہَ وَقَلۡبُہٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِیۡمَانِ سوائے ان لوگوں کے جنہیں مجبوراً کفریہ کلمے کہنے پڑے جبکہ ان کے دل ایمان پر جمے ہوئے تھے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس وقت مکہ مکرمہ میں ایسے بے کس لوگ بھی تھے جنہیں کفریہ کلمات کہنے پر مجبور کیا گیا۔ انہیں اپنی جان بچانے کے لیے اور کفار کی ایذاء سے بچنے کے لیے ایسا کہنا پڑا حالانکہ ان کے دل ایمان سے مطمئن تھے تو ان پر گرفت نہیں ہوگی۔ اللہ بہت کریم ہیں اور ان کے حال سے واقف ہیں۔ صحابہؓ کی اکثریت نے یہ کلمات ادا نہیں کیے اور شہادت قبول کر لی اور کچھ لوگوں نے جان بچانے کے لیے ایسے کلمات کہے اور موقع ملتے ہی وہاں سے بھاگ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پہنچ گئے۔ ان صحابہؓ کے بارے ارشاد ہو رہا ہے کہ جن کا دل ایمان سے مطمئن تھا اور انہوں نے کفار کی ایذاء سے بچنے کے لیے، یا جان بچانے کے لیے کوئی کفریہ کلمہ مجبوراً کہہ ڈالا تو اللہ انہیں معاف کرنے والا ہے۔ لیکن جن کے دلوں میں کفر داخل ہو گیا، جو دل سے کافر ہو گئے ان پر اللہ کا غضب نازل ہوگا۔ ان کے لیے بڑی سخت سزائیں ہیں۔ وہ اللہ کے قہر سے نہ بچ سکیں گے وَلَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۰۶﴾ ان کے لیے بہت بڑے عذاب تیار ہوں گے۔

عذابِ عظیم کا سبب:

اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کا لالچ آخرت سے اوجھل کر دیتا ہے فرمایا: ذٰلِکَ بِاَنَّہُمُ اسۡتَحَبُّوا الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا عَلَی الۡاٰخِرَۃِ۔۔ اللہ کا دین، اللہ کا قرآن، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات آخرت کی طرف بلاتے ہیں اور جو اللہ کے احکامات اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر دنیوی مفادات، مال و دولت، عہدہ و اقتدار کا لالچ کرتا ہے، ان کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے تو یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ وَاَنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۱۰۷﴾ اللہ انہیں کبھی ہدایت نصیب نہیں فرماتا بلکہ ایسا کرنے والوں کے دلوں پر مُہر کر دیتا ہے، ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر مُہر کر دی جاتی ہے۔ پھر انہیں اللہ کی، آخرت کی، اللہ کے قرب کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی کوئی خواہش ہی نہیں رہتی۔ ان کے کان اچھائی نہیں سننا چاہتے، صرف برائی پسند کرتے ہیں۔ ان کی آنکھیں بھلائی نہیں دیکھنا چاہتیں ان کے دل میں کفر رچ بس جاتا ہے۔ ان کی پسند بدل جاتی ہے۔ یہ اچھائی سنتے نہیں، اچھائی دیکھتے نہیں، اچھائی سمجھتے نہیں اور برائی میں آگے ہی

آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ جیسے گدھ فضا میں بلندی پر جا کر نیچے پچاس میل کے دائرے تک دیکھ سکتا ہے لیکن اسے مردار کی ہی تلاش ہوتی ہے حالانکہ اس پچاس میل کے دائرے میں اچھی چیزیں بھی ہوتی ہیں لیکن اس کا مزاج ایسا ہے کہ جہاں مردار ہو وہ وہیں اترتا ہے، کسی باغ میں نہیں اترتا۔ اسی طرح مسلسل برائی کرنے والوں کا مزاج کفر کو پسند کرتا ہے، کفر میں ہی رہنا پسند کرتا ہے۔ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ مسلسل نافرمانی، مسلسل انکار کرنے والے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور بہت برے انجام کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ لوگ آخرت میں بہت بڑے خسارے میں ہوں گے۔ بہت نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔

اطاعت گزاروں کے لیے خوش خبری:

فرمایا: ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱۰﴾ پھر جن لوگوں نے دکھ اٹھائے، اللہ کے لیے، اللہ کے دین کے لیے، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے لیے اور ہجرتیں کیں، پھر ہجرت کے بعد ان پر کفار نے حملے کیے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیے اور صبر کیا یعنی اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت پر روکے رکھا تو ایسے دکھ اٹھانے والوں کے لیے اللہ بہت بڑا بخشنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ انہوں نے اگر دنیا میں اللہ کے دین پر ثابت قدم رہنے کی پاداش میں دکھ اٹھائے تو آخرت میں اللہ کی رحمتوں کی چھاؤں میں بھی وہی مزے کریں گے کہ وہ بہت بڑا مہربان اور معاف کرنے والا ہے۔

سورۃ النحل رکوع 15 آیات 111 تا 119

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ
وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً
يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ
لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ
مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ
اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا
حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ
اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ
اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ
اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ؕ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۪ وَّلَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ
قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ
لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْۤا ۙ اِنَّ
رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ؒ

اس دن ہر شخص اپنی طرف داری میں گفتگو کرے گا اور ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا
بدلہ دیا جائے گا اور ان پر زیادتی نہیں کی جائے گی ﴿۱۱۱﴾ اور اللہ ایک بستی کی مثال

بیان فرماتے ہیں کہ وہ بڑے امن واطمینان میں تھے ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت کے ساتھ ہر طرف سے ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں سوانہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی تو اللہ نے ان کے اعمال کے سبب ان کو قحط اور خوف کا لباس پہنا کر مزہ چکھایا ﴿۱۱۲﴾ اور یقیناً ان کے پاس ان ہی میں سے ایک پیغمبر آئے تو انہوں نے ان کو جھوٹا کہا پس ان (لوگوں) کو عذاب نے آ پکڑا اور وہ ظالم تھے ﴿۱۱۳﴾ پس اللہ نے تم کو جو حلال اور پاکیزہ رزق دیا ہے اس میں سے کھاؤ اور اللہ کی نعمت پر شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو ﴿۱۱۴﴾ بے شک اس نے تم پر مردار اور خون اور سوٴر کا گوشت حرام فرما دیا ہے اور جس پر (بوقت ذبح) اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام لیا جائے (وہ بھی) ہاں اگر کوئی بہت مجبور ہو جائے بشرطیکہ گناہ کرنے والا اور حد سے نکلنے والا نہ ہو تو یقیناً اللہ بخشنے والے مہربان ہیں ﴿۱۱۵﴾ اور یونہی جھوٹ جو تمہاری زبانوں پہ آجائے نہ کہا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھنے لگو بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں ان کا بھلا نہیں ہوگا ﴿۱۱۶﴾ چند روزہ فائدہ ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿۱۱۷﴾ اور یہودیوں پر جو چیزیں ہم نے حرام کر دی تھیں وہ ہم آپ سے پہلے بیان فرما چکے اور ہم نے ان پر زیادتی نہیں کی ولیکن وہ خود ہی اپنے آپ پر زیادتی کرتے تھے ﴿۱۱۸﴾ پھر بے شک آپ کا رب ایسے لوگوں کے لیے جنہوں نے نادانی سے برا کام کیا پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور نیک ہو گئے (اپنی اصلاح کر لی) یقیناً اس کے بعد آپ کا پروردگار بڑا بخشنے والا مہربان ہے ﴿۱۱۹﴾

تفسیر و معارف

پریشان رہنے والوں کے لیے لمحہ فکریہ:

فرمایا: یَوْمَ تَأْتِیْ کُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا

یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾ اس دن ہر شخص اپنی ہی فکر میں ہوگا لیکن یادرہے! اللہ کا یہ قانون ہر متنفس کے لیے ہے کہ جو وہ کرتا ہے اس کا بدلہ وہ پائے گا۔ کسی سے زیادتی نہیں کی جائے گی۔ اس نے جو برائی یا غلطی نہیں کی اسے اس کی سزا نہیں دی جائے گی۔ نیکی کرتا ہے تو نیکی کا اجر پائے گا۔ برائی کرتا ہے تو برائی کا بدلہ پائے گا۔ جو شخص خود کو دکھی اور پریشان سمجھتا ہے اسے اپنے کردار پر نظر کرنی چاہیے کہ وہ کیا کر رہا ہے، اور کیوں پریشان ہے؟

عرب تاجر پیشہ لوگ تھے۔ تجارتی سفروں پر رہتے تھے۔ ان کے راستے میں کئی اجڑی ہوئی بستیاں آتی تھیں۔ فرمایا: وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرۡيَةً كَانَتۡ اٰمِنَةً مُّطۡمَٮِٕنَّةً يَّاۡتِيۡهَا رِزۡقُهَا رَغَدًا مِّنۡ كُلِّ مَكَانٍ۔۔۔۔۔ اللہ کریم اس بستی کی مثال بیان فرماتے ہیں کہ ان بستیوں کو دیکھو جو بہت آباد تھیں۔ ان میں امن تھا، اطمینان تھا، شب و روز فراخی سے رزق ملتا تھا۔ جدھر بھی جاتے خوب کما کر لوٹتے فَكَفَرَتۡ بِاَنۡعُمِ اللّٰهِ۔۔۔۔۔ پھر انہوں نے اللہ کی نعمتوں کا انکار کیا۔ اللہ کا شکر ادا کرنا چھوڑ دیا، اللہ کی اطاعت چھوڑ دی، نافرمانی پر آ گئے، لالچ میں آ کر ناجائز ذرائع سے مال اکٹھا کرنے میں لگ گئے، دوسروں سے چھیننا اور لوٹ مار کو شعار بنا لیا تو کیا ہوا؟ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الۡجُـوۡعِ وَالۡخَـوۡفِ۔۔۔۔۔ ان کے اس کردار کے نتیجے میں اللہ نے ان پر بھوک مسلط کر دی اور ایسا ماحول بن گیا کہ ہر وقت کا خوف طاری ہو گیا۔ یادرہے! یہ اللہ کا قانون ہے۔ جب بھی اور جہاں بھی اللہ کے احکام کے خلاف کیا جائے گا وہاں سے امن و سلامتی ختم ہو جائے گی۔ ناجائز ذرائع سے دولت اکٹھا کرنے سے خوف کا ماحول قائم ہو جائے گا۔ جس جس شعبے میں اللہ کے حکم کے خلاف کیا جائے گا وہاں اللہ کا عذاب آئے گا، قتل و غارت، لوٹ مار، موت کا خوف چھا جائے گا اور بھوک مسلط کر دی جائے گی۔ اس آیہء مبارکہ میں یہی فرمایا جا رہا ہے بِمَا كَانُوۡا يَصۡنَعُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾ کہ ان پر یہ مصیبتیں ان کے کردار کے باعث وارد ہوئیں۔

اس کا مطلب ہے کہ جب بھی کوئی اپنا کردار بدل لے، اللہ پر بھروسہ کرنے لگے، گناہوں سے تائب ہو جائے، ناجائز منافع خوری، رشوت ستانی، چور بازاری، بددیانتی چھوڑ دے تو اللہ کا عذاب ہٹ سکتا ہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ ان تمام برائیوں کے خاتمے کے لیے مزید کارروائیاں کرنے کی بات ہی ہوتی ہے، اس بنیادی بات کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا کہ اللہ کا عذاب توبہ کرنے سے ہٹے گا۔

وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡهُمۡ فَكَذَّبُوۡهُ فَاَخَذَهُمُ الۡعَذَابُ وَهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾ اللہ نے عالمِ انسانیت کو نبوت و رسالت کی عظمت عطا فرما کر بہت بڑا احسان فرمایا۔ اگر وہ کسی فرشتے کو نبی بنا دیتا یا

کسی اور مخلوق کو یہ عزت بخش دیتا تو انسان اس سے کیسے استفادہ کرتے اور عظمتِ نبوت ورسالت کسی اور مخلوق کو عطا ہو جاتی۔ اللہ کریم نے انسانوں میں سے نبیؐ پیدا فرما کر انسانیت پر بڑا کرم فرمایا کہ عظمتِ نبوت اولادِ آدم کے پاس رہی اور انسان کے لیے انسان سے استفادہ کرنا ممکن ہوا۔ اللہ نے تو احسان فرمایا لیکن لوگوں نے انبیاء کی دعوت کا انکار ہی کیا۔ کسی نے زبانی انکار کیا اور اکثریت نے زبانی زبانی مان لیا اور عملاً انکار کر دیا لیکن نتائج زبانی کہنے پر نہیں عملاً کرنے پر مرتب ہوتے ہیں جیسے کوئی زبان سے کہتا رہے کہ اس نے کھانا کھا لیا ہے اور عملاً کھائے نہیں تو اس کی بھوک کیسے ختم ہوگی؟ جن لوگوں نے زبانی انکار کر دیا ان کی تو بات ہی اور ہے، انہوں نے تو سرے سے عمل کرنا ہی نہیں تھا لیکن اکثر لوگ وہ ہیں جو زبانی تو مان لیتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ فرمایا، انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تو انہیں اللہ کے عذاب نے آ پکڑا۔

اللہ کے عظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں قیامت تک کی انسانیت کے لیے نبوت ورسالت اور امامت عطا کی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے زندگی گزارنے کے راہنما اصول بتا دیے اگر تم ان سے روگردانی کرتے ہو تو پھر تمہیں اللہ کا عذاب ضرور آ پکڑے گا۔ بلاشبہ تم اپنے پر خود ظلم کرنے والے ہو۔

حلال کے ساتھ طیّب بھی ضروری ہے:

فرمایا: فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا۔ اللہ نے بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ انہیں حلال اور جائز طریقے سے کھاؤ تمام نعمتیں انسانوں کے لیے ہیں، کھانے سے منع نہیں فرمایا صرف شرائط عائد کی ہیں کہ غذا حلال ہو، جائز طریقے سے حاصل کی گئی ہو اور پاکیزہ ہو، اس میں کوئی ناپاک یا ناجائز شئے شامل نہ کی گئی ہو۔ یعنی فی نفسہ حلال ہو، جائز وسائل سے حاصل کی جائے اور اسے طیب، خالص اور پاکیزہ رکھا جائے۔ وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ ان نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرتے رہو۔ اس کا احسان مانو کہ اس نے تمہیں یہ نعمتیں عطا کی ہیں۔ اللہ کی عبادت کرنے والوں کو یہی زیب دیتا ہے کہ اللہ کے انعامات پر شکر کریں۔ اس کی اطاعت کر کے اس کا شکر بجا لائیں۔ ہر اطاعت اللہ کی عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ ہر نیکی عبادت ہے، ہر وہ کام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے اور اللہ کریم کے حکم کے مطابق ہوگا وہ عبادت ہے۔

حرام غذائیں:

کفار نے اپنی طرف سے بہت سی چیزوں کو حرام قرار دے رکھا تھا۔ ان میں سے بھی بہت سی چیزوں کے ساتھ وابستہ کر رکھا تھا کہ فلاں چیز صرف مرد کھا سکتے ہیں عورتیں نہیں کھا سکتیں، فلاں چیز مردوں پر حرام ہے اور بچے کھا سکتے ہیں۔ اللہ کریم نے بنیادی اصول ارشاد فرمادیے فرمایا: اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ ۔۔۔۔۔اللہ نے تم پر مَيْتَةَ یعنی مردار کو حرام کیا ہے۔ جو چیزیں حرام ہیں ان کے علاوہ وہ حلال جانور جو بغیر ذبح کیے مرجائے، اللہ کے نام پر ذبح کیے بغیر مرجائے وہ حرام ہے وَالدَّمَ اور ہر طرح کا خون حرام ہے۔ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ ۔۔۔۔۔اور سؤر کا گوشت حرام ہے۔ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ ۔۔۔۔۔اور جس حلال جانور پر بوقتِ ذبح اللہ کا نام نہ لیا جائے یا اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام لیا جائے وہ بھی حرام ہے۔ چار بنیادی حرام بتا دیے۔ اول مردار یعنی جو جانور حرام ہیں وہ مرجائیں وہ تو ہیں ہی مردار۔ اس کے علاوہ جو جانور حلال ہیں وہ اللہ کے نام پر ذبح نہ ہو اور مرجائے تو مردار ہے۔ خون حرام ہے۔ خنزیر حرام ہے اور جو جانور اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کے نام پر ذبح کیا جائے وہ حرام ہے۔ تمام حرام چیزیں انہی چار بنیادی اصولوں کے تحت آتی ہیں۔

پھر یہ رعایت رکھی: فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَإِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۱۵﴾ کہ اگر کوئی شخص بھوک سے مرنے لگے اور اسے کوئی حلال شئے میسر نہ ہو تو اتنا سا حرام کھالے جس سے اس کی جان بچ جائے۔ نہ پیٹ بھرنے کے لیے کھائے نہ لذت کے لیے کھائے، صرف اتنا کھائے جو جان بچانے کے لیے کافی ہو۔ گناہ کرنے یا بغاوت کرنے یا حد سے نکلنے کے لیے نہیں محض جان بچانے کے لیے کھالے تو اللہ کریم معاف کرنے والے رحم کرنے والے ہیں۔

زندگی اللہ کی ایسی نعمت ہے کہ ہر سانس میں آخرت کمائی جاسکتی ہے یہاں تک کہ اللہ نے یہ اجازت دی ہے کہ اگر زندگی خطرے میں ہے، حلال میسر نہیں تو اسے بچانے کے لیے اتنا حرام کھالو کہ اس سے جان بچ جائے تو میں معاف کردوں گا۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس وقت وہ کھانا حلال ہوجائے گا۔ حرام، حرام ہی رہے گا لیکن تمہیں اس کی سزا نہیں ملے گی کہ زندگی قیمتی ہے۔ زندگی بچ گئی تو اللہ کی مزید عبادت کرسکو گے، مزید اطاعت کرلو گے، مزید نیک کام کرو گے اور اپنا اجر مزید بڑھا لو گے۔

انسانی جان کی اہمیت ہے۔ مومن جتنے لمحے دنیا میں رہتا ہے اسے اللہ کریم کی اطاعت نصیب ہوتی

ہے۔ مرنے کے بعد تو سلسلہ عمل ختم ہو جاتا ہے۔ بندہ دار العمل سے دار الجزا میں منتقل ہو جاتا ہے لہٰذا زندگی کو اللہ کی نعمت سمجھا جائے۔ یہ اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ہر سانس اللہ کا نام لے۔ ہر دھڑکن میں اللہ کا نام بس جائے تو جتنا وقت ملتا جائے گا اتنے اس کے درجات بڑھتے جائیں گے۔

سیرت صحابہؓ میں دو صحابہؓ کا ذکر ملتا ہے۔ دونوں دوست تھے۔ ایک بیمار ہو کر فوت ہو گیا دوسرا کچھ عرصہ زندہ رہا۔ کسی نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ دونوں میں سے کون فائدے میں رہا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ پاک کا مفہوم ہے کہ جو بعد میں فوت ہوا اُسے زیادہ وقت ملا۔ اس نے زیادہ وقت اللہ کی عبادت کی، اطاعت کی، اللہ کی یاد میں وقت گزارا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں زیادہ وقت گزارا تو ظاہر ہے وہ دنیا سے زیادہ سرمایہ اٹھا لے گیا۔

زندگی کو نعمت سمجھ کر گزارا جائے اور مہلتِ عمل سے فائدہ اٹھایا جائے تو اللہ کی نعمت کا شکر ادا ہو۔

حلال و حرام متعین ہیں:

کسی چیز کو حلال یا حرام کہنا یہ اللہ کریم کا کام ہے یا اللہ کے حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کو حلال یا حرام کہیں تو وہ بھی اللہ کا حکم ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان سے ادا ہوتا ہے۔ لہٰذا تمام حلال اور تمام حرام متعین ہیں۔ کسی اور کا اس میں دخل نہیں۔

کفار و مشرکین نے شیوہ بنا رکھا تھا جو کام اپنی خواہشِ نفس کے مطابق پاتے اس کے لیے کہتے کہ یہ جائز ہے اور جو کرنے کو جی نہ چاہا اس پر اعتراض کرتے کہ یہ جائز نہیں۔ اسی طرح کھانے پینے کی چیزوں میں بھی من مانی توجیہات کر کے حلال و حرام میں اپنی مرضی کرتے۔ اس روش کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد ہوا: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ اور جو بھی تمہاری زبانوں پر آ جائے یوں ہی جھوٹ نہ کہا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ۔۔۔۔ یہ اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کبھی فائدے میں نہیں رہتے۔ وہ بہت بڑے جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اللہ نے جس شئے کو حلال کیا اسے اپنی رائے سے حرام کہہ دینا اور جسے اللہ نے حرام کیا اسے اپنی مرضی سے حلال کہہ دینا جرم ہے، یہ اللہ پر بہتان تراشی کرنا ہے۔ اور جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، بہتان لگاتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔ ان کے سارے کام بگڑنے شروع ہو جاتے ہیں۔ جھوٹ تو ایک کام میں بولا تھا لیکن اللہ پر جھوٹ باندھا تھا، اور سارے

امور اللہ ہی کی قدرت سے وابستہ ہیں۔ تو ان کے سارے کام بگڑنے شروع ہو جاتے ہیں لہٰذا ان سے بچنا ضروری ہے۔

اس آیہء مبارکہ کی روشنی میں جائزہ لیں تو دیکھا جا سکتا ہے کہ اللہ کریم نے تو سود بڑی سختی سے منع فرمایا ہے لیکن ہمارے بینک اس کا نام بدل کر چلا رہے ہیں۔ سود کا نام کچھ اور رکھ کر سود لینے دینے سے سود کی حقیقت تو نہیں بدلتی۔ اس طرح الفاظ کے ہیر پھیر سے چیزیں حلال یا جائز نہیں ہو جاتیں۔ جو چیز اللہ نے حرام کر دی ہے وہ حرام ہے اور جو چیز اللہ نے حلال کی ہے وہ حلال ہے۔ اگر کسی کُتے کا نام بکرا رکھ دیں تو وہ حلال نہیں ہو جائے گا۔ اس طرح کرنا اللہ پر جھوٹ بولنا ہے۔

اللہ کریم نے تو ساڑھے چودہ سو سال پہلے سود کو حرام قرار دیا تھا اور دورِ حاضر کی غیر مسلم حکومتیں سودی نظام کی خرابیوں سے تنگ آ کر اسے چھوڑنا چاہتی ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کے معاشی اصولوں کو اپنانے کے لیے غیر سودی معیشت اور بلا سودی بینک کاری کے کامیاب تجربے کر لیے ہیں۔ وہ اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ سود معیشت کی تباہی کی ابتدا ہے۔ اس میں غریب، غریب تر اور امیر، امیر تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ ان کا اس نتیجہ پر پہنچنا اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ کی متعین حلت و حرمت میں بے پناہ فوائد ہیں۔ جو چیزیں انسانوں کے لیے مفید ہیں اللہ نے انہیں حلال کیا ہے اور جتنی چیزیں مضر ہیں انہیں حرام قرار دیا ہے۔ یقیناً حرام میں بہت نقصانات ہیں۔

مَتَاعٌ قَلِيلٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١٧﴾ فرمایا، دنیا کی زندگی، آخرت کے مقابلے پر بہت چھوٹی ہے۔ تھوڑی سی مہلت دی گئی ہے کہ اللہ کا قرب حاصل کرو۔ اللہ نے قلب کو روشن کرنے کی استعداد دی ہے اسے استعمال کرو۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فیوضات و برکات حاصل کرو اور عند اللہ اپنا مقام بناؤ۔ دنیا میں تو تمہیں ہمیشہ نہیں رہنا۔ جہاں جانا ہے اور ہمیشہ رہنا ہے وہاں کی تیاری کرو۔ اللہ پر جھوٹ بولنے والے یہاں تو گزارا کر لیں گے لیکن وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١٧﴾ جو زندگی ہمیشہ کی ہے اسے تباہ کر جائیں گے اور انہیں بڑا دردناک عذاب ہوگا۔ عذاب کہتے ہی اس چیز کو ہیں جو تکلیف دینے والی ہو، جب اسے دردناک عذاب کہہ دیا جائے تو وہ کتنا زیادہ تکلیف دہ ہوگا۔ جرائم تو اور بھی ہیں۔ غلطیاں، کوتاہیاں بھی ہوتی ہیں لیکن جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ بولنا اور چند روز کی دنیا کی زندگی کے لیے آخرت برباد کر دینا کیسی عجیب بات ہے! مر کر جو زندگی شروع ہوگی اسے کبھی ختم نہیں ہونا، اس زندگی کو دوام ہے، اس میں عذاب بھی ختم نہیں ہوں گے۔ تو دنیا کی متاعِ قلیل کے لیے آخرت کے ابدی عذاب اور تکلیف دہ عذاب اکٹھے نہ کرو۔

فرمایا: وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۔۔۔۔۔اسی طرح ہم نے یہودیوں پر بہت سی چیزیں حرام کردی تھیں جن کا آپ کے سامنے پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔ان پر عجیب پابندیاں تھیں مثلاً یہ کہ بکرا یا دنبہ ذبح کیا تو اس کی پشت یا گردن کے گوشت میں جو چربی ہے وہ حرام ہے اور جو چربی انتڑیوں کے ساتھ ہے وہ حلال ہے۔اتنی تنگی ان پر کیوں ہوئی؟ اس لیے کہ وہ اللہ کے احکام کے نزول کے وقت حجت بازی کرتے تھے۔جیسے جیسے وہ حجت بازی کرتے گئے اللہ کریم ان پر پابندیاں بڑھاتے گئے۔

فرمایا: وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فرمایا، ہم نے ان کے ساتھ زیادتی نہیں کی وہ اپنے آپ پر خود ظلم کیا کرتے تھے۔حجتیں کرتے اور احکامِ الٰہی میں تاویلیں کرتے۔اللہ کے نبیؑ کے پاس آتے۔ آپؑ اللہ کے حضور عرض کرتے تو اللہ کریم مزید پابندی لگادیتے، یوں یہ اپنی بحث وجدال کی عادت کے باعث خود کو مشکلات میں ڈال دیتے لہٰذا اللہ نے ان سے کوئی زیادتی نہیں کی، یہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

جو بھی اللہ کریم کی نافرمانی کرتا ہے اس کے نتیجے میں سزا پاتا ہے۔اللہ کریم نے تو پہلے سے بتادیا ہے کہ اطاعت کرو گے تو انعام پاؤ گے، گناہ کرو گے تو سزا پاؤ گے۔بندہ جب گناہ کرتا ہے تو خود اپنے لیے سزا کو منتخب کرلیتا ہے، اس طرح وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ۔۔۔۔۔ فرمایا، جو لوگ نادانی اور جہالت کی وجہ سے برائی کرلیتے ہیں اور ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۔۔۔۔۔ اس کے بعد توبہ کرلیتے ہیں۔ اپنی اصلاح کرلیتے ہیں۔اس گناہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔نیکی کا راستہ اختیار کرلیتے ہیں اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ تو اس کے بعد وہ اپنے رب کو معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے۔توبہ کا مطلب ہے کہ جو غلطی ہوئی تھی وہ دہرانا چھوڑ دیں، اصلاح احوال کریں اور نیکی کریں۔توبہ ایک عہد ہے کہ یا اللہ! میں جو غلطیاں کررہا تھا میں انہیں چھوڑتا ہوں، آئندہ نہیں کروں گا، ان کی جگہ نیکیاں کروں گا، نیکی کا راستہ اپناؤں گا۔ فرمایا، جو بھی اور جب بھی توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کرلے تو وہ دیکھے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردگار کتنا معاف کرنے والا اور کتنا رحم کرنے والا ہے۔یعنی کوئی انسانی گناہ ایسا نہیں جو اللہ کی رحمت کو عاجز کردے۔کسی سے کتنے ہی گناہ سرزد ہوجائیں۔ساری عمر گناہوں میں گزر جائے۔جب بھی اللہ کے حضور توبہ کرے گا رب کو معاف کرنے والا پائے گا۔

سورۃ النحل رکوع 16 آیات 120 تا 128

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّ إِبْرٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيفًا ۖ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٠﴾
شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ۚ اجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٢١﴾ وَآتَيْنٰهُ فِي
الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿١٢٢﴾ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ
اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٣﴾ إِنَّمَا جُعِلَ
السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٢٤﴾ ادْعُ إِلٰى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن
ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١٢٥﴾ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ
مَا عُوقِبْتُم بِهِ ۖ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِينَ ﴿١٢٦﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ
إِلَّا بِاللّٰهِ ۚ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿١٢٧﴾ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ
الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ﴿١٢٨﴾

بے شک ابراہیم (علیہ السلام) بڑے پیشوا (اور) اللہ کے فرمانبردار تھے جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے ﴿۱۲۰﴾ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے اور اس نے ان کو منتخب کر لیا تھا اور سیدھی راہ پر ڈال دیا تھا ﴿۱۲۱﴾ اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبیاں عطا فرمائی تھیں اور یقیناً وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں سے ہوں گے ﴿۱۲۲﴾ پھر ہم نے آپ

کی طرف وحی فرمائی کہ ابراہیم (علیہ السلام) کی ملت (طریقے) کی پیروی کریں جو ایک طرف (صرف اللہ) کے ہو رہے تھے اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے ﴿۱۲۳﴾ یقیناً ہفتے کے دن کو ان ہی لوگوں کے لیے مقرر فرمایا گیا تھا جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا۔ اور یقیناً آپ کا پروردگار قیامت کے دِن اُن میں ان باتوں کا فیصلہ فرما دیں گے جن میں وہ اختلاف کرتے تھے ﴿۱۲۴﴾ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف دانائی اور نیک نصیحت سے بلایئے اور ان سے اچھے انداز میں بحث فرمائیں بے شک آپ کا پروردگار بہتر جانتا ہے کہ جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور وہ راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے ﴿۱۲۵﴾ اور اگر بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا اور البتہ اگر تم صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت اچھا ہے ﴿۱۲۶﴾ اور آپ صبر کیجیے اور آپ کا صبر کرنا اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور ان پر غم نہ کیجیے اور جو کچھ یہ تدبیریں کرتے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہویئے ﴿۱۲۷﴾ بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتے ہیں جو پرہیزگار ہوتے ہیں اور جو خلوصِ دل سے نیک کام کرنے والے ہوتے ہیں ﴿۱۲۸﴾

تفسیر و معارف

فرمایا: اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ یقیناً ابراہیمؑ بہت بڑے پیشوا، اللہ کریم کے فرماں بردار اور بالکل ایک طرف کے ہو رہنے والے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اللہ نے اُمَّةً کا لفظ استعمال فرمایا ہے جبکہ اُمت جماعت کو کہتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی ذات میں ایک جماعت ہوتے ہیں یعنی ان کی وجہ سے، ان کی برکت سے بے شمار لوگوں کو ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ ایسی راہنمائی ملتی ہے کہ اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ ایسا ایک فرد جماعت کی حیثیت رکھتا ہے۔ سارے کے سارے انبیاءؑ اللہ کے قرب کا سبب، ہدایت کا سبب بنائے گئے۔ انبیاء کرامؑ میں سے ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے اُمَّةً فرما کر ایک بہت بڑی جماعت کی حیثیت دی۔ ابراہیمؑ کی اکیلی شخصیت پر اُمت

کا اطلاق فرمایا۔

قَانِتًا لِلّٰهِ ہر حال میں اللہ کے اطاعت گزار رہے۔ ساری زندگی بے شمار آزمائشیں آئیں۔ گھر اور معاشرے میں بت پرستی دیکھی اور اس کے خلاف ڈٹ گئے۔ ظالم حکمرانوں کا سامنا کیا، آگ میں پھینکے گئے، ہجرت کرنا پڑی، راستے میں بے شمار تکلیفیں آئیں۔ ظالم بادشاہ کا سامنا کرنا پڑا، اُس کی طرف سے پیش آنے والے مصائب کا مقابلہ کیا۔ آخری عمر میں فرزند جلیل سے نوازے گئے تو حکم ہوا کہ انہیں مکہ مکرمہ کے صحرا اور چٹیل پہاڑوں کے درمیان چھوڑ آئیں۔ آپؑ نے تعمیل فرمائی۔ پھر جب اسمٰعیلؑ چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو انؑ کی قربانی کا حکم ہوا تو قربانی کرنے پر تیار ہو گئے۔ قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا۔۔۔۔۔ ہمیشہ اللہ کی فرماں برداری پر قائم رہے، حق کے ساتھ جم کر کھڑے رہے۔ دائیں بائیں کسی طرف کوئی جھکاؤ نہیں، سیدھے اللہ کی اطاعت پر جم کر رہے۔ ساری زندگی کبھی شبہ نہیں گزرا کہ اللہ کی نافرمانی کی جا سکتی ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اوصاف جمیلہ ارشاد فرما کر دراصل اسلام کی شرح بیان کی جا رہی ہے کہ اسلام کیا ہے۔ اللہ کریم مثال کے طور پر ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کا عمل بیان فرما رہے ہیں کہ اسلام یہ ہے کہ نفع نظر آئے یا نقصان، زندگی خطرے میں ہو یا جان پہ مصیبت آ رہی ہو، رشتے قربان کرنا پڑ جائیں، ہجرت کرنی پڑے، گھر چھوڑنا پڑے یعنی کچھ بھی ہو جائے اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری پر ثابت قدم رہے، قدم ڈگمگانے نہ دے۔

مشرکین دعویٰ کرتے تھے کہ وہ دین ابراہیم پر ہیں۔ انہوں نے دین کے نام پر چند رسومات اپنا رکھی تھیں تو اللہ کریم نے فرمایا، ابراہیم (علیہ السلام) نے تو ساری زندگی ڈٹ کر کفر کا مقابلہ کیا، اللہ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے اور تم تو شرک کرتے ہو جبکہ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ آپؑ تو مشرکوں میں سے ہرگز نہ تھے۔ تم تو کبھی بتوں کو پکارتے ہو، کبھی فرشتوں کی پوجا کرتے ہو، کبھی جنوں کی، کبھی جادوگروں کو پوجتے ہو۔ تمہارا تو یہ ایک عمل ہی یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ تمہارا ابراہیمؑ سے کوئی تعلق نہیں۔

شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ۔۔۔۔۔ اللہ کریم فرماتے ہیں ابراہیم (علیہ السلام) نے کبھی کسی آزمائش کی شکایت نہیں کی بلکہ ہمیشہ اللہ کے انعامات ہی گنتے اور شکر ادا کرتے رہے کہ اللہ نے آپؑ کو خلیل اللہ بنایا، دوسروں کی ہدایت کا سبب بنایا، انبیاءؑ کا جدِ امجد بنایا۔ یہی سنتِ ابراہیمی ہے کہ انسان اپنے رب کی نعمتیں شمار کرے اور شکر گزار بنے۔ بندہ سوچے کہ خاکی ذرّات سے اللہ نے کائنات سجا دی۔ چرند پرند، درندے، آبی مخلوق بنائی۔ اس کا احسان کہ مجھے انسان بنایا، پھر دین قبول کرنے کی توفیق دی، مسلمان والدین کے گھر پیدا کیا، زندگی دی، علم دیا، اچھے لوگوں کی صحبت دی اور بے پناہ نعمتیں دیں۔ اللہ کریم نے خود فرما دیا ہے: وَاِنْ تَعُدُّوْا

یِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡھَا (النحل:18) کوئی بھی اللہ کی نعمتیں گننا چاہے تو گن نہیں سکتا۔ وہ قادر و قیوم ہے۔ اس نے ہمیں شرف بخشا۔ انسان ہونا بہت بڑا شرف ہے پھر مسلمان ہونا اللہ کا احسان ہے۔ اس نے ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا فرمایا یہ اس کا احسان عظیم ہے۔ اس ایک احسان کے شکر میں بندہ ساری زندگی سجدے میں گزار دے تو بھی شکر ادا نہیں کر سکتا۔ کون ہے جو اس کا شکر ادا کر سکے کہ اللہ نے ہمیں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے ہم پہچانے جاتے ہیں۔

دنیا کا نظام طے شدہ ہے۔ روزی رزق، زندگی صحت، قد کاٹھ شکل وصورت، علم و آگہی یہ سب چیزیں اللہ نے لوگوں میں تقسیم فرما دیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ فیصلے ہو چکے اور قلم خشک ہو گیا۔ اب ہر فرد کو اسی تقسیم پر زندگی گزارنا ہے۔ کبھی کسی پر افلاس آئے گا اور کبھی دولت کی فراوانی ہوگی۔ کسی کے پاس حکومت ہوگی اور کوئی رعایا ہوگا۔ ہر حال کے لیے شریعت کی ہدایات موجود ہیں۔ اس کے مطابق زندگی بسر کرنے میں راحت ہے، سرخروئی ہے۔ لیکن انسان جب ناشکری پر آتا ہے تو ہمیشہ اللہ سے شکایت ہی کرتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان رہ کر ناشکری کرتا ہے۔ ارشاد باری ہے فَاَمَّا الۡاِنۡسَانُ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكۡرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَكۡرَمَنِ (الفجر:15) انسان کو جب اللہ کریم آزماتے ہیں تو دولت و حکومت اور اپنی نعمتیں دے دیتے ہیں۔ یہ اس کی آزمائش ہوتی ہے کہ وہ دولت و اقتدار پا کر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے یا کفرانِ نعمت کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس سے متصل آیت میں فرمایا، وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَهٗ ۙ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَهَانَنِ۔۔۔۔ (الفجر:16) اور کسی پر اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے یا بیماری بھیج دیتا ہے تو یہ اس کی آزمائش ہے کہ وہ اللہ کی فرماں برداری پر قائم رہتا ہے یا اللہ سے شکایت ہی کرتا ہے۔ یہ اللہ کا نظام ہے جس میں ہم سب کو چلنا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر جاری ہے کہ آپؑ اللہ کا شکر ادا کرنے والے تھے اِجۡتَبٰىهُ اللہ نے آپؑ کو چُن لیا اور اپنے پسندیدہ بندوں میں شامل فرمایا جن سے اللہ کریم محبت کرتے ہیں اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۱۲۱﴾ اور انہیں سیدھی راہ پر ڈال دیا۔ سیدھی راہ ہی اللہ کے قرب کی راہ ہے۔ اور قربِ الٰہی کے منازل ہمیشہ بڑھتے ہی رہتے ہیں۔ یہاں کوئی انتہا نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ وہ ایک منزل پر جا ٹھہرے بلکہ فرمایا کہ انہیں سیدھے راستے پر چلا دیا۔ چلتے رہے، ترقی کرتے رہے۔ بلندیوں کو عبور کرتے رہے اور قربِ الٰہی کی منزل پاتے رہے۔ وَاٰتَيۡنٰهُ فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۲۲﴾ انؑ کی تو دنیوی زندگی بھی بہت خوب صورت تھی اور آخرت میں بھی وہ اللہ کے محبوب بندوں میں سے ہوں گے، انؑ کی آخرت بھی بہت خوب صورت ہوگی اور اللہ کے مقرب اور صالحین میں شامل ہوں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کو دیکھیں تو ایک سے ایک بڑھ کر مصیبت پیش آتی رہی لیکن انؑ کی استقامت کو دیکھیں تو اللہ کے انعامات کی کوئی حد ہی نہیں۔ اللہ کی معیت آپؑ کے ساتھ رہی۔ انہوں نے کسی مصیبت کو مصیبت جانا ہی نہیں۔ ڈٹ کر حق پر جمے رہے۔ اللہ کی مدد سے ہر مشکل سے گزر گئے اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہے۔ یہ آیۂ مبارکہ بتا رہی ہے کہ جس کی زندگی اطاعتِ الٰہی میں گزرے، اللہ کے نزدیک وہ خوب صورت زندگی ہے۔ ابراہیمؑ کی دنیوی زندگی میں بے شک مصیبتیں آئیں، تکالیف اور مشکلات کا سامنا رہا لیکن اطاعتِ الٰہی پر کمربستہ رہے تو یہی انعامِ الٰہی ہے اور یہ مقامِ شکر ہے۔ اور آپؑ زندگی بھر اللہ کا شکر ادا کرتے رہے۔

انبیاءؑ کا مقام ارفع و اعلیٰ ہے۔ یہ اللہ کے برگزیدہ بندوں کا گروہ ہے۔ ان کی شان جدا ہے، ان کا صبر و شکر مثالی ہے۔ امت کے افراد میں ہے جو جتنا اپنے نبیؐ کا فرماں بردار ہے اسی قدر صابر و شاکر بھی ہوتا ہے۔ صحابہؓ کی زندگیاں اس پر گواہ ہیں۔

اہل اللہ کی زندگیاں باتباعِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی ڈگر پر رواں رہتی ہیں۔ ان پر جو مصیبتیں آتی ہیں وہ بظاہر تو دکھ ہی ہوتے ہیں لیکن ان کے دل پر جو اثر رہتا ہے وہ اللہ کی نعمتوں کے شکر کا ہوتا ہے۔ اللہ کے بندوں پر جو مصیبتیں آتی ہیں ان سے ان کا دل میلا نہیں ہوتا، طبیعت پریشان نہیں ہوتی بلکہ دل پُرسکون ہوتے ہیں، طبیعت بشاش رہتی ہے کہ وہ مصائب ان کی ترقیٔ درجات کا سبب ہوتے ہیں۔

عام مسلمان پر جو مصیبت آتی ہے وہ بھی تلافیٔ مافات کا سبب بن جاتی ہے۔ ایک دن کے بخار کے لاکھوں گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ہم بیماریوں، مشکلات کی شکایات تو کرتے رہتے ہیں، اس کے بدلے جو انعامات ملتے ہیں انہیں ہم یاد ہی نہیں کرتے۔ یہ تو یاد رہتا ہے کہ بازو میں درد ہے، سر میں، دانت میں درد ہے۔ یہ نہیں سوچتے کہ اس معمولی سی تکلیف کے بدلے اللہ نے ہمارے کتنے گناہ معاف کر دیئے۔

انبیاءؑ کی سوچ کا رخ اللہ کے شکر کی طرف ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے احسانات گنتے اور شکر کرتے ہیں۔ اہل اللہ کا رخ بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع میں یہی ہوتا ہے۔ ان کے درجات مزید بلند ہوتے ہیں اور قربِ الٰہی کی منازل طے ہوتی ہیں۔

عامۃ المسلمین پر آنے والی تکالیف ان کے گناہوں کی معافی کا سبب ہوتی ہیں۔ یہی فرمایا جا رہا ہے کہ اس کی زندگی بہت خوب صورت ہے جس کی زندگی اطاعتِ الٰہی میں بسر ہوتی ہے خواہ دنیوی طور پر حالات کتنے ہی نامساعد ہوں۔ اطاعتِ الٰہی پر زندگی گزرے تو یہ اللہ کا انعام ہے۔ اس پر شکر واجب ہے اور اگر اطاعتِ الٰہی جاتی رہے تو پھر حکومت بھی مل جائے تو کیا فائدہ؟ حکومت تو فرعون اور نمرود کے پاس بھی تھی۔ اس حکومت کا کیا فائدہ جس میں اللہ کی اطاعت نصیب نہ ہو۔ اس عہدے اور دولت کا کیا فائدہ جو بارگاہِ الٰہی سے دور

کردے۔ زندگی تو چند روزہ ختم ہوجائے گی، معاملات تو آخر میں کھلیں گے۔ قبر میں جا کر پتا چلے گا کہ کیا ہوا۔

فرمایا: ثُمَّ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِیۡمَ حَنِیۡفًا۔۔۔۔۔ابراہیمؑ اتنے کھرے اور مخلص تھے کہ ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بھی یہ وحی فرمائی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ابراہیمؑ کی روش اور طریقہ کار پر اسی طرح ثابت قدم رہیں۔ اللہ کریم کو ابراہیمؑ کا اللہ پر یکسو ہوجانا اس قدر پسند تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی کہ جو طریقہ ابراہیمؑ کا تھا وہی انداز آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اپنائیں۔ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ﴿۱۲۳﴾ اور آپؑ کے عقیدے، عمل، قول وفعل میں شرک کا رائی برابر شائبہ بھی نہیں تھا۔ اللہ کریم بار بار متنبہ فرماتے ہیں اور قرآن حکیم میں جابجا ارشاد فرماتے ہیں کہ شرک ظلم عظیم ہے اور اس سے بالکل دور رہنا ضروری ہے۔

شرک کیا ہے؟

سادہ سی بات ہے اللہ کریم کو چھوڑ کر کسی دوسرے سے امیدیں وابستہ کرنا شرک ہے۔ ساری امیدیں اللہ سے وابستہ ہوں تو یہ توحید ہے جب اللہ سے امیدیں وابستہ ہوں گی تو اطاعت بھی اللہ کی ہوگی۔ جب امیدیں دوسروں سے وابستہ ہوں گی تو بندہ بات بھی ان کی مانے گا جن سے امیدیں وابستہ ہوں گی۔ اور یہ آسان کام نہیں ہے، بڑا مشکل کام ہے۔ آج کا انسان سہل پسندی کا شکار ہے۔ جہاں دوا سے آرام آسکتا ہے وہاں وہ انجکشن لگوانے کو ترجیح دیتا ہے۔ کوئی کام ہو تو بجائے قواعد وضوابط اپنانے کے سفارش اور رشوت کے ذریعے کام نکلوانا پسند کرتا ہے۔ محنت اور سلیقے سے کام کرنے کے بجائے یہ چاہتا ہے کہ بس کام ہوجائے، فوراً ہوجائے خواہ کسی بھی طرح ہو۔

اللہ کریم نے ہر کام کرنے کا طریقہ اور سلیقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں سمو دیا ہے۔ یہی اللہ کا پسندیدہ انداز زندگی ہے۔ ویسے بھی سارے امور من جانب اللہ قدرتی طریقے سے ہی انجام پاتے ہیں۔ انسان جو چاہے خواہش کرے، ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے۔ انسان تو بس آزمایا جاتا ہے۔

فرمایا: وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ﴿۱۲۳﴾ ارشادِ باری ہے کہ ابراہیمؑ کا اعتماد اللہ کے علاوہ کسی پر نہیں تھا۔ آپؑ اللہ کے سوا کسی سے امید نہیں رکھتے تھے۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جب ابراہیمؑ کے لیے آگ کا ایک بڑا الاؤ تیار کیا گیا اور یہ مرحلہ آیا کہ اس میں آپؑ کو کیسے پھینکا جائے کیونکہ وہ آگ اتنی شدید تھی کہ کوئی قریب نہیں آسکتا تھا تو شیطان نے انہیں مشورہ دیا کہ بہت اونچے اونچے مینار بناؤ، ان کے درمیان بڑا سا جھولا ڈالو۔ اس میں آپ (علیہ السلام) کو ڈال کر آگ کی جانب جھلاؤ۔ جب وہ آگ میں پہنچیں تو پیچھے سے جھولے کے رسے

کاٹ دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس وقت فرشتوں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ خلیل اللہ (علیہ السلام) کے ساتھ کافر یہ سلوک کر رہے ہیں، آپ ہمیں اجازت عطا فرمائیں کہ ہم انہیں تہس نہس کر دیں اور ابراہیمؑ کو بچا لیں۔ جبرئیلؑ کو ارشادِ باری ہوا کہ میرے خلیل سے پوچھ لو۔ جبرئیل امین آئے۔ سلام کے بعد عرض کیا کہ اللہ کریم سے عرض کیا تھا اللہ کریم نے حکم دیا ہے کہ آپؑ سے اجازت لے لو لہٰذا آپؑ اگر چاہیں تو ہم آپؑ کو اس جھولے سے اٹھا لیں اور ظالموں کو تباہ کر دیں۔ آپؑ نے فرمایا جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں وہ ربِّ کریم کے علم میں ہے۔ وہ بچانا چاہے تو قادر ہے۔ وہ بچانا چاہے گا تو خود بچالے گا تمہاری کیا ضرورت ہے۔

حَنِيفًا سے یہ مراد ہے کہ ہر حال میں اُمید اللہ کریم سے ہی وابستہ رہے۔ آپؑ نے اللہ کے فرشتوں سے بھی یہی فرمایا کہ اللہ کریم خود دیکھ رہے ہیں۔ بچانے پر قادر ہیں۔ بچانا چاہیں گے تو خود بچالیں گے تم درمیان میں مت آؤ لیکن یہ بات تب نصیب ہوتی ہے جب اللہ سے رشتہ اور تعلق ہو، اللہ کو جانتا ہو، اس کی صفات کو مانتا ہو۔ ہم تو زبانی جانتے ہیں اور زبانی مانتے ہیں۔ اللہ ہمارا یہ بھی قبول کر لے۔ اللہ ہمیں معاف فرمائے! جب ذرا سی مشکل پڑتی ہے تو اللہ کو بھول کر دوسروں کے آسرے پر آ جاتے ہیں۔

فرمایا: إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٢٤﴾ ہفتے کا دن خاص قوم کے لیے، خاص وقت کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ ان لوگوں نے نبی علیہ السلام کی اطاعت نہ کی اور اس میں اختلاف کیا۔

اللہ کریم ہر امت کے لیے ان کے حالات، مزاج اور اس عہد کے مطابق احکام دیتے۔ اور دوسری امت کے لیے بدل دیے جاتے، اسی طرح ہفتے کے دن جو ہم نے مبارک بنایا تو وہ ایک خاص قوم کے لیے تھا، ایک خاص وقت کے لیے تھا، ہمیشہ کے لیے نہیں تھا۔ لیکن رسوم کی پیروی کر کے اس میں بھی انہوں نے اختلاف کر لیا۔

لمحۂ فکریہ:

یہ حکم ہمیشہ کے لیے ہے کہ پیروی شریعت کی ہونی چاہیے، رسوم کی نہیں۔ اور کتنے فکر کی بات ہے کہ آج مسلمانوں نے بھی یہ روش اپنا لی ہے کہ رسوم کی پیروی کرتے ہیں، شریعت کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق مسلمانوں کے لیے سال میں دو عیدیں ہیں۔ ایک رمضان المبارک کے بعد اور دوسری قربانی کی عید۔ لیکن اب سال میں کئی عیدیں منائی جاتی ہیں۔ کبھی میلاد کے نام پر، کبھی عرس کے نام پر۔ اس کا مقصد چندے اکٹھے کرنا، ذاتی شہرت کی تسکین اور ناموری چاہنا ہے۔ عوام الناس مختلف مقامات کو متبرک مان کر آئے روز کسی نہ کسی درگاہ کی طرف روانہ رہتے ہیں جبکہ شریعت کے حکم کے مطابق صرف تین جگہیں ایسی ہیں جن کے لیے سامان باندھا جائے یعنی حرمِ بیت

اللہ، مسجد نبوی اور بیت المقدس۔ چوتھی جگہ ہی کوئی نہیں جس کی نیت کی جائے۔ یہاں قدم قدم پر سجدہ گاہیں بنی ہوئی ہیں۔ کہیں عرس شریف، کہیں گیارہویں شریف، کہیں شب برأت شریف منائی جاتی ہے۔ یہ سب لوگوں کی جیبیں خالی کروانے کے بہانے ہیں۔ دنوں کو ازخود متبرک قرار دینا احکامِ شریعت میں دخل اندازی کرنے کے برابر ہے۔ اسلام رسومات کا نام نہیں، اسلام سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ اسلام مکمل دین ہے جو عہد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں مکمل ہو گیا۔ اللہ کریم نے قرآن حکیم میں فرما دیا اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا (المائدہ:3) فرمایا، آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور اسلام کو تمہارا دین پسند فرما لیا۔

جب دین مکمل ہے تو پھر یہ روش کیسی کہ مختلف درگاہوں سے امیدیں باندھی جائیں کہ فلاں جگہ متبرک ہے وہاں جاؤ تو نوکری ملے گی۔ فلاں جگہ حاضری سے اولاد ملے گی۔ فلاں دن مناؤ تو صحت ہوگی۔ یہ رویہ اللہ سے دور کرتا ہے اور یہ وہی روش ہے جس میں گزشتہ قومیں مبتلا ہوئیں۔ فرمایا: وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحۡكُمُ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ﴿۱۲۴﴾ آپ کا پروردگار لوگوں کے تمام اختلافات میں فیصلہ کر دے گا کہ سچا کون، جھوٹا کون تھا۔ ہر چیز سامنے آجائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دین کی طرف بلاتے ہیں، یہ لوگ اپنی رسومات کو متبرک سمجھتے ہیں۔ فرمایا، گزشتہ امتوں کے متبرک دن خاص وقت کے لیے تھے۔ اب دین وہ ہے جس کی طرف آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بلاتے ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے تمام انبیاءؑ کا یہی فریضہ رہا کہ اللہ کی طرف بلائیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فریضہ نبوت بھی یہی ہے۔

آدابِ تبلیغ:

فرمایا: اُدۡعُ اِلٰى سَبِيۡلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ ۔۔۔۔۔ارشاد ہے اللہ کی طرف دعوت دیجیے، بہت اچھے انداز سے، حکمت و دانائی سے اور احسن طریقے سے دیجیے۔

ایک عام کوتاہی اور اس کی اصلاح:

ہماری کوتاہی ہے کہ ہم دین کی بات بھی کریں تو اللہ کے لیے نہیں کرتے اپنی علمیت جھاڑنے کے لیے بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں۔ دوسروں کو نیچا دکھانے کے لیے بڑے دلائل دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ دین نہیں ہے۔ دین میں مخاطب کو نیچا دکھانا مقصود نہیں، حق واضح کرنا مقصود ہے۔ اور حق تب ہی واضح ہوتا ہے جب تبلیغ کرنے والے کے دل میں مخاطب کی محبت ہو۔ جب وہ دردِ دل سے چاہے کہ اللہ اس بندے کو بھی ہدایت نصیب

کر دے۔ یہ اللہ کے غضب سے بچ جائے۔

دوسری کوتاہی یہ ہے کہ ہم وعظ بھی کرتے ہیں تو ایسے جیسے گولیاں برس رہی ہوں۔ لوگوں کو مومن بنانے کے بجائے کفر کے فتوے زیادہ دیتے ہیں کہ فلاں بھی کافر، فلاں بھی کافر۔ کافر تو پہلے ہی کافر ہیں، اللہ کے دین کے منکر ہیں، شرک میں مبتلا ہیں۔ نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں نہ آخرت پر تو ہمیں اُن کے کفر کی تشہیر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ضرورت تو اس کی ہے کہ کفر میں غرق ہونے والے کو بچایا جائے۔ اسے توحیدِ باری کے سائے میں لایا جائے اور یہ تب ہوتا ہے جب ہمارے دل میں دوسروں کے لیے ہمدردی ہو۔ یہ احساس ہو کہ اللہ کرے یہ بھی بچ جائے، اللہ اسے بھی ہدایت نصیب کر دے اور یہ گمراہی سے نکل آئے۔

اللہ کے راستے کی طرف بلانے کے لیے حکمت چاہیے۔ اس انداز سے بات کی جائے کہ سننے والے کو یہ محسوس ہو کہ بتانے والا اس کی بہتری چاہتا ہے۔ جس طرح کسی گزرگاہ سے گزرنے والے کو اگر کوئی یہ بتا دے کہ اس راستے پر ڈاکوؤں کا خطرہ ہے، اس راستے کو چھوڑ دیں اور دوسرے راستے سے گزر جائیں وہ محفوظ ہے تو وہ شخص کتنا ممنون ہوگا کہ مجھے بروقت بتا دیا۔ اسی طرح دین کی دعوت دی جائے۔ اسی انداز سے بتائیں، غلط عقیدے کی نشاندہی کر دیں۔ بتائیں کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف ہے، یہ تباہ کر دے گا، اسے چھوڑ دیں اور اللہ کا راستہ اختیار کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کریں۔ ساری بھلائی اسی میں ہے۔

اندازِ تبلیغ:

فرمایا: وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔۔۔۔۔ اچھے انداز، طریقے اور سلیقے سے بات سمجھائیں۔ اور اگر کوئی جھگڑنے لگے وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔۔۔۔۔ تو اس پر چڑنے کی ضرورت نہیں کہ وہ تو پہلے ہی گمراہ ہے۔ جو بات بھی کرے گا گمراہی کی کرے گا، جو دلائل بھی دے گا وہ باطل ہوں گے لہٰذا برا ماننے کے بجائے نہایت سکون سے، دلی خیر خواہی کے ساتھ بہت اچھے الفاظ میں جواب دیں۔ یہ دعوتِ دین دینے والے کی ذِمہ داری ہے۔

ہمارا انداز تو یہ ہو چکا ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ سارے مسلمان کافر ہیں، میں اکیلا ہی مسلمان ہوں اور میں نے انہیں مسلمان بنانا ہے۔ یہ انداز درست نہیں۔ سب اللہ کے بندے ہیں اور جو شخص بھی اسلام کا اقرار کر لیتا ہے وہ مسلمان ہے۔ وہ کم اچھا مسلمان ہے یا بہت اچھا مسلمان ہے، یہ اللہ جانے۔ ہمیں اسے مسلمان قبول کرنا ہے۔ گناہگار ہونا اور بات ہے۔ اپنے بارے بھی ہمیں پتا ہے کہ ہم کون سے فرشتے ہیں۔ ہم سے

ہزاروں خطائیں ہوتی ہیں، ان سے خطائیں ہوگئیں تو کیا ہوا؟ یہ اعلان کرنے کی ضرورت نہیں کہ فلاں، فلاں کافر ہے۔ فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴿۱۲۵﴾ تمہارا رب خود جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون اس کی راہ پر ہے۔ تمہیں اس کی نشاندہی کرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری ذِمّہ داری یہ ہے کہ اللہ سے بچھڑے ہوئے لوگوں کو، اللہ کی بارگاہ سے دور لوگوں کو پوری دلسوزی اور محبت سے اللہ کی طرف بلاؤ۔ ان کی بھلائی چاہتے ہوئے، ان کی محبت میں سرشار ہو کر خوب صورت طریقے سے انہیں اللہ کی طرف دعوت دو۔ انہیں یہ احساس دلا دو کہ مجھے تمہاری بھلائی مقصود ہے۔ تم میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہو، اللہ کریم کے بندے ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں دنیا میں بہترین راستہ مل جائے اور تمہاری عاقبت سنور جائے۔ رہی یہ بات کہ کون گمراہ ہے اور کون حق پر ہے یہ گننا تمہارا دردِ سر نہیں، اللہ کریم خوب جانتے ہیں کہ کون حق پر اور ہدایت پر ہے اور کون ہدایت سے دور ہے۔ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ۔۔۔۔۔ اگر کسی کافر، ظالم و جابر نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے اور پھر وہ قابو آ جاتا ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ اس سے بدلہ لیں تو پھر آپ اس سے اتنا ہی بدلہ لے سکتے ہیں جتنا اس نے ظلم کیا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ﴿۱۲۶﴾ اور اگر آپ معاف کر دیں، صبر کر لیں، اللہ کی راہ میں برداشت کر لیں تو اس سے اچھی کوئی بات نہیں۔

شانِ رحمۃ للعالمینی:

فرمایا: وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ﴿۱۲۷﴾ اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صبر کیجیے۔ آپ کا صبر کرنا اللہ کی توفیق سے ہے۔ آپ پر اللہ کی عطا ہے۔

خود کو اطاعتِ الٰہی پر کاربند کر لینا، اللہ کی نافرمانی سے روک لینا صبر ہے۔ اس کا استعمال ہر موقع پر ہوتا ہے۔ کسی نقصان کو برداشت کرنے کے لیے صبر کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ بھوک یا پیاس کے وقت کہا جاتا ہے کہ صبر کرو۔ دکھ اور پریشانی کے وقت بھی یہی کہا جاتا ہے لیکن اس کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ خود کو اللہ کی اطاعت پر پابند کر لیا جائے اور اللہ کی نافرمانی سے رک جایا جائے۔

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پاک ارشاد فرما رہے ہیں کہ آپ صبر کریں۔ اور آپ کو صبر کی توفیق اللہ کریم کی عطا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمۃ للعالمینی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدکاروں، ظالموں اور کافروں کے لیے بھی دکھ محسوس فرماتے تھے کہ میری بعثتِ عالی

کے بعد یہ جہنم کیوں جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آرزو تھی کہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ سایہ آ جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں اور اللہ کی نعمتوں کو پالیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نسلِ انسانی سے اتنی محبت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد لوگ دوزخ کیوں جائیں۔ اللہ کریم نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا دکھ اپنے دل پر مت لیجیے۔ انہوں نے اپنی پسند سے یہ راستہ چُنا ہے۔

کافر نہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے خلاف تدبیریں کرتے تھے بلکہ خود ذاتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو دکھ، تکلیف پہنچانے کی کوششیں کرتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کافروں کو دوزخ سے بچانے کی تدبیریں فرماتے تھے۔ اللہ کریم نے فرمایا، آپ اس سے تنگ دل نہ ہوں اس لیے کہ جو اللہ کے ساتھ ہوتا ہے، اللہ اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ جو خلوصِ دل سے اطاعت کرتے ہیں انہیں اللہ کی معیت نصیب ہوتی ہے۔ لوگ خواہ ان کے خلاف تجویزیں کرتے رہیں، انہیں ایذا پہنچانے کی کوشش کریں، وہ اپنی اس کوشش میں ہمیشہ ناکام و نامراد ہی رہتے ہیں۔ اللہ کے بندوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ حسد کی آگ میں جلتے مر جاتے ہیں۔

قرآنِ حکیم میں تبلیغ کا جو انداز بیان ہوا، اللہ کریم نے دعوتِ دین دینے کے لیے جو اصول دیے، جو انداز ارشاد فرمایے وہی انداز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ عہدِ نبوی میں ایسا ہی ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کردارِ عالی، اخلاق کریمانہ، انداز و اطوار، مزاج عالی سب قرآن حکیم کی عملی تفسیر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل پوری امت کو اور خصوصاً دعوت دین دینے والوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ واعظ کو، وہی انداز اپنانے چاہیں جو قرآن حکیم میں بیان ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہیں۔

اس آیہءِ مبارکہ میں اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ جو اللہ کے ساتھ ہوتے ہیں معیت باری اُن کے ساتھ ہوتی ہے، اس لیے جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں گویا وہ اللہ کے حضور میں حاضر رہتے ہیں۔ انہیں ہر کام میں یہ خیال رہتا ہے کہ اللہ انہیں دیکھ رہا ہے، اللہ ان کے ساتھ ہے۔ انہیں یہ احساس دامن گیر رہتا ہے کہ اگر نافرمانی کی تو اللہ کریم ناراض ہو جائیں گے۔ قربِ الٰہی کی یہ کیفیت جب دل میں آ جائے تو بندہ ہمہ وقت خود کو حضورِ حق میں پاتا ہے اور اللہ کی نافرمانی کی طرف نہیں جاتا، وہ متقی بھی ہوتا ہے اور مخلص بھی۔

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی قرآن تفسیر

حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی

اردو تفسیر آڈیو، وڈیو اور لکھی ہوئی تینوں طرح کی دیکھیں، سنیں یا ڈاؤن لوڈ کریں۔

پنجابی تفسیر وڈیوز دیکھیں ڈاؤن لوڈ کریں۔ قرآن کا اردو ترجمہ اور کتابیں ڈاؤن لوڈ کریں۔

قرآنِ کریم کی تلاوت اور حضرت صاحب کا اردو ترجمہ آڈیو۔ کمپیوٹر اور موبائل پر سننے کے لیے ڈاؤن لوڈ کریں۔ حضرت جی کا کلام حمد اور نعتیں آڈیو وڈیو سنیں اور ڈاؤن لوڈ کریں۔

دلچسپ سوال جواب پر مشتمل ٹی وی پروگرام اَلمرشد کی تمام 125 اقساط کی وڈیوز دیکھیں

www.QuranTafseer.net

حضور نبی پاکؐ کے حضور آج بھی روحانی طور پر حاضری ممکن ہے اور ہزاروں مرد و خواتین یہ سعادت رکھتے ہیں۔ لیکن کیسے؟

تصوف تزکیہ روحانیت ، ذکر، روحانی سلسلہ ، روح، کشف، بیعت ان تمام موضوعات کو سمجھنے کے لیے حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کے وڈیو بیانات اور کتابیں موجود۔

طریقۂ ذکر جس سے دل سے لے کر جسم کا ہر باڈی سیل اللہ اللہ ذکر کرنے لگ جائے۔

حضور نبی پاک ﷺ کے حضور روحانی طور پر حاضری کی سعادت۔

یہ سب کچھ سمجھنے کے لیے اور مکمل رہنمائی کے لیے ویب سائیٹ وزٹ کریں۔

اس پوسٹ کو زیادہ سے زیادہ شیئر کر کے آپ بھی اس نیک کام کا حصہ بنیں۔